
رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان، ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

مطبع معارف میں چھپکر
دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

کتبخانۂ دار المصنفین

علامۂ شبلی نعمانی رح

سیرۃ النبی صلعم قسم اول مجلد عہ غیر مجلد عہ
حصۂ اول مجلد اول قسم دوم مجلد عہ غیر مجلد ۸ے

الفاروق حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت ۲ر
الکلام، جدید علم کلام طبع اعلےٰ و اول ۱ر
الغزالی امام غزالی کی سوانحعمری اور انکا فلسفہ ۲ر
المامون خلیفہ مامون الرشید عباسی کے حالات، ۱ر

شعر العجم حصۂ اول شاعری کی حقیقت، فارسی
شاعری کا آغاز، قدما کا دور ۲ر

حصۂ دوم شعراے عہد متوسط ۲ر
حصۂ سوم شعراے متاخرین ۲ر
حصۂ چہارم فارسی شاعری پر ریویو ۲ر
حصۂ پنجم قسم اول ۱ر قسم دوم ۲ر

مقالات شبلی پندرہ علمی و تاریخی مضامین کا مجموعہ ۱ر

الانتقاد علی التمدن الاسلامی- جرجی زیدان کے
تمدن اسلامی پر عربی مین ریویو ۸ر

تذکرۂ خسرو، یعنی امیر خسرو کے حالات اور انکی
شاعری، ماخوذ از شعر العجم ۱۰ر

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر
اعتراضات اور اسکے جوابات ۱۰ر

مکاتیب شبلی مولانا مرحوم کے خطوط کا مجموعہ جو علمی
قومی، ادبی، اخلاقی معلومات کا خزانہ ہے جلد اول ۱۲ر جلد دوم ۱۲ر

دیوان شبلی مولانا کے فارسی قصائد کا مجموعہ ۴ر

دستۂ گل مولانا کی فارسی غزلون کا مجموعہ ۴ر
برگ گل مولانا کے آخری زمانہ کے فارسی قصاید
اور غزلون کا مجموعہ ۴ر

قصیدۂ امرتسر- امرتسر کے اجلاس ندوۃ العلما مین مولانا
نے جو فارسی قصیدہ پڑھا تھا طبع رنگین و اعلیٰ ۲ر

مجموعۂ کلام شبلی اردو ۱۲ر
مثنوی صبح امید اردو ۴ر
نوحۂ اسحاق مولانا کا اپنے بھائی کی وفات پر پُر درد مرثیہ ۱ر
سفرنامۂ روم و مصر و شام ۱ر

مولانا حمید الدین صاحب بی-اے

تفسیر سورۂ تحریم جدید طرز پر عربی مین قرآن مجید کی تفسیر ۴ر
تفسیر سورۂ قیامہ " " ۴ر
تفسیر سورۂ والشمس " " ۴ر
تفسیر سورۂ والکفرون " " ۴ر
تفسیر سورۂ والعصر " " ۴ر
اسباق النحو سہل طرز پر عربی گرامر اردو ۵ر
دیوان حمید مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر ۱۲ر
خرد نامہ منظوم و خالص فارسی زبان مین امثال سلیمان کا ترجمہ ۸ر
تحفۃ الاعراب عربی کی نحو جدید اردو نظم مین ۲ر

دیوان الفیض

ہندوستان کے مایۂ ناز استاد ادب مولانا فیض الحسن سہارنپوری
کا عربی کلام صفحے ۸۲ ... ۱ر

بدیہہ گوئی، شعراے بدیہہ گو کے دلچسپ حالات قیمت

جلد پنجم	ماہ جنوری سنہ ۲۰ء مطابق ربیع الثانی سنہ ۳۸ھ	عدد اوّل

مضامین

جدید مطبوعات

شذرات

ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ کے ایک ریویو سے معلوم ہوا کہ حال مین ایک نومسلم فرینچ عیسوڈینا اور ایک آبائی مسلمان سلیمان بن ابراہیم نے مشترک محنت سے انگریزی مین سیرۃ نبوی پر ایک ضخیم کتاب تالیف کی ہے جسکا پورا نام "لائف آف محمد دی پرافٹ آف اللہ" (سیرت محمد رسول اللہ) ہے، کتاب کی ارزان ایڈیشن کی قیمت ۲ پونڈ ۲ شلنگ (۴۰ روپیہ) اور نفیس ایڈیشن کی قیمت ۸ پونڈ ۸ شلنگ (سو روپیہ سے کچھ اوپر) ہے، اس گران قیمتی کا سبب غالباً یہ ہے کہ کتاب مین مسلمانون کا نظام تمدن و طرز معاشرت دکھانے کے لئے تصاویر بکثرت سے دی گئی ہین، ٹائمز کے ریویونگار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انداز تحریر مین تمامتر مذاق قدیم کی پیروی کیگئی ہے، اور زمانۂ حال کی ضروریات و مقتضیات کو بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو کیا منقولی و معقولی حیثیات کی جامعیت کا امتیاز صرف علامہ شبلی مرحوم کی سیرت کو حاصل رہیگا؟ کتاب فرانس مین پیرس بک کلب کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔

مشہور مستشرق پروفیسر ای، جی، براؤن، مشرقی علم و ادب کی جو گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہین اسکا حال سب کو معلوم ہے، حال مین لکھنؤ کے ایک ہونہار نوجوان تکمیل تعلیم کی غرض سے کیمبرج گئے ہین وہ اپنے ایک پرائیوٹ خط مین اس نامور مستشرق کا کچھ تذکرہ کرتے ہین جو امید ہے کہ اکثر ناظرین کیلئے دلچسپ ثابت ہو، وہ لکھتے ہین:-

"مین نے پروفیسر براؤن سے درخواست کی کہ وہ گب موریل سیریز کے مطبوعات دارالمصنفین کو

بیٹھے رہین، غالباً آپ بھی اسے پسند کرین اور دار المصنفین کے مطبوعات انکے پاس بھیجا یئن، براؤن بالکل مجذوب منش شخص ہین، مین پرسون اُنکے پاس گیا تھا اس غرض سے کہ انپاءی کا امتحان کراؤن تاکہ داخلہ کے امتحان سے جلد نجات ہوجاے، مگر وہ اپنی قوت گویائی کے آگے دوسرے کی سماعت نہین کرتے، اور موضوع اسقدر جلد بدلجاتا ہے کہ ہرا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے، کئی بار عرض معا کی کوشش کی مگر جواب مین البیرونی کے کارنامے، ابن باجہ کے کمالات اور مسلہ وراثت خون پر ایک لکچر سننا پڑا۔۔۔۔ موصوف نے مجھے دو کتابون کے نام دیئے ہین کہ ہندوستان کے کتبخانون مین انہین تلاش کرو اگر انکی اصل دستیاب ہو سکے تو بہتر ورنہ انکی نقل یا فوٹو حاصل کیے جایئن گے :۔

(۱) الحاوی لابی محمد زکریا الرازی،

(۲) فردوس الحکمۃ لعلی بن ربان الطبری

یہ طب کی کتابین ہین، براؤن آجکل مشرق کی طبیعیات پر ایک کتاب لکھ رہے ہین، وہ یہان کے ایم، ڈی ہین اسلئے طب مین بھی کافی استعداد رکھتے ہونگے؟"

انگلستان کا سب سے زیادہ معزز ماہوار رسالہ نائینٹینتھ سنچری ہے جو چالیس سال سے زاید علم و فن، ادب و سیاست کی نہایت سنجیدہ خدمات ادا کر رہا ہے، اور جسکے مضمون نگارون کی فہرست مین ہمیشہ انگلستان کے مشاہیر عصر کیطرف ٹنڈال، گلیڈاسٹن، لارڈ ٹینیسن وغیرہ کے نام نظر آتے رہے ہین حال مین اسکی عنان ادارت ڈیوک آف نارتھمبرلینڈ کے ہاتھ مین آئی ہے جو ولایت کے نامور رئیس ہین کیا ہماری قوم کے کسی نواب یا راجہ سے توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی زبان کے کسی سنجیدہ پرچہ کے فرائض ادارت کو ایک لمحہ کے لئے بھی سنبھال سکیگا؟

ڈاکٹر بل، ایم، ڈی، اف، آر، سی، پی، اسوقت برطانیہ کے ایک مستند ماہر طب مغربی ہین چند روز ہوئے انھون نے سرطان کے علاج پر ایک کتاب شایع کی ہے، جسمین شواہد کی کثرت اور دلائل کی قوت کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ مرض سرطان کا علاج اپریشن (عمل جراحی) کے ذریعہ سے ایک مہمل و نامعقول طریق علاج ہے، اسلئے کہ اس مرض کا اصل سبب فساد خون ہے اور وہ جب تک دفع نہ کیا جائیگا اسکے ادی مظہر کو منکشف دینا یہی نہین کہ قطعًا بے اثر رہیگا بلکہ اس طریق سے زہر برابر پھیلتا رہیگا، تا آنکہ مریض کا خاتمہ ہوجائیگا، ڈاکٹر موصوف نے اس مسئلہ پر محض نظری و استدلالی حیثیت سے بحث نہین کی ہے بلکہ کثرت سے واقعات و اعداد فراہم کرکے یہ دکھایا ہے کہ کسی مریض کو اس طریقۂ علاج سے شفا ہوئی ہی نہین ہے طب یونانی کے خدمتگزارون نے آج تک جب کبھی اس قسم کی لب کشائی کی جراءت کی ہے تو ہمیشہ اسکا جواب خندۂ تحقیر سے دیا گیا ہے، دیکھنا ہی کہ قوم آزر اس تیشۂ خلیل کا کیونکر مقابلہ کرسکتی ہے؟

لکھنؤ یونیورسٹی کا قیام ہندوستان کی تعلیمی تاریخ مین ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، لکھنؤ یونیورسٹی نہ صرف اودھ کو تعلیمی "ہوم رول" دلائیگی بلکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہندوستان کے لئے ایک بالکل نادر شے ہوگی، اساتذہ کا تقرر، اور تعلیم و تدریس کے اصلی فرائض تمامتر یونیورسٹی کے ذمہ رہین گے، کالجون کی حیثیت محض ہوسٹل یا دارالاقامہ کی رہ جائیگی، طلبہ بجائے اپنے گھرون پر رہنے کے انہین کالجون مین مقیم رہین گے، باہر کی کوئی درسگاہ ملحق نہ ہوسکیگی، کالجون سے ایف، اے کی جماعتین نکال دی جائینگی، بی۔اے کی مدت تعلیم بجائے دو سال کے تین سال ہوجائیگی، غرض اس قسم کے بیسیون تغیرات ہونگے جن سے ہندوستان ابتک نا آشنا تھا، ملک منتظر رہیگا کہ یہ جدید تجربات کس حد تک مفید و کامیاب ثابت ہوتے ہین۔

کمالات علم وادب کے اعتراف کے لئے اسوقت یورپ کے ہاتھ مین سب سے بڑا مادی صلہ نوبل پرائز ہے جسکا ہر انعام ایک ایک لاکھ روپیہ سے اوپر کا ہے اور جسکا فیصلہ ہالینڈ مین ایک کمیٹی کرتی ہے، جسمین یورپ کی ہر قوم کے کاملین فن کی نیابت موجود ہے، حال مین اسکے انعامات بابت سائنس کا اعلان ہوا ہے طبیعیات مین ۱۹۱۸ء کا نوبل پرائز پروفیسر پلینک (برلن یونیورسٹی) کو، اور ۱۹۱۹ء کا پروفیسر اسٹارک (گریفسوالڈ یونیورسٹی) کو، اور کیمیائیات مین ۱۹۱۸ء کا پروفیسر ہیبر (برلن یونیورسٹی) کو ملا ہے، یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ تینون اشخاص جرمن ہین، یا کم از کم جرمن یونیورسٹیون سے تعلق رکھتے ہین، ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک بار ایک انکا ہموطن بھی اس اعزاز کا مستحق قرار پاچکا ہے، (رابندرا ناتھ ٹیگور)

انگلستان مین ریشنلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیین) مدت سے قائم ہے جسکی رکنیت کا اصل الاصول یہ ہے کہ عقل کو نقل پر، دلیل کو عقیدہ پر، درایت کو روایت پر مقدم سمجھا جائے گو عملاً اس انجمن کے اکثر ارکان صرف مذہب کی مخالفت اپنا فرض سمجھتے ہین، انجمن مذکور کے بعض ارکان اہل ہند بھی تھے، لیکن ابتک اس قسم کی کوئی مستقل انجمن ہندوستان مین نہ تھی، مگر اب چند ماہ ہوئے کہ اسی نمونہ پر ایک انجمن انڈین ریشنلسٹک سوسائٹی کے نام سے کلکتہ مین بھی قائم ہوئی ہے، اور انجمن کی جانب سے ایک مختصر ماہانہ رسالہ بھی انگریزی مین نکلنے لگا ہے، انجمن کی مجلس انتظامی کے ارکان کلکتہ کے بیرسٹر د گر یجویٹ وغیرہ ہین جنمین ایک صاحب مسلمان ہین، رسالہ مذکور کا ابتک صرف پہلا نمبر ہماری نظر سے گذرا ہے، اسلئے انجمن کے طرز عمل کے متعلق کوئی رائے قطعیت کے ساتھ نہین قائم ہوسکتی تاہم انجمن اگر اپنے اصول کے اندر محدود ہے اور خوامخواہ اہل مذاہب سے الجھنا اپنا فرض نہ قرار دے لے تو اسمین شبہہ نہین کہ اسکے لئے مفید کام کرنے کا بہت وسیع میدان موجود ہے، یہ دیکھکر ایک حد تک اطمنان ہوتا ہے کہ انجمن کے سرپرست سرجان ووڈرف مشہور جج ہائیکورٹ کلکتہ ہین جو اپنی سنجیدگی

وسعت نظر، علم وفضل، بے تعصبی، رواداری کا اپنی تحریرون مین ایک سے زاید بار ثبوت دیچکے ہین امید رکھنا چاہیئے کہ انکی رہنمائی مین پر جوش نوجوان ارکان انجمن اپنے حدود سے تجاوز نہ کرینگے۔

ہندوستان کے بعض خوش فہمون کے نزدیک تو شعر العجم، پروفیسر براؤن کی کتاب کا سرقہ ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خود پروفیسر موصوف، شعر العجم سے اخذ و استناد کرتا ہے، مسٹر براؤن کے ایک ہونہار شاگرد اپنے تازہ عنایت نامہ مین لکھتے ہین :-

"لٹریری ہسٹری آف پرشیا کی تیسری جلد تقریباً شایع ہوگئی، اسکے پروف دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، شعر العجم سے بہت کچھ اخذ کیا گیا ہے، غالباً شبلی پہلے ہندوستانی ہین جنکی تعریف براؤن کی زبان سے نکلی ہے"۔

بعض حلقون مین اس خبر سے جو شدید صدمہ پیدا ہوا ہوگا اسکا ہم اندازہ کرسکتے ہین!

مقالات

تفسیرِ سورۂ یوسف

پر

استدراکات و انتقادات

از جناب مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی صدر الصدور دولتِ آصفیہ

ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ کے معارف مین ایک مضمون سورہ یوسف کی چند آیات کے متعلق شائع ہوا ہے، مضمون بالا کے دو حصے ہین، اول قدیم تفسیر کے متعلق جرحین، دوم خود مضمون نگار صاحب کی تفسیر، مین دونون حصون کی بابت بحث کرنا چاہتا ہون[۱] -

حصہ اول مین حسب ذیل جرحین قدیم تفسیر پر کیگئی ہین،

(۱) مکر کے معنی صحیح نہین لئے گئے،

(۲) یہ تاویل صحیح نہین کہ زنانِ مصر نے جیلہ طعن و اعتراض سے حضرت یوسف کو دیکھنا چاہا،

(۳) پہلے سے یہ یقین کرلینا ناممکن ہے کہ انسان مختل الحواس ہوکر کیا حرکت کرنے لگیگا، اعجازِ جمال دیکھنے کے لئے چھری ہاتھون مین دینے کی ضرورت نہ تھی، یہ قرینِ قیاس نہین کہ کہانے کے کاٹنے کے لئے چھریان دیگئی ہون تو ایک ہی وقت مین سب عورتین کہانے مین مشغول ہوگئین، مختلف الاحساس عورتون پر ایک ہی اثر ہونا ضروری نہ تھا،

---

[۱] آیات محولہ کے متعلق حسب ذیل تفاسیر کے مطالعہ کرنیکے بعد یہ مضمون لکھا گیا ہے، معالم التنزیل بغوی، مفاتیح الغیب رازی، انوار التنزیل بیضاوی، مدارک التنزیل نسفی، جامع البیان، الدر المنثور سیوطی، تفسیر ابن کثیر، تبصیر الرحمن مہائمی، غرائب القرآن نیسابوری،

(۴) حسن و جمال کے نظارے سے ایسا مدہوش ہونا کہ انسان اپنے تیئں زخمی کر لے، ابتدا آفرینش سے آج تک نہین سنا گیا،

ان اعتراضون کا سلسلہ اس عبارت پر ختم ہوا ہے کہ اس تفسیر مین عورتون کے الزام کو اور انکے ہاتھ کاٹنے کو جس شکل مین بیان کیا گیا ہے، غیر منصوص اور خلاف سیاق و سباق ہونے کے علاوہ سراسر غیر مربوط" اور خلاف عقل ہے۔

حصہ دوم کا خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ قرآن سے جو غالب گمان" ہوتا ہے، متبادر ہوتا ہے، اسکے دلائل یہ ہین،

اوّل حضرت یوسف کی دعا، دوم جن الفاظ مین زلیخا کے بہکانے کا ذکر ہے، ان مین تمام عورتون کے فعل کا ذکر کیا گیا ہے، سوم فذلکن الذی لمتنی فیہ چہارم ثم بدالہم مابعد ما راوا الایات الخ پنجم حدیث شریف کے الفاظ انکن صواحب یوسف،

پہلے ہم ان اعتراضون کا جواب دیتے ہین جو قدیم تفسیر پر کئے گئے ہین،

اولاً معنی مکر کے، مفسرین نے تقریباً بالاتفاق لکھا ہے کہ اس مقام پر مکر کے معنی غیبت کے ہین، امام العربیہ علامہ زمخشری بھی کشاف مین یہی لکھتے ہین، علامہ کے الفاظ یہ ہین (بمکرھن) اغتیابھن وسوء قالتھن اس صورت مین صاحب مضمون کا کوئی اعتراض باقی نہین رہا، ہان اس معنی کے بیان کرنے کے بعد ضمناً یہ پہلو بھی بیان کیا ہے کہ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ عورتون نے اس ناصحانہ طعن کے پردے مین یہ رمز رکھا ہو کہ طعنہ کے اثر سے متاثر ہو کر زلیخا یوسف علیہ السلام کو دکھلا دیگی، یہ ایک لطیف پیرایہ حصول مدعا کا تھا اور فطرت انسانی کے مطابق ہے، آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ طعن کے ذریعہ سے انسان مضطر ہو کر دل کی باتین کہدیتا ہے، گواہون سے جرح جن جن پیرایون مین کیجاتی ہے ان مین ایک موثر طریقہ یہ بھی ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ بسا اوقات گواہ طعن سے متاثر ہو کر دل کی بات کہہ ڈالتے ہین، خلاصہ یہ کہ طعن کے

اثر سے انکار ممکن نہین، اب رہا یہ اعتراض کہ یوسف علیہ السلام پردہ نشین نہ تھے، نہ زنان مصر مین ایسا پردہ ثابت ہے کہ وہ کھڑکی سے بھی نہ جھانک سکین نہ دروازہ سے تاک سکین، اس اعتراض کے وقت اس امر کو پیش نظر نہین رکھا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے پاس احترام سے رہتے تھے، اکثری شواہد سے انکی جلالت شان پائی جاتی ہے، امراء و نوابون کے رہنے سہنے کا جو طریقہ پہلے معتاد ہو لیا تھا کہ عامۂ خلائق سے علیحدہ قلعون اور بڑے بڑے محلون مین رہتے تھے، عامۂ خلائق کے سامنے بجز خاص خاص مواقع کے بہت کم ظاہر ہوتے تھے، خلفاے بنی عباس کے عہد تک یہی دستور رہا کہ دربار بھی پس پردہ ہوا کرتے تھے، حکم و احکام حاجب کے ذریعہ درباریون تک پہنچتے تھے، مامون رشید نے اس رسم کو توڑا، اس حجاب و انزوا کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مخلوق فرمانرواؤن کے دیکھنے کی دل و جان سے مشتاق رہتی تھی، نواب کلب علیخان مرحوم کی سواری حالت صحت مین جب کبھی نکلا کرتی تھی تو تماشائیون کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے تھے، سلطان عبد الحمید خان مرحوم کی جمعہ کی سواری یورپ و امریکہ سے سیاحون کو کھینچ کھینچ کر قسطنطنیہ پہنچاتی تھی، اہل یورپ باوجود کوشش کے انکی تصویر کھینچنے مین کامیاب نہ ہوسکے، یہ مثالین اس زمانہ کی ہین، خیال کرو اسوقت کو جب مصر مین فراعنہ کا دور دورہ تھا جو خدائی کے دعوے رکھتے تھے، کیا انکے شاہزادے بے تکلف گلی کوچون مین مارے مارے پھرتے تھے، اور ایسی عام چیز تھے کہ انکے دیکھنے کو نہ کوئی مشتاق ہوسکتا تھا، اور نہ کسی کے دل مین انکے دید کی تمنا ہوسکتی تھی، اس حفظ شان کے ساتھ ملاؤ اس واقعہ کو کہ حضرت یوسف کی جمال کی شہرت تمام مصر مین ہے، عزیز مصر کی عورت کا ان پر مفتون ہونے اور متاع ہوش ہار بیٹھنے کا چرچہ کو بکو ہے، اس حالت مین زنان مصر کا مشتاق دیدار ہونا اور زنانہ اہانت سے ایک طعن کے لطیف پیرایہ مین حصول مدعا کی حیل نکالنی کیا ایسا خلاف عقل امر ہے کہ اسکو لکھ کر مفسرین دائرہ عقل سے خارج ہوگئے، تھیٹرون مین ناموری ایکٹ کرنیوالون کے دیکھنے کے مشتاق ہوکر بسا اوقات لوگ ہستی سے گذر جاتے ہین، اور یہ دن رات کا مشاہدہ ہے،

علی ہذا القیاس بہت سے شواہد مل سکتے ہین،

خلاصہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حفظ مرتبہ جلالت شان، انکے سر بازار پھرنے کو مانع تھا، شہرت حسن، آرزوے دیدار پیدا کرنے کے لئے کافی تھی، ان دونون باتون کے پیش نظر رکھنے کے بعد مفسرین کا قول اعتراض سے پاک ہوجاتا ہے، اسپر قوی شہادت یہ ہے کہ ان کا قول سن کر زلیخا پر جو اثر ہوا تھا کہ پرشوکت دعوت کا سامان کرکے ان عورتون کو بلایا اور یوسف علیہ السلام کو سامنے کردیا، انھون نے جو کہا زلیخا نے (جو حسن وعشق کی رمز شناس تھی) سمجھا،

آن کس است اہل بشارت کہ اشارت داند

ہاتھون کے کاٹنے کے واقعہ پر جن جن پیرایون اور پہلوؤن پر اعتراض ہے، وہ مفسرین کا مقبول قول نہین، انکا مقبول قول یہ ہے کہ زلیخا نے سامان دعوت آراستہ کی، مہمانون کے لئے تکیئے مہیا کئے، کھانا یا میوہ کاٹنے کے لئے ہر ایک کے ہاتھ مین ایک چھری دی، جب وہ کھانا یا میوہ کاٹ رہی تھین تو حضرت یوسف علیہ السلام کو سامنے کردیا، مہمان عورتین انکو دیکھکر مبہوت ہوگئین گھبرا گئین، چھری بجاے میوہ کے ہاتھون پر چل گئی، وہ یہ نہین کہتے کہ چھری اسلئے دیگئی تھی کہ دیکھکر ہات کاٹ ڈالینگی، اگر ایسا ہوتا تو صاحب مضمون کے اعتراضات وارد ہوسکتے تھے، بعض مفسرین نے یہ پیرایہ اختیار کیا ہی لیکن وہ بھی ضعیف کرکے، بہرحال قول مقبول وہی ہے جو اوپر بیان ہوا، اور اسپر اعتراض وارد نہین ہوتا۔

رہا یہ امر کہ حسن سے عورتون کا متاثر ہوکر ہاتھ کاٹ لینا بالکل خلاف قیاس ہے اور ابتداے آفرینش سے آج تک ایسا نہین سنا گیا۔

اسکا معمولی جواب تو یہ ہے کہ غالبًا ہر شخص پر یہ واقعہ گذرا ہوگا کہ چاقو سے قلم بنا رہا ہے یا کوئی اور چیز کاٹ رہا ہے کہ خیال دوسری طرف منتقل ہوگیا، اور چاقو سے ہات کٹ گیا، اگر ایسا ہی اسوقت بھی ہوا ہو کہ سب عورتین حضرت یوسف کو دیکھکر انکے دیکھنے مین مصروف ومحو ہوگئی ہون اور بجاے

ترنج کے انکے ہاتھ مین چھری لگ گئی ہو تو کون امر خلاف قیاس ہے، یہ تو چھری سے بات مین زخم آجاتا ہے، لوگ ولولہ محبت مین کنوؤن مین گر کر، گلا کاٹ کر، زہر کھا کر جانین دیدیتے ہین، یہ روزمرہ کے واقعات ہین جہان چاہو قوالی کی محفلون مین دیکھ لو،

شیخ علی حزین نے اپنی سرگذشت مین شیراز کا چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ ایک درویش سر بازار بیخودی عشق کی حالت مین اپنے جسم پر بے تکلف چھری کے زخم مارتا تھا اور زخم کے لگنے پر محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس سے لذت یاب ہو رہا ہے، شیخ کو رحم آیا اور لوگون کو ملامت کی کہ کیون چھری اسکے ہاتھ سے نہین نہ لیتے، جواب ملا کہ چند بار کوشش کی، ہر بار حالت عجز و اضطراب مشاہدہ ہوئی، چھری ہاتھ سے نکلی کہ جان بدن سے نکلی، مجبوراً چھوڑ دیا، چند روز تک یہ عالم رہا، آخر ایک بار چھری پیٹ پر پڑ گئی، انتڑیان کٹ گئین اور کام تمام ہوگیا،

حضرت یوسف کا جمال باکمال احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس کمال جمال کے ساتھ نور نبوت و عفت کی لمعان، اور عورتون کا پہلے سے مشتاق دید ہونا، اس حالت مین دفعۃً دیکھنے پر اگر عورتون کی چھریان بجاے میوہ کے ہاتھون پر چل گئین تو کون استعجاب ہوا، یہ داستان بہت طویل ہو سکتی ہے لیکن ادب مانع ہے، معمولی بوالہوسی مین گلا کٹانا روزمرہ کی بات ہے، رہا یہ امر قرین قیاس نہین کہ چھری سے کہانے کی چیزین سب نے ایک ساتھ شروع کی ہو، بالخصوص جوقت جب حضرت یوسف علیہ السلام انکے سامنے آئے، ایسے امر کو جو روزمرہ کا مشاہدہ ہے، خلاف قیاس کہنا حیرت افزا ہے، میز پر ہر روز مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک وقت مین ایک ہی چیز ہر مہمان کے سامنے ہوتی ہے اور وہ اسکے کہانے مین مصروف ہوتے ہین، میوہ ایک ہی وقت مین کہاتے ہوتے ہین، ایشیائی طرز مین کہانا جب سب کے سامنے چن جاتا ہے تو بسم اللہ کہکر اجازت دیدیجاتی ہے، تب کہانا شروع کرتے ہین شادی کی محفلون مین گھنٹون مہمان اجازت کی انتظار مین بیٹھے رہتے ہین، عموماً کہانے کے بعد میوہ کہایا جاتا ہے،

اور مہمان اسکے کہانے مین مصروف ہوتے ہین، ایشیا دیکی دعوتون کا یہ سمان آج تک آنکہون مین ہے
ایرانی قالینون پر میوے کی قابین صحن گلشن کا لطف دیتی ہین،

غور کیجئے دعوت شاہی کے انواع و اقسام کے کہانے کہا کر مہمان میوہ کہانے مین مصروف ہین
لطف صحبت ہے، زلیخا اس موقع کو تاڑ لی تھی کہ ہان اب موقع ہے کہ ناصحان مشفق کے ضبط کا امتحان
کرد، اسوقت کہتی ہے کہ اخرج علیھن کیا اس سے بہتر موقع اسکے لئے ہو سکتا تہا، رہا مختلف الطبائع
والاحساس عورتون پر ایک ہی اثر ہونا، اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ تو معمولی اثر تہا جو سب پر ہوا،
اسکے بعد کے مراتب اثر کے جو کچھ ہوئے ہون انکو خدا بہتر جانتا ہے، یہ کسی مفسر نے نہین لکہا ہے کہ اسکے سوا
کسی پر اور کچھ اثر نہین ہوا، غالباً ہمارے اس بیان سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ مفسرین نے جو پیرایۂ بیان
اختیار کیا ہے نہ وہ "غیر منصوص" اور نہ "سراسر خلاف عقل" ہے،

اب رہا دوسرے حصہ کا امتحان کرنا چاہیئے -

سب سے اول اس تعبیر کے قائل سے انہین کے مقرر کردہ اصول کے مطابق روائت کا
سوال ہوگا، جب قدماء کا قول روایت کا محتاج ہے تو متاخرین اس سے کب بے نیاز ہو سکتے ہین،
مضمون مین کسی روایت کا حوالہ نہین لہذا ہم اصول روایت سے قطع نظر کرکے صرف اصول درایت کو
لیتے ہین،

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر قیاسات کا اسقدر سلسلہ معانی قرآن مین قائم کرنا ہر شخص کا
اختیاری ہو جائے جسقدر اس مضمون مین ہے، پہر تو قرآن کی کسی روایت کے معنی بحالہا قائم نہین رہ سکتے
آغاز تعبیر مین صاحب مضمون نے چار سطر سے زیادہ قیاسی تمہید قائم کرکے آغاز مطلب کیا ہے،
اس سے قطع نظر کرکے ہم نفس مطلب کو جانچتے ہین، خلاصہ واقعہ یہ ہے کہ زنان مصر نے یہ کہا کہ چند
باتون مین یوسف سے جوان غلام کسیدہا کر سکتے ہین، اسکو سنکر زلیخا نے انکو بلایا، مشورہ کیا، بعد مشورہ

ہر ایک کو بستر اور چھری دی اور حضرت یوسف کو انکے پاس بھیجا وہ انکے پاس آئے تو عورتوں نے اُن پر اپنے سارے فن و فریب ناز و کرشمے صرف کر دیئے، مگر حضرت یوسف کے قدم ثبات کو لغزش نہوئی، پھر ڈرایا اس سے بھی کام نہ چلا تو چھری سے ہاتھ کاٹ لئے کہ ہم تمپر حملہ آوری کے الزام لگا کر تمکو سزا دینگے، یہ افسون بھی کارگر نہوا، اس واقعہ کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہر عورت کے لئے علٰحدہ علٰحدہ خلوت گاہیں بستر اور چھری مہیا کیگئی تھی، یا ایک ہی مجلس میں، شکل اول میں (اخرج علیھن) کسطرح صحیح ہوگا محاورہ تو چاہتا ہے مجمع کے سامنے نمایاں اور ظاہر ہونے کو، تخلیہ میں باری باری سے ہر عورت کے پاس جانیکو نہیں چاہتا، اسکے علاوہ ایک لطیف پہلو یہ ہے کہ جب اسطرح زلیخا اس ایک کے پاس اپنے محبوب کو بھیج رہی تھی تو اسکی غیرت نسوانی کو یہ وسوسہ اور وہم تو نہ تھا کہ کہیں ایسا نہو کہ ان میں سے کوئی وصل محبوب سے کامیاب ہوجائے؟ اگر نہ تھا تو فطرت انسانی سے وہ دور تھی، کہ جس شخص کے وصل کی تمنا میں اس نے اپنے کو مٹایا، اسی کو آنکھوں کے سامنے خوشی سے دوسری عورتوں کے پاس اس غرض سے بھیجدے کہ انکو بہلا پھسلا کر اپنی مدعا میں کامیابی حاصل کریں ایکے بعد دیگرے یہ نظارہ پیش نظر ہو اور وہ اطمینان سے اسکو دیکھتی رہے، مقام حیرت ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب مضمون اسکے قائل ہیں کہ ناز و کرشمہ کو وہ اپنے مدعا کے حصول کے لئے کام میں لا رہی تھیں، زلیخا کے لئے وہ کوشش نہ تھی،

اور اگر مجمع عام میں یہ ہوا تو پھر ایسا سمان چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا، ایک لڑکا عورتوں کی ایک جمّ غفیر میں چھوڑ دیا جائے جنمیں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری ہو، ہر ایک اسکو ناز و کرشموں سے مسحور کر رہی ہو اور حصول مدعا کی فکر میں ہو، اس لڑکے کا اس طوفان ناز میں کیا حال ہوگا اور کس طرح وہ ان امور پر مائل ہوگا جو تخلیہ طلب ہوں، واضح ہو کہ وہ لڑکا کوئی بازاری اوباش نہ تھا، اس کو جو ناواقف، تخلیہ میں بھی ثابت قدم رہنے والا جوان مرد تھا، کیا وہ اس طوفان بے تمیزی میں اپنی متاع عصمت برباد کرنے پر مائل ہو سکتا تھا،

آگے واقعہ یہ ہے کہ نوبت عدالت تک پہنچی اور وہ زخم جو عورتون نے خود ہاتھون پر لگائے تھے جرم قرار پاکر حضرت یوسف کی سزا ے قید کی باعث ہوئی۔

ذرا زخمون کی حالت جانچنی چاہیئے، معاینۂ ڈاکٹری نے بتایا ہوگا کہ یہ زخم ایک ہاتھ مین چھری لیکر دوسرے ہاتھ مین لگاے گئے ہین، بالفرض اگر عورتون نے زخمی ہاتھ مین چھری لیکر دوسرے ہاتھ بھی زخمی کرلئے ہونگے، تو یہ زخم پہلے زخمون سے کم ہونگے، اسلئے کہ صحیح اور زخمی ہاتھ کی قوت مین فرق لازم ہے پھر یہ جرح پیدا ہوئی ہوگی کہ ایک نوجوان ایک عورت کی عفت پر حملہ کرتا ہے، کامیاب ہونے پر چھری سے حملہ کرتا ہے یہ واقعہ متعدد عورتون سے پیش آتا ہے، ایک ہی وقت مین مگر ہر مرتبہ اسکا وار ہاتھ ہی پر پڑتا ہے، نہ چہرہ پر زخم آتے ہین، نہ بازو پر نہ اور کسی مقام پر، اور پھر زخم کی صورت بھی ایسی ہے کہ جیسے خود کسی نے چھری سے زخم لگالئے ہون، تیسری جرح یہ ہے کہ ایک مجمع نسوانی مین ایک نوجوان لڑکا یکے بعد دیگرے ہر عورت اُسکا شکار بنتی ہے لیکن یہ نہین ہوتا کہ سب مل کر اس سے چمٹ جائین اور اسکو مغلوب کرکے اپنی عصمت کو محفوظ رکھین، کیا کسی پاکدامن عورت کو بیخود کرنے کے لئے اس سے زیادہ کسی اور کی ضرورت ہے، معلوم نہین ان جرحون کا عدالت مجوزہ کو جواب ملا ہوگا، یہ توقیاس نہین کیا جاسکتا تھا کہ بغیر ان اہم جرحون کے صفائی کے قید کا حکم سنا دیا ہو،

(باقی)

عہدِ اسلام مین ہندوستان
کی
جہازرانی اور بحری کارنامے

(۱)

از جناب محمد یوسف صاحب صدیقی ایم اے، آئی، او، آر ایس

مسلمانون کی آمد ہندوستان مین خلیفہ عمرؓ کے وقت سے شروع ہوگئی تھی، وہ دریائی راستہ سے سندھ آتے اور یہان کی پیداوار لیکر چلے جاتے، یہ سلسلہ چند خلفا کے زمانۂ خلافت تک قائم رہا، خلیفہ ولید کے زمانہ مین جب مسلمان دریائی راستہ سے سندھ آرہے تھے تو دریاے انڈس کے رہنے والے لٹیرون نے دیول کے مقام پر جو سندھ کا ساحل تھا انکے آٹھ جہازون کو لوٹ لیا جنکو لنکا کے حاکم نے حجاج اور خلیفہ کو خوش کرنے کے لئے تحفۃً بھیجا تھا اور جنمین قیمتی جواہرات اور یتیم اور مساکین تھے، ان لٹیرون نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا، اور تمام ملک کو دہلائے ہوے تھے، ان ہی غارتگرون کی وجہ سے سلطنت ایران جو آزاد اور برسرِ اقتدار تھی خوف زدہ رہتی تھی، ان سے ملک کی خوب حفاظت کیجاتی تھی اور جہازرانی دریاے نانگرس نک ناقابل گذر خیال کیجاتی تھی، جہازون کے لوٹ لئے جانے پر مسلمانون نے راجہ داہر والی سندھ کو ان غارتگرون کو کافی سزا دینے کے لئے کہا، راجہ نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ دیول کے لوگ اسکے رعایا نہین تھے، اس عذر کو مسلمانون نے عذرِ لنگ سمجھا، محمد ابن قاسم جہاز پر سوار ہوکر دیول آیا، اسکے ساتھ کافی آدمی تھے، اور اسلحہ اور جنگی مشینین بھی تھین ان مشینون مین ایک کا نام منجنیق تھا وہ اسقدر بڑا تھا کہ اسکے استعمال کے لئے ۵۰۰ آدمیون کی ضرورت

ہو ئی تھی[۱]، محمد ابن قاسم نے راجہ داہر کو شکست دی۔

مسلمانون کی آمد تجارتی اغراض سے قائم ہو چکی تھی، لیکن محمود غزنوی پہلا شخص تھا جس نے اپنا قدم پورے طور پر جالیا، اور فتوحات کئے، محمود کے سترہ حملے ہندوستان پر ہوے جب محمود سومنات سے واپس آرہا تھا تو جاٹون نے اسکی فوج کو تباہ و برباد کردیا، جس سے محمود کو سخت رنج پہنچا اور اس نے جاٹون پر چڑہائی کی، یہ چڑہائی نہایت شاندار اور دریائی تھی، سرایچ ایلیٹ نے اس طور پر اسکا ذکر کیا ہے،

"محمود اپنی فوج لیکر ملتان پہنچا اور ۱۴۰۰ کشتیون کی طیاری کا حکم دیا، ہر کشتی مین تین سلاخین لوہے کی اس ترکیب سے لگائی گئی تہین کہ جو چیز کشتیون کے آس پاس آے ٹکر کھا کر تباہ و برباد ہو جائے، ہر کشتی مین بیس تیرانداز تھے اور ہر ایک کے پاس ہتیار تیر و کمان اس ساز و سامان کے ساتھ محمود جاٹون پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا، جب یہ خبر جاٹون نے سنی تو وہ مقابلہ کیلئے طیار ہو گئے، جاٹون کی کشتیان ایک قول کے مطابق چار ہزار اور دوسرے قول کے مطابق آٹھ ہزار تہین اور پورے طور پر مسلح تہین، دونون طرف سے خوب گھمسان لڑائی ہوئی جاٹون کی کشتیان جب شاہی کشتیون کے قریب پہنچین تو سلاخون سے ٹکر کھا کر پاش پاش ہو گئین اس طرح پر جاٹون کی کشتیان کثیر تعداد مین تباہ و برباد ہوئین اور انکے آدمی دریا مین غرق ہو گئے[۲]"

گیارہوین صدی مین ابوریحان بیرونی ہندوستان مین آیا، اور ہندوستان کے کل حالتون پر گہری نظر ڈالی جسکا نتیجہ اسکی کتاب موسومہ کتاب الہند ہے (اس کتاب کا ترجمہ پروفیسر ساخو نے انگریزی مین کیا ہے اور دو جلدون مین شایع ہوئی ہے، وہ لکھتا ہے کہ مغربی گھاٹ پر بوارج نامی

[۱] البلاذری از تاریخ سرایچ الیٹ جلد اول صفحہ ۱۲۰ و تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن، [۲] تاریخ ہند از سر ایچ الیٹ جلد دوم صفحہ ۴۷۸ -

ایک قوم آباد تھی جو جہازون کو لوٹ لیتی تھی، اسکا یہ بھی بیان ہے کہ ساحل گجرات تجارتی چل پہل کا ایک دلچسپ منظر تھا، اور اس ساحل سے شکر دیگر پیداوار جہازون مین لادکر غیر ممالک کو جاتے تھے، اور وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ مالابار ہند کی کنجی تھی، جہان سے مونگے، موتی، اور گرم مصالح، عراق، خراسان، شام، روم اور یورپ بھیجے جاتے تھے، علاوہ اسکے چین سے بھی اعلی پیمانہ پر تجارت کا سلسلہ تھا، اور بڑے بڑے جہاز جنکو چینی زبان مین جنک کہتے تھے، ہندوستان مین آتے اور یہان کی پیداوار لیکر چین واپس چلے جاتے تھے۔[۱]

بارھوین صدی کا مشہور مورخ الادریسی بھی ہندوستان کی تجارت کو تفصیل سے لکھتا ہے اسکا یہ بھی بیان ہے کہ اس زمانہ مین چین اور ہندوستان سے تجارتی تعلقات تھے، یہی مورخ کارمنڈل کی روئی اور مالابار کی الائچی اور کالی مرچ کا ذکر کرتا ہے،

تیرھوین صدی مین جب غیاث الدین بلبن سلطنت دہلی کا تاجدار تھا تو طغرل خان گورنر بنگال نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا، بادشاہ نے طغرل خان کے خلاف دو مہمین روانہ کئے، مگر دونون مہمین ناکام ثابت ہوئین، اس ناکامی سے بادشاہ کو بڑی مایوسی ہوئی اور اس نے خود طغرل خان کے سزا دینے کا ارادہ کیا، اس نے گنگا اور جمنا مین کثیر تعداد مین کشتیون کے مہیا کرنے کا حکم دیا، شاہی حکم کے مطابق کشتیان جمع کی گئین، بادشاہ بہت بڑے سامان کے ساتھ دو لاکھ فوج لیکر روانہ ہوا، اس وقت پانی بہت بڑھ گیا تھا، اور گنگا مین ایک تلاطم برپا تھا، سلطان اور اسکی فوج بڑی دقتون سے گنگا پار اترے طغرل خان کو جب بادشاہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ لکھناوتی سے حج نگر (جدید تپرا) کی طرف بھاگ نکلا سلطان نے پوری قوت کے ساتھ اسکا تعاقب کیا اور چند دنون مین سونار گاؤن پہنچا، جب سلطان سونارگاؤن پہنچا تو وہان کا راے دنوج راے نامی سلطان سے ملا اور اقرار کیا کہ وہ

۱؎ کتاب الہند ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ سر ایچ ایلیٹ جلد اول صفحہ ۶۵، ۶۷، ۶۹،

طغرل خان کے بحری راستہ سے بہاگ جانے سے نگہبانی کریگا، طغرل خان کے مرجانے پر اور اسکے لشکر کے مکمل شکست کے بعد اس مہم کا خاتمہ ہوگیا[۱]

اسی صدی کے آخر مین ممالک غیر کے دو سیاح ہندوستان مین آئے، ان مین ایک ابو الفداء دمشقی تہا اور دوسرا مارکوپولو چینی، اول الذکر مالابار کی کالی مرچ اور کارنمنڈل کی روئی کی تجارت کا ذکر کرتا ہے اور اسوقت کے بحری تجارت کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے، وہ ہندوستان کو وسیع نظر سے دیکہتا ہے، اور یہان کی تجارت کو تفصیل سے لکہتا ہے، وہ ہندوستان اور چین کے تجارتی تعلقات کو بھی ظاہر کرتا ہے، مارکوپولو ہندوستانی جہاز کا تذکرہ تفصیل سے کرتا ہے وہ لکہتا ہے کہ "جہاز صنوبر کی لکڑی سے بنے ہوتے تھے اور وہ اس طرح پر کہ دو تختے بیرونی اور اندرونی جانب سے لوہے کی کیلون سے ملاے رہتے تھے، جہاز کے نچلے حصہ مین ایک قسم کا لیپ لگا دیا جاتا تہا تاکہ پانی کا اثر نہو وہ لیپ چونا، سن اور نباتی تیل سے بنایا جاتا تہا"۔

یہی سیاح ہندوستانی جہاز کی شکل، پیمانہ، درستی اور طریقۂ مرمت پر بھی تفصیل سے لکہتا ہے، اسکا بیان ہے کہ جہاز اتنے بڑے ہوتے تھے جنمین ۱۵۰ سے ۳۰۰ تک مسافر سوار ہوسکتے تھے، ان جہازون پر پانچ چھ ہزار ٹوکرے کالی مرچ کے لادے جاتے تھے، ان جہازون مین متعدد ڈانڈے ہوتے تھے، اور ہر ڈانڈ پر چار شخص متعین رہتے تھے، جہازون مین دو یا تین بڑی بڑی کشتیان لگا دی جاتی ہیتن، جنپر ایک ہزار ٹوکرے کالی مرچ کے رہ سکتے تھے، ان جہازون کو کہینے کے لئے ۶۰ سے ۱۰۰ ملاحون کی ضرورت ہوتی تھی، کشتیون کے علاوہ ہر جہاز مین دس ڈنگیان لگائی جاتی ہیتن تاکہ مچھلی مارنے اور دیگر ضروریات کے لئے وقت پر کام آسکے، ڈنگیون مین ساٹھ چھوٹی چھوٹی کوٹھریان ہوتی ہیتن اور ہر ایک کوٹھری مین ایک سوداگر کے رہنے کے لئے کافی جگہ ہوتی تھی، علاوہ ان کوٹھریون کے

[۱] ماخوذ از تاریخ فیروز شاہی مولفہ برنی۔

۳- کوٹھریاں اور جوتی نہیں، اور یہ کوٹھریاں موٹے تختوں سے بنی ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے، یہ تختے اس غرض سے لگائے رہتے تھے کہ خطرہ کے وقت یا جہاز میں سوراخ ہوجانے پر کام آئے اور مال و اسباب اور مسافر دوسرے ڈوبزن میں چلے جائیں تاکہ جان و مال کا نقصان نہو، زنگیوں کی وسعت کے لحاظ سے کوٹھریوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی، جب جہاز میں سوراخ ہوجاتا تو اس وقت تختے لگائے جاتے، اگر ایک ناکافی ہوتا تو دو لگائے جاتے تھے، اور اگر دو ناکافی ہوتے تو تین، غرضکہ اسی طرح پے در پے چھ تختے تک لگائے جاتے، چھ تختے لگانے کے بعد بھی کام کے قابل نہ رہتا تو ناقابل استعمال متصور ہوتا۔

مارکوپولو مالابار کے موتی کے شکار کا حال تفصیل سے لکھتا ہے، اسکا بیان ہے کہ "ایسے جہاز کے مالک عموماً تجار ہوتے تھے جو اپنی اپنی کمپنیاں قائم کئے ہوئے تھے، اور متعدد کشتیاں اور جہاز متفرق پیمانہ کے رکھتے تھے، ان جہازوں میں رسے اس خوبی سے لگے رہتے تھے کہ جہاز نہایت آسانی سے ٹہر سکتا تھا، ہر ایک کمپنی کی طرف سے متعدد غواص ملازم تھے جو غوطہ مار کر دریا سے سیپی نکالتے تھے، ان غواص کے جسم میں جالی کا ایک تھیلا لگا رہتا تھا تاکہ سیپی کے ملنے پر اس تھیلا میں رکھ سکیں، وہ غواص پانی کے اندر اسوقت تک رہتے تھے جب تک وہ سانس روک سکتے تھے، جب سانس ٹوٹنے کے قریب ہوتی تو وہ پانی کے اوپر چلے آتے اور کچھ دیر دم لینے کے بعد پھر غوطہ لگاتے تھے"[۱]۔

سلطان فیروز تغلق نے ۱۳۵۳ء اور ۱۳۶۰ء میں لکھنوتی کے خلاف دو مہمیں روانہ کئے، ان دونوں مہموں میں متعدد کشتی ہائے بند کشتاں روانہ کئے گئے تھے جنمیں ایک لاکھ فوج تھی، اور وہ سنارگاؤں کے چاروں طرف دریا پار اترنے کے لئے روانہ ہوئے تھے[۲]، ۱۳۷۲ء میں سلطان نے ایک مہم ٹھٹھہ بھیجی، اس مہم میں فوج کے دریائے انڈس پار اترنے کے لئے پانچ ہزار کشتیاں مہیا کیگئی تھیں[۳]۔

[۱] ماخوذ از سفرنامہ مارکوپولو مترجمہ مسٹر مارسڈن [۲] تاریخ فیروز شاہی ماخوذ از تاریخ ہند مولفہ سر ایلیٹ جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ [۳] ایضاً ۳۲۱

۱۳۹۸ء مین سلطان تیمور نے ایک مہم مین دریاے انڈس پار اترنے کے لئے بہت ہی کم عرصہ مین کشتیون کا پل باندھ دیا، جس سے اسکی فوج نہایت آسانی سے دریا پار اتری، تیمور کو متعدد لڑائیان دریاے گنگ اور جمنا مین لڑنا پڑین[1]،

پندرہوین صدی کے ابتدا مین یعنی سنہ ۱۴۰۶ء مین ایک چینی مسلمان ماہان نامی سفیر شاہ چین ہندوستان مین آیا وہ کالی کٹ کی حالت اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ "یہ مقام تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے اور دنیا کے ہر حصہ سے تجار کی آمد و رفت رہتی ہے،" اسکا یہ بھی بیان ہے کہ "جب کوئی جہاز چین سے آتا تو ایک اور سیر مال کی فہرست کر لیتا اور مال کی قیمت لگانے کا ایک دن مقرر کرتا" اسی کی تحریرات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہند و چین کے درمیان تجارتی تعلقات اعلیٰ پیمانہ پر تھے، اور دونون سلاطین کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے، اور اکثر آپس مین ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجتے تھے اور ایلچیون کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری تھا -

اسی صدی مین عبدالرزاق سفیر مرزا شاہ رخ بادشاہ سمرقند اور ہرات ہندوستان مین آیا، وہ بندر کالی کٹ کی نسبت جو اسوقت جہاز رانی کا مرکز سمجھا جاتا تھا اس طرح پر بیان کرتا ہے[2] کہ کالی کٹ آباد و معمور بندرگاہ ہے، اس بندرگاہ مین بلاد و امصار کے بیشمار تجار آتے ہین اور یہان سے اکثر جہاز کالی مرچ سے بھرے ہوئے مکہ کو جاتے ہین، کالی کٹ کے باشندے دریائی سفر مین تیز و چالاک ہوتے ہین، راستہ مین کہین لٹیرے کالی کٹ کے جہاز کو لوٹنے کی جرأت نہین کرتے، یہان ہر چیز میسر آتی ہے اس شہر مین امن و اطمینان اسدرجہ تھا کہ تجار اپنے مال و اسباب جہازون سے اتارتے اور بازارون مین ڈالدیتے تھے، محکمہ چنگی کے سپاہ دن اور رات انکے مال کی حفاظت کرتے تھے، جب مالک کل مال بیچ لیتا تو اس سے چالیسوان حصہ لیتے تھے اور کوئی دوسرا ٹکس ان سے نہین لیا جاتا تھا، دیگر بنادر

[1] ملفوظات تیموری ماخوذ تاریخ ہند مولفہ سرایچ ایلیٹ جلد سوم صفحہ ۴۰۸ -

مین اسوقت یہ دستور تھا کہ اگر کوئی کشتی طوفان کی وجہ سے آجاتی تو اسکو بادآور سمجھکر لوٹ لیتے تھے لیکن یہان ایسی کشتیون کی حفاظت ہوتی تھی اور کسی قسم کی خیانت وتاخت نہین کیجاتی تھی، جب اسکا وارث پیدا ہوتا تو اسکو دیدیا جاتا اور مال بکنے پر دستور کے موافق چالیسوان حصہ لیا جاتا۔

اسی صدی کے ابتدا مین ایک اور روسی سیاح نکولوکونتی (Nicolo-conti) ہندوستان مین آیا، وہ ہندوستانی جہاز اور تجارت کی نسبت اس طرح بیان کرتا ہے کہ "ہندوستان کے باشندے ہمارے جہازون سے بڑے اور اچھے جہاز بناتے ہین، انکے جہازون مین پانچ پال اور پانچ مستول اور دو ہزار صندوق رکھنے کی جگہ ہوتی ہے، نچلا حصہ تین تختے سے بنا ہوتا ہے تاکہ طوفان کو برداشت کرسکے، ان جہازون مین متعدد خانے اس طرح پر ہوتے ہین کہ اگر کوئی خانہ پھٹ جائے تو دوسرے خانہ مین مال واسباب رکھدئے جائین، اور سفر مین کسی طرح کی زحمت نہین ہوتی" گنگا کے کنارے اونچے اونچے بانس دیکھکر تعجب کرتا اور کہتا ہے "گنگا کے کنارے بڑے بڑے بانس ہوتے ہین، جن سے ہلکی، چھوٹی مچھلی مارنے والی کشتیان بنائی جاتی ہین" ہندوستانی تجارت کی نسبت اس طرح بیان کرتا ہے کہ "یہان کے تجار بڑے امیر کبیر ہین، اور ان مین اکثر کے پاس چالیس چالیس خاص جہازات ہین جن سے تجارت کرتے ہین اور جنکی قیمت ۵۰۰۰ اسونے کا سکہ ہوتی ہے"[۱]۔

پندرہوین صدی کے آخر حصہ مین ایک جنیوا کا سوداگر ہیرونیس ڈی سینٹو اسٹیفنو .... (Hieronimo di aanto stefano) نامی تجارت کی غرض سے ہندوستان مین ایک جہاز پر سوار ہوکر آیا وہ لکھتا ہے کہ "مین جس جہاز پر سوار تھا اس جہاز کے شہتیر سوت سے سلے ہوئے تھے اور پال روئی کے بنے ہوئے تھے" جب وہ سماترا سے کہے جا رہا تھا تو جزائر مالدیپ کے آگے اسکا جہاز طوفان مین گھر گیا، لیکن دوسرے جہازون نے اپنی کشتی پر اسے لیلیا، وہ لکھتا ہے کہ

[۱] پندرہوین صدی مین ہندوستان کی حالت مرتبہ ہکوٹ سوسائٹی،

تین جہاز جو ہماری جماعت سے جدا ہو گئے تھے اور ہم سے پانچ میل آگے بڑھ گئے تھے ہماری تباہی کو معلوم کر کے فوراً اپنی کشتیاں بھیجیں اور ہم ایک جہاز پر سوار ہو کر کمبے پہنچے[۵]۔

پندرہویں صدی اور اوائل سولہویں صدی کے واقعات سے ہندوستان کے بحری کارنامے کی تصدیق ہوتی ہے، اسوقت سلاطین احمد آباد کا مرتبہ مغربی ساحل پر حاکم سمندر کا تھا، اس وقت جاوا شاہی فہرست میں غیر ملکی بندرگاہ تھا، اور خراج ادا کرتا تھا، یہ خراج اس حفاظت کے لئے ادا کرنا ہوتا تھا جسکی حفاظت شاہی محافظ سے ہوتی تھی[۶]،

سنہ ۱۴۲۹ء میں گجرات کا بادشاہ احمد شاہ ایک بیڑہ جسمیں ۱۷ جہاز تھے بمبئی اور سیلسٹ کے حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا جنپر سلاطین بہمنی نے قبضہ کر لیا تھا، گجرات کے ایک اور بڑے بادشاہ نے ایک بیڑہ لٹیروں کے خلاف روانہ کیا جو ساحل پر لوٹ مار کرتے تھے[۷]۔

شاہان گجرات کے بحری کارنامے اگر صراحت سے دیکھنا چاہیں تو تاریخ پورتگیز کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، سنہ ۱۵۰۸ء میں گجرات کا بیڑہ مصریوں کے ساتھ اس غرض سے ملگیا کہ پورتگیز کو ساحل چول سے بھگا دیا جائے، اور بالآخر شاہ گجرات نے پورتگیز کو چول سے بھگانے میں کامیابی حاصل کی، اسوقت چول بہت بڑی تجارتی منڈی ہو گئی، ایران اور بحیرہ احمر سے تجارتی سلسلہ قائم ہو گیا تھا، اسی راستہ سے ہندوستان کے کل جہاز جو یورپ جاتے تھے گذرتے تھے، دوسری مشہور جگہ بسین تھی جہاں نہایت عمدہ شہتیر افراط کے ساتھ پائی جاتی تھی، اس مقام سے شہتیریں مکہ جاتی تھیں جنکو ترک اپنے بیڑے کی طیاری میں استعمال کرتے تھے۔

سولہویں صدی میں کالی کٹ بھی ترقی پاکر جہاز سازی کا مرکز ہو گیا، ورتھیما (Varthema) نامی سیاح کی تحریرات سے اس صدی کے جہاز، انکے پیمانہ، شکل، وزن اور باربرداری کا پتہ چلتا ہے،

---

[۵] ایضاً حاشیہ بصفحہ گذشتہ [۶] گجرات مولفہ برڈ صفحہ ۱۰۱ [۷] تاریخ ہند مولفہ الفنسٹن ضمیمہ متعلق گجرات۔

شہنشاہ اکبر کے زمانہ مین جہاز رانی وجہاز سازی کو نمایان ترقی ہوئی اور قریب قریب ہر صوبہ مین جہاز سازی کے کارخانے قائم ہوے، خصوصاً بنگال، کشمیر اور سندھ جہاز رانی اور جہاز سازی کے مرکز تھے الہ آباد، لاہور اور مشرقی ومغربی سواحل مین بھی جہازات طیار ہوتے تھے، ۱۵۸۲ء مین بنگال مین راجہ ٹوڈرمل نے بحری قیام کے لئے چند پرگنے مخصوص کر دیئے تھے اور اسکے متعلق ایک دفتر تھا، اس دفتر کے قیام کے لئے ۲۹۲۸۲ روپے مقرر کئے گئے تھے اور پرانے جہازون کی مرمت کے لئے سالانہ موازنہ مین ۸۴۳۴۵۲ روپے تھے جو مرمت مین صرف ہوجاتے تھے، اس صوبہ مین تین ہزار جہازات اور کشتیان تھین جنمین ۷۴۸ جنگی جہازات تھے، انکے علاوہ اور بھی کشتیان تھین جو جاگیردارون سے جاگیر کے عوض لی جاتی تھین، بیڑے کا مستقر ڈھاکہ تھا اور اسی مقام سے مگ اور اراکانی سے صوبہ کی حفاظت ہوتی تھی، کیونکہ یہ قومین اکثر دریائی راستہ سے آتے اور بنگال کو تاخت وتاراج کرتے تھے، اور وہان کے آدمیون کو پکڑ کر لے جاتے تھے اور دکن کے بندرگاہون مین لیجا کر ڈچ اور فرانسیسی سوداگرون کے ہاتھ بڑی بڑی قیمتون مین فروخت کر دیتے تھے، علاوہ متذکرہ بالا رقمون کے دفتر میر بحری سے بھی وہ رقمین جو بطور ٹکس کے وصول ہوتی تھین آتی تھین، ایسی کشتیان جو مستقر سے ان مسافرون کو لیجاتی تھین جو اس ضلع کے باشندے نہ تھے ۸ ر سے عہ تک کشتیون کے اقسام کے لحاظ سے ٹکس لئے جاتے تھے، مرشدآباد جانے والی کشتی سے ۸ ر، کلکتہ جانے والی کشتی سے ۱۰ ر اور بنارس جانے والی کشتی سے عہر لئے جاتے تھے، وہ کشتیان جو متذکرہ بالا مقامون سے آتی تھین فی کشتی عہ ر، ۶ ر، للعہ ر بطور ٹکس کے لئے جاتے تھے، ابتدا مین محال کا تعلق شہرون کے ساتھ تھا، لیکن اسکے بعد زمیندارون کے متعلق کر دیا گیا، اور یہ ٹکس زمیندارون سے وصول ہونے لگے، زمیندارون کو اس انتظام کے روسے ایک رجسٹر رکھنا ہوتا تھا جسمین ان کشتیون کے نام اور پتہ درج ہوتے تھے جو انکی سرحد سے ہوکر گذرتے تھے[1]

[1] ماخوذ از ٹوپوگرافی آف ڈہاکہ مصنفہ ٹیلر۔

شاہی جہازوں کے بنانے کے لئے سلہٹ سے شہتیریں آتی ہیں، سلہٹ شہتیر کے قدرتی پیداوار کا ایک مشہور مقام تھا، ان ہی شہتیروں سے ہر قسم کے جہازات اور کشتیاں طیار ہوتی ہیں۔

گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ صوبہ سندھ بھی جہاز رانی اور جہاز سازی کا مرکز تھا بقول ابوالفضل مصنف آئین اکبری سرکار ٹھٹھا کے پاس چالیس ہزار کشتیاں ہیں[۵]، اسوقت لاہوری بندر دریاے انڈس کا مشہور و معروف بندرگاہ تھا، اس بندرگاہ کے مفصل حالات تاریخ طاہری سے ظاہر ہوتے ہیں، ہم اس موقع پر صرف اقتباس سے کام لیتے ہیں،

شہر ٹھٹھا اور لاہوری بندر کے درمیان دو روز کی بحری مسافت ہے۔ اسکے بعد سمندر میں پہنچنے کے لئے ایک دن اور صرف ہوتا ہے، بندرگاہ سے دریا تک ایک تنگ راستہ تھا جسکو ٹھٹھا کی زبان میں نار کہتے تھے، تنگ راستہ کے دہانے پر میر بندر کی طرف سے ایک محافظ متعین رہتا تھا جب کوئی جہاز اس تنگ راستہ میں داخل ہوتا تھا تو بندوق کی آواز سے اطلاع دیتا تھا جسکا جواب محافظ بھی بندوق ہی کی آواز سے دیتا تھا، پھر وہ ٹھٹھا کے سوداگروں کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دیتے تھے، اور کشتی پر سوار ہو کر وہاں جاتے جہاں محافظ متعین ہوتا تھا، محافظ اسکی اور اسکے جہاز اور مال و اسباب کی پوری حالت پوچھتا، اگر جہاز اسی بندرگاہ کا ہوتا تو لاہوری بندرگاہ میں جانے کی اجازت دیجاتی تھی۔

(باقی)

---

[۵] آئین اکبری ترجمہ جیرٹ صفحہ ۳۴۳۔

مسئلہ زر

از جناب مقبول احمد صاحب رئیس سندیلہ

(۴)

زر فلزاتی کے استعمال کا طریقہ

دنیا کی سکہ سازی مین یا تو سونا استعمال ہوتا ہے یا چاندی اور زر مستند بھی انہین دہاتون کا ہوتا ہے مبادلہ خارجہ مین ہر دہات اپنی قیمت مبادلہ کے معیار سے قبول کیجاتی ہے جو اکثر کم و بیش ہوتی رہتی ہے اسلئے دو فریق پیدا ہو گئے، ایک فلزی، (- - - - - - - - -) اور دوسرے فلزینی (- - - - - - - - -) کہلائے، ایک فریق اسکا مدعی ہوا کہ صرف ایک دہات کے استعمال کرنے سے تجارت مبادلہ اور معیار قیمت مین آسانیان ہو جائینگی،

دوسرا فریق اسکا مدعی ہوا کہ دونون دہاتون کے استعمال کرنے سے آسانیان پیدا ہونگی۔ ان دونون فریقون مین ایک جنگ عظیم برپا ہو گئی، اب اگرچہ ایک دہات کے استعمال کرنے کا طریقہ صحیح تسلیم کر لیا گیا ہے مگر یہ بحث ابھی ختم نہین ہوئی ہے اِسلئے ہم فریقین کے دلائل ناظرین کے سامنے پیش کئے دیتے ہین۔

زر فلزاتی کے استعمال کرنے کے طریقے مختلف ہین،

(۱) اگر کسی ملک مین ایک دہات کا سکہ زر مستند، معیار قیمت غیر محدود زر قانونی ہو اور اُسکی سکہ سازی آزاد ہو تو اس ملک کا طریقہ فلزیت (- - - - - - - - -) کہلائیگا، جیسے انگلستان مین صرف سونے کا سکہ ہے، اور چین مین صرف چاندی کا سکہ ہے،

(۲) اگر کسی ملک مین دونون دہاتون کے سکہ غیر محدود زر قانونی از زر مستند، معیار قدر اور گردش کے لئے ضروری ہون، اور دونون کی سکہ سازی مقررہ نرخ مبادلہ کے تناسب سے آزاد ہو، اس ملک کا طریقہ فلزانیت (. . . . .) کہلائیگا، اس طریقہ کا رواج ریاستہاے متحدہ امریکہ مین رہا اور اٹھارہوین صدی کے آخر سے ۱۸۷۳ء تک ریاستہا سے اتحاد لاطینی (فرانس، اٹلی، یونان، بلجیم اور سوئٹزرلینڈ) کا رہا،

(۳) اگر کسی ملک مین دونون دہاتون کے سکہ غیر محدود زر قانونی ہون اور چلن کے لئے ضروری ہون مگر صرف ایک کی سکہ سازی آزاد ہو تو ایسا طریقہ فلزانیت ناقص . . . . (Lempied Be-metallhsimn) کہلائیگا، یہ طریقہ ریاستہاے متحدہ امریکہ اور فرانس کا ہے،

معیار قدر کے لئے یہ ضروری ہے کہ قیمت زر مین ثبات ہو یعنی اسکی قوت خرید مین حتی الامکان کمی بیشی نہو، اسی اصول کو پیش نظر رکھکر دونون فریق اپنے اپنے دلائل پیش کرتے ہین حامیان فلزانیت کہتے ہین کہ

۱- دونون دہاتون کے استعمال سے زیادہ ثبات قدر ہوتا ہے اور قیمتون مین بمقابلہ ایک دہات کے استعمال کے خفیف کمی بیشی ہوتی ہے،

(الف) وہ کہتے ہین کہ دو دہاتون کے زر مستند ہونیکی حالت مین تعداد زر زیادہ ہوگی اور جب تعداد زر زیادہ ہوگی اگر مقدار زر مین اور اضافہ ہوگا تو قیمت زر اور قیمت اشیاء پر بمقابلہ ایک دہات کے استعمال کے کم اثر پڑیگا،

(ب) حامیان فلزانیت یہ بھی کہتے ہین کہ ایک دہات کی رسد کی کمی بیشی دوسری دہات کی رسد کی کمی و بیشی سے برابر ہو جائیگی اور قیمت زر مین ثبات رہیگا اور عام قیمت اشیاء یکسان رہیگی،

سنہ ۱۸۷۳ء کے بعد سے فلزاینت نے یہ صورت ضرور پیدا کردی تھی، یعنی سونے چاندی کا تناسب قائم رہا، اور قیمت اشیاء میں بھی ثبات رہا، لیکن سنہ ۱۸۹۰ء مین جب کانون سے سونے کی رسد زیادہ ہوئی تو یہ صورت قائم نرہی اور یہ اندیشہ ہوا، اور اسکے وجوہات بھی تھے کہ اگر چاندی کے سکہ سازی مخصوص نہ کردیجائیگی تو چاندی کی رسد مین بھی اضافہ ہوگا، اور فلزاینت بجاے قیمت اشیا مین ثبات کرنے کے معکوس نتیجہ پیدا کریگی، یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ حال کی جنگ سے جو ان دہاتون پر اثر ہوا ہے اُسکو ہمنے بالکل نظرانداز کیا ہے، اگر موقع ہوا تو آیندہ کسی وقت اسکو بصراحت لکھینگے،

(۲) بحالت فلزاینت ثمن اشیا، بڑہجانیکی وجہ سے پیدا کرنے والون کو منافع زیادہ ہونگے، اِسلئے پیدائش مین ترقی ہوگی یعنی فلزاینت مین چونکہ تعداد زر زیادہ ہوگی اور اسمین بمقابلہ فلزیت کے اضافہ زیادہ ہوگا، اِسلئے بتدریج قیمت زر کم ہوتی جائیگی، اور ثمن اشیا، بڑہتی جائیگی، اور جب ثمن اشیا، بڑہیگی تو پیدا کرنے والون کا منافع بھی بڑہیگا، اور جب نفع زیادہ ہوگا تو پیدائش کی طرف لوگ زیادہ مائل ہونگے اِسلئے پیدائش مین ترقی ہوگی،

(۳) فلزاینت مین ثمن اشیا، بڑہجانے سے اور قیمت زر کم ہوجانے سے قرضدار کو نفع پہنچتا ہے، یعنی جب قیمت اشیا، بڑہجائیگی تو کم پیداوار فروخت کرنے سے قرضدار اپنا قرض ادا کردیگا اور اس ذریعہ سے اسکا بار ہلکا ہوجائیگا، اور بحالت فلزیت قیمت زر بڑہجائیگی، اور قرضدار کو زیادہ پیداوار اپنے قرض کے ادا کرنے کے لئے فروخت کرنا پڑیگی اور اس طرح اسکے بار مین اضافہ ہوجائیگا،

(۴) بحالت فلزاینت بنک کو آسانی ہوجائیگی کہ وہ کفایت شعاری کے ساتھ اپنا سرمایہ محفوظ جس جگہ مین مناسب سمجھے رکھے، اور روپیہ کا نرخ یعنی سود کم ہوجائیگا اور یکسان رہیگا،

(۵) فلزاینت مساوات مبادلہ سونا استعمال کرنیوالے اور چاندی استعمال کرنیوالے ممالک مین قائم کرکے تجارت خارجہ کی معین ہوتی ہے (مساوات مبادلہ اسوقت ہوتی ہے جب ایک ملک کا تاجر

اپنے ملک مین زر فلزاتی کی ایک رقم کسی سکہ مین جمع کرے اور اسکو ٹھیک اسی مقدار کے زر فلزاتی پانے کا حق دوسرے ملک مین حاصل ہوجاے -)

ان ممالک مین جہان معیار قیمت ایک ہی دہات مین ہے، مساوات مبادلہ ہوتی ہے، لیکن ان ممالک مین جنمین کہ ایک ملک مین چاندی معیار قیمت ہے اور دوسرے مین سونا ہے، مساوات مبادلہ نہین ہوتی ہے، چاندی اور سونے کی قیمت ایک دوسرے کی تناسب سے مقرر نہین ہوتی ہے بلکہ رسد وطلب کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی رہتی ہے -

حامیان فلزاینیت کہتے ہین کہ اگر مختلف اقوام اصول فلزاینیت کو تسلیم کرلین اور معاہدہ بین الاقوام کے ذریعہ سے سونے اور چاندی کی ثمن کا تناسب قائم کردین توان مین مساوات مبادلہ قائم ہوجائیگی یعنی سونے کی ثمن چاندی کے مقابلہ مین اور چاندی کی ثمن سونے کے مقابلہ مین کم و بیش نہوگی، اور سوداگرون کو اس وجہ سے کوئی نقصان تجارت خارجہ مین نہوگا اور اس طرح سونا استعمال کرنیوالے اور چاندی استعمال کرنیوالے ممالک مین تجارت کی ترقی ہوگی -

یہان یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ (بقول حامیان فلزاینیت) بین الاقوامی فلزاینیت مین یہ سب فوائد حاصل ہوسکتے ہین اگر کسی خاص ملک مین یہ طریقہ رائج ہوگا تو زیادہ کامیابی نہوگی -

مخالفین کے اعتراضات

مخالفین فلزاینیت یہ اعتراض کرتے ہین کہ

(۱) ان ممالک مین جو فلزاینیت کو تسلیم کرلین گے، ان مین صرف ایک قسم کا روپیہ یعنی زر ناقص سمجھا جائیگا ہم قانون گرشم کی تشریح مین یہ تبلا چکے ہین کہ اگر کسی ملک مین زر کامل اور ناقص دونون چلتے ہونگے تو زر ناقص چلن مین رہجائیگا اور کامل غائب ہوجائیگا، فلزاینیت مین صرف وہ روپیہ جسکی چلن مین قدر بصورت سکہ بمقابلہ دہات کے زیادہ ہے رہجائیگا، اور زر کامل غائب ہوجائیگا، ریاستہاے

متحدہ امریکہ میں ۱۸۹۲ء میں صرف چاندی رہ گئی اور سونا غائب ہوگیا، ۱۸۳۳ء میں سونا رہ گیا اور چاندی غائب ہوگئی۔

(۲) اگر اس تناسب قانونی میں جو دو دھاتوں میں قائم کیا گیا ہے بازار کے تناسب سے فرق ہوگا تو قرضخواہ اس دھات میں ادائگی چاہیں گے جسکی قیمت بڑہ گئی اور قرضدار اس دھات میں ادا کرنا چاہیں گے جسکی قیمت گھٹ گئی ہے، یہ صورت کاروبار میں بہتری پیدا کریگی، فرض کیجئے کہ سونے اور چاندی کا تناسب ۱-اور ۱۵ کا مقرر ہے، لیکن چاندی کی قیمت بازار کا تناسب سونے کے مقابلہ میں ۱-اور ۱۶ کا ہوجائے تو قرضخواہ چاندی کا سکہ چاہیں گے، اور قرضدار سونے کا سکہ دینے پر آمادہ ہونگے۔

(۳) انگلستان کے مشہور ماہر اقتصادیات مارشل کا یہ اعتراض ہے کہ اگر سونے کا استعمال صنعت و حرفت میں زیادہ ہوگا تو قدر زر بڑہجائیگی اور سونے چاندی کی مقررکردہ تناسب بصورت زر اور نرخ بازار کے تناسب میں فرق ہوگا، اس فرق کی وجہ سے (Speculation) (جوا) مع تمام خراب نتائج کے شروع ہوجائیگا،

فلزاینت کے عمل پذیر اور غیر عمل پذیر ہونیکی بحث بہت کافی ہوئی اور متعدد کانفرنسیں اس کے تصفیہ کے لئے منعقد ہوئیں، دو کانفرنس زیادہ وقیع تہیں جو ۱۸۷۸ء میں پیرس میں اور ۱۸۹۲ء میں بروسلس میں ہوئیں، اور بعد بحث فیصلہ فلزاینت بین الاقوامی کے خلاف ہوا، ہم اس کانفرنس کے مباحث کو بخیال طوالت نظرانداز کرتے ہیں،

اول تو کانفرنس کا فیصلہ اسکے خلاف ہوا، دوسرے سونے کی پیدائش میں بیشی ہوئی اور حامیان فلزاینت کی خواہش قیمت زر گہٹانے کی بھی پوری ہوتی نظر آگئی، اِسلئے فلزاینت ہی کا رواج ہوا اور اس طریقہ میں چند خوبیاں بمقابلہ فلزیت کے زیادہ ہیں، تمام ممالک متحدہ میں چونکہ سونے کا سکہ رائج ہے اور وہی معیار قیمت ہے، اِسلئے ہم سونے کی فلزیت کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) فلزیت بمقابلہ فلزاثنیت زیادہ صاف اور واضح طریقہ ہے اور کاروبار مین زیادہ آسانی پیدا کرتا ہے،

(۲) چونکہ سونا بمقابلہ چاندی کے زیادہ قیمتی ہے، اسلئے وہ ترقی یافتہ ممالک کے لئے جنکے کاروبار بڑے ہین اور آمدنیان زیادہ ہین روپیہ کے کام دینے کے لئے زیادہ موزون ہے،

(۳) پروفیسر کیلی کی راے مین قیمت زر مین کمی بیشی فلزیت اسقدر زیادہ مشکلات انجام کارنہین پیدا کرتی ہے جیسا کہ فلزاثنیت۔

(۴) بوجہ ترقی فن کان کنی بحالت فلزاثنیت سونے کی رسد کانون سے اسکی طلب کے برابر ہوگی اور ضروریات زر کے لئے سونا کافی ملتا رہیگا۔

ہم نے فلزیت و فلزاثنیت دونون کے موافق و مخالف دلائل لکھدیئے، فلزیت مین چونکہ آسانیان زیادہ تہین، اسلئے یہی طریقہ تسلیم کیا گیا، سونا استعمال کرنیوالے اور چاندی استعمال کرنیوالے ممالک کے مبادلہ خارجہ مین دونون دہاتون کی قیمت مین کمی بیشی ہوتی تھی اسلئے ایک نیا طریقہ اور ایجاد کیا گیا جسکو معیار مبادلہ طلا (Gold Exchange Standard) کہتے ہین اسکا سب سے پہلا رواج جاوا مین ہوا، اب ہندوستان، فلپائنس، میکسکو اور پناما مین یہی طریقہ رائج ہے، جس ملک مین (۱) دونون دہاتون کے سکے غیر محدود زر قانونی ہون (۲) اندرون ملک کی چلن کے لئے چاندی کا سکہ ہو اور سونے کا سکہ جو بین الاقوامی سکہ کہا جاتا ہے، چاندی کے سکہ کے معاوضہ مین اندرون ملک کی چلن کے لئے عام طور پر بہ آسانی نہ ملتا ہو (۳) مبادلہ خارجہ کے لئے چاندی کے سکہ کے معاوضہ مین سونے کا سکہ ایک مقررہ تناسب کے حساب سے بہ آسانی ملتا ہو اور سونے کا، ایک رقم محفوظ اسی ضرورت کے پورا کرنے کے واسطے موجود ہو تو وہ طریقہ معیار مبادلہ طلا کہلائیگا۔

ہندوستان مین چاندی کا روپیہ عام طور پر چلتا ہے، اور ساورن زیادہ کثرت کے ساتھ

چلن مین نہین ہین، چاندی کے سکہ کے معاوضہ مین گورنمنٹ ساورن دینے پر مجبور نہین ہے، لیکن مبادلہ خارجہ کے لئے ساورن ملتے ہین، اور ایک رقم محفوظ بھی اسی ضرورت سے لندن مین رہتی ہے ساورن اور روپیہ کا تناسب عموماً ۱۵ اور ۱ کا رہتا تھا، لیکن اب اثرات جنگ کے باعث غیر متعین ہے اور روپیہ کی سکہ سازی محدود ہے،

اس طریقہ کے حامی اس بات کے مدعی ہین کہ آئندہ تمام ممالک مین یہی طریقہ رائج ہوجائیگا یعنی معیار سونے کے سکہ کا ہوگا، مگر سونے کا سکہ چلن مین نہوگا، سب سے بڑا فائدہ اسکا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

(۱) اندرون ملک کی گردش کے لئے سکہ کم قیمت مین بنینگے یعنی کم قیمت دھات سے کام چلیگا اگرچہ سستی دھات کے سکہ کی قیمت بڑھا دیجائیگی یعنی زر وضعی کر دیا جائیگا،

(۲) مبادلہ خارجہ مین ثبات رہیگا، یعنی ایک مقررہ تناسب سے، چاندی کے سکہ کے معاوضہ مین سونے کے سکے مبادلہ خارجہ کے لئے ملجائین گے،

کسی شخص کو اس سے انکار نہین ہوسکتا ہے کہ ثبات نرخ مبادلہ خارجہ مفید ہے اور طریقہ بالا مین یہ خوبی ضرور ہے لیکن ثبات نرخ سے یہ نتیجہ نہین نکلتا ہے کہ روپیہ کی قیمت سونے مین مقرر کردینے سے دوسرا فعل زر بھی اس طریقہ خاص مین انجام دیگا۔

ہم اوپر افعال زر مین لکھہ چکے ہین کہ پہلا اور اہم فعل زر کا یہ ہے کہ آلہ مبادلہ ہو نہ صرف مبادلہ خارجہ کے لئے بلکہ اندرون ملک کے تجارت وصنعت وغیرہ کے لئے بھی، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے روپیہ ایسا ہونا چاہیئے کہ عام طور پر قبول کیا جائے، اور عام طور پر قبول ہونے کے لئے زر مین قیمت ذاتی کا ہونا لازمی ہے، روپیہ کی دھات کی کم قیمتی کے باعث خفیف بے اطمینانی بھی اسکے عام طور پر قبول ہونے مین مانع ہوگی۔

آلہ مبادلہ کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ وہ ضروریات تجارت کے ساتھ مطابقت کرے،

تجارت کے حجم کی کمی بیشی کے ساتھ زر کے حجم مین بھی ہوجایا کرے، یہ صورت اسوقت ممکن ہوگی اگر قیمتِ زر اسکی دہات کی قدر کے برابر ہو، بحالت زرِ وضعی یہ ہونا غیر ممکن ہے، اگر دہات کی قیمت روپیہ کی قیمت کے برابر ہوگی توجسوقت مقدار زر زیادہ ہوگی لوگ روپیہ گلا ڈالین گے، اگر دہات کی قیمت روپیہ کی قیمت کے برابر نہ ہوگی تو یہ صورت غیر ممکن ہے،

افعالِ زر مین ہم یہ بھی لکھہ چکے ہین کہ وہ خزینۃ القدر کا کام دے، اس طریقہ مین لوگ صرف وہ روپیہ جمع کرینگے جسکی قیمت فلزاتی اسکی قیمتِ زر سے کم نہو، زرِ وضعی ہرگز جمع نہ کرینگے، انکو ہمیشہ اشتباہ رہیگا کہ آیندہ زرِ وضعی کی قیمت کیا ہوگی، ہندوستان مین ساورن کی مانگ خزینۃ القدر کے لئے ہے یعنی جمع کرنے کے لئے ہے اور روپیہ پر بےاطمینانی بھی ظاہر کرتی ہے،

ہم نے مختصر طور پر اسکی خوبیان اور چند اعتراضات لکھدیئے، اسکی مفصل بحث کی گنجائش اس مضمون مین نہین ہے، چونکہ ہندوستان پر اس طریقہ کے خاص اثرات پڑے ہین، اسلئے بعد تحقیقات کمیشن جو حال مین چاندی کی قیمت بڑہجانیکی وجہ سے مقرر ہوا ہے، ہم اس طریقہ کے معائب کافی شرح و بسط کے ساتھ لکھین گے۔

زرِ کاغذی

ہم نے اقسام زر مین لکھا ہے کہ زرِ کاغذی وہ ہے جو سلطنت یا کسی بنک کے اعتبار پر کسی ملک مین رائج ہون اور عام طور پر لوگ اُسپر اعتماد رکھتے ہون اور مبادلہ مین قبول کرتے ہون، اب ہم زرِ کاغذی کے اقسام اور اسکے استعمال کے فوائد ونقصانات مختصر طریقہ پر لکھتے ہین -

زرِ کاغذی تین قسم کا ہوتا ہے، نیابتی[1] زرِ کاغذی، اعتباری یا بدل پذیر[2] زرِ کاغذی، رسمی یا غیر بدل پذیر[3]

1- Representative paper money, (2) Convertible, Redeemable, or Fiduciary paper money, (3) Fiat, Inconvertible, Iredeemable, or conventional paper money

۱- نیابتی زرِ کاغذی، اس زرِ فلزاتی کی رسید ہوتی ہے جو سرکاری خزانہ یا بنک مین جمع کیا جاتا ہے جیسے امریکہ کے پروانہ طلا و نقرہ -

یہ مثل زرِ فلزاتی کے ہوتا ہے اور ہر جگہ قبول کیا جاتا ہے کیونکہ اسکے پیش کنندہ کو ہر وقت رقم مندرجہ نیابتی زرِ کاغذی مل سکتی ہے، اور اجرا کنندہ کو زرِ فلزاتی کی ٹھیک اسیقدر رقم محفوظ ہر وقت موجود رکھنا پڑتی ہے جو نیابتی زرِ کاغذی مین درج ہوتی ہے،

۲- اعتباری یا بدل پذیر زرکاغذی وہ نوٹ کہلاتے ہین جو سرکار یا بنک کی طرف سے اس وعدہ پر جاری ہوتے ہین کہ انکے پیش کنندہ کو بوقت مطالبہ فوراً زرِ فلزاتی بقدر مندرجہ نوٹ ادا کر دیئے جائینگے -

یہ نوٹ چونکہ گورنمنٹ یا بنک کے اعتبار پر چلتے ہین اسلئے وہ ہر وقت نہین بھنتے ہین بلکہ عام طور پر داد و ستد خرید و فروخت مین چلتے رہتے ہین، انکی ادائی کے واسطے اجرا کنندہ کو زرِ فلزاتی کی رقم محفوظ اجرا شدہ نوٹ کے مقابلہ مین کم رکھنا پڑتی ہے، جیسے ہندوستان کے نوٹ سمجھے جاتے ہین اور انگلستان کے بنک کے نوٹ انکی ادائی کے لئے پوری رقم رکھنے کی ضرورت نہین،

۳- رسمی یا غیر بدل پذیر زرِ کاغذی، وہ نوٹ کہلاتے ہین جنکے پیش کرنیوالے کو بوقت مطالبہ زرِ فلزاتی بقدر مندرجہ نوٹ نہین مل سکتے ہین، اور ان نوٹ کو سرکار اپنے حکم سے جاری کرتی ہے انکی دو قسمین ہین، ایک تو وہ ہین جو شروع سے غیر بدل پذیر ہوتے ہین، دوسرے وہ ہین جو ابتدا مین بصورت بدل پذیر جاری کئے جاتے ہین مگر بعد کو غیر بدل پذیر ہو جاتے ہین جیسے فرانس کے دورِ انقلاب کے ایسگنیٹ (Assignate) اور انگلستان کے بنک کے نوٹ از ۱۷۹۷ء تا ۱۸۱۹ء اور امریکہ کے گرین بیک (Greenbacks) جو امریکہ نے سول وار کے زمانہ مین جاری کئے تھے -

زرِ کاغذی کے فواید

زرِ کاغذی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی ملک مین زرِ فلزاتی کافی تعداد مین موجود ہون اور زرِ کاغذی چلایا جائے تو جسقدر زرِ کاغذی زرِ فلزاتی کے بجاے مستعمل ہوگا اسقدر زرِ فلزاتی ملک کی صنعت و حرفت مین صرف ہو سکیگا، یا ممالک خارجہ سے اشیا، خریدنے مین کام آئیگا، اگر کل ممالک بالاتفاق زرِ کاغذی استعمال کرنے لگین تو جسقدر محنت اور روپیہ قیمتی دہاتون کے نکالنے مین صرف ہوتا ہے وہ کسی مفید کام مین صرف ہونے لگے -

زرِ کاغذی کے آلہ مبادلہ ہونے سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ جسقدر نقصانات زرِ فلزاتی کے گھسنے سے ہوتے ہین وہ نہ ہونگے، اسکے علاوہ بڑی رقمون کا زرِ کاغذی سے اداکرنا بمقابلہ زرِ فلزاتی کے زیادہ آسان ہے اور کسی دور دراز مقام مین رقم کثیر کا زرِ کاغذی مین لیجانا زیادہ آسان اور کم خرچ ہے یہ سب زرِ کاغذی فوائد اقتصادی ہین -

اسکا مالی فائدہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کو جو کچھ رقم سود بین قرض لینے کی وجہ سے دینا پڑتی ہے نہ دینا پڑیگی یعنی بقدرِ ضرورت، بجاے قرض لینے کے وہ زرِ کاغذی جاری کردے اور سود سے محفوظ ہو جاے، اسکے علاوہ گورنمنٹ کو آمدنی بغیر ٹکس لگاے ہو جاتی ہے، یہ طریقہ اکثر وہ سلطنتین اختیار کرتی ہین جنکی ساکھ خراب ہو جاتی ہے اور انکو قرض بڑی شرح سود پر ملتا ہے، اس سلسلہ مین ہم اقتصادیات کے ایک اور مسئلہ کا ذکر کرتے ہین وہ یہ ہے کہ کیا اجراے زرِ کاغذی دولت پیدا کرنے کے مترادف ہے، اسکی بحث اگرچہ نہایت دلچسپ ہے، لیکن اس مضمون مین اسکی گنجائش نہین ہے مختصراً اسکی بابت یہ خیال پہلے تھا کہ جسقدر نوٹ جاری کئے جاتے ہین اسیقدر دولت پیدا ہو جاتی ہے اب اس خیال کی غلطی ظاہر ہو گئی ہے اور یہ خیال صحیح سمجھا جاتا ہے کہ جسقدر زرِ فلزاتی کے بجاے گردش مین زرِ کاغذی استعمال ہوتا ہے اسیقدر دولت پیدا ہو جاتی ہے، اگر کسی ملک مین ایک

کرور روپیہ چلن مین ہی، اور نوٹ جاری کرنیکی وجہ سے ۲۰ لاکھہ روپیہ چلن سے نکل کر ملکی صنعت و حرفت و زراعتی کامون مین یا ممالک خارجہ سے اشیاء خریدنے مین صرف ہوا ہے، تو ملک مین بقدر ۲۰ لاکھہ کے دولت مین اضافہ ہوگیا،

نقائص زر کاغذی

زر کاغذی کے استعمال مین چند نقائص بھی ہین. پہلا تو یہ ہے کہ زر کاغذی کی قیمت مین ثبات بمقابلہ زر فلزاتی کے کم ہوتا ہے، چونکہ اجراء زر کاغذی گورنمنٹ کی مرضی یا پالیسی پر موقوف ہوتا ہے اسلئے گورنمنٹ اکثر زیادہ تعداد مین نوٹ جاری کردیتی ہے جسکی وجہ سے اسکی قدر گھٹ جاتی ہے زر فلزاتی مین چونکہ بوجہ مصارف کانکنی وغیرہ رسد مین بآسانی زیادہ اضافہ نہین ہوتا ہے اسلئے اسکی قدر نہین گھٹتی ہے.

(۲) زر کاغذی کی بنیاد بہت ضعیف ہوتی ہے، یعنی سلطنت کے نفاذ قانون کی وجہ سے زر کاغذی کی قیمت ہوتی ہے، اگر سلطنت مالی مشکلات کی وجہ سے دوسرا قانون نافذ کر کے نوٹ کا رواج بند کردے تو زر کاغذی ردی کاغذ سے بھی بدتر ہوجائے، زر فلزاتی کی قیمت چونکہ اسکی دہات کی وجہ سے ہوتی ہے، اسلئے اگر گورنمنٹ قانوناً کسی زر فلزاتی کا رواج بند کردے تو بھی اسکی قیمت فلزاتی باقی رہیگی،

(۳) زر کاغذی مین چونکہ قدر ذاتی نہین ہوتی ہے، اسلئے وہ صرف اندرون ملک کی چلن مین استعمال ہوسکتا ہے، مبادلہ خارجہ مین نہین قبول کیا جائیگا، زر فلزاتی اپنی دہات کی قیمت کے حساب سے ہمیشہ قبول ہوگا،

اگر مختلف ممالک مل کر کوئی خاص قسم کا زر کاغذی جاری کرین جسکو سب قبول بھی کرین اور اسکا اجراء بھی کسی خاص اصول کا پابند ہو تو شاید یہ معائب کم ہوجائین جسکی اُمید کم معلوم ہوتی ہے،

(باقی)

چارلس ڈارون

(از جناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دارالمصنفین)

یورپ کے بڑے بڑے اہل کمال نے مختلف شعبون مین اپنے کمال کے جوہر دکھائے ہین، مارٹن نے ایتھر کا اکتشاف کیا ہے، فرنکلن نے چھاپہ ایجاد کیا ہے، سیمنس نے ٹیلیفون بنایا ہے، لوئیس موبار نے ہوائی جہازون مین حرکت پیدا کی ہے، اور انکے پر ایجاد کئے ہین، نیوٹن نے علم الفلک اور طبیعیات جدیدہ کی بنیاد رکھی ہے، لیکن ڈارون وہ ہے جس نے موجودہ دور علمی کو پیدا کیا ہے، اور اس بنا پر اسکو تمدن یورپ مین جو درجہ حاصل ہے کسی کو حاصل نہین،

ولادت اور سن رشد ڈارون انگلینڈ کے شہر شروزبری (Shrewsbury) مین ۱۲ فروری ۱۸۰۹ء کو پیدا ہوا، ۸ سال کا تھا کہ جولائی ۱۸۱۷ء مین اسکی مان نے انتقال کیا، اسی سال وہ ایک مدرسہ مین داخل ہوا، جہان وہ سال بھر تک پڑھتا رہا، وہ پڑھنے لکھنے مین زیادہ تیز نہ تھا، البتہ تاریخ طبیعی کا شروع سے دلدادہ تھا، اسی بنا پر کثرت سے مختلف قسم کے نباتات، سیپ، آبی جانور اور سکے جمع کیا کرتا تھا، اور یہ بات اسکے بھائی بہنون مین نہ تھی، چنانچہ ایکمرتبہ اس نے اپنے دوستون کے مجمع مین دعوی کیا تھا کہ "مین مختلف رنگ کے نباتات رنگین سوائل سے سینچکر پیدا کرسکتا ہون" اسی طرح اس نے ایک مرتبہ اپنے باپ کے بہت سے درخت غائب کردیئے اور پھر اپنے احباب مین دوڑ دوڑ کر یہ خبر مشہور کی کہ مین نے ان درختون کا پتہ لگا لیا۔

اسکو چڑیون کے انڈے جمع کرنے کا بہت شوق تھا، اور ہر گھونسلے سے ایک انڈا نکالتا

لیکن ایک مرتبہ شرارت سے سب انڈے نکال لئے اور گھونسلا بالکل خالی کر دیا،

اسکو غسل کا بہت شوق تھا اور چار برس کے سن سے دریا مین نہانے جاتا تھا، اسی وجہ سے اسکو دریائی شکار کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ گھنٹون دریا کے کنارے بیٹھا ہوا ماہی گیرون کا تماشا دیکھتا تھا، ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ پانی اور نمک سے کیڑے مرجاتے ہین، چنانچہ اس تجربہ کیلئے اس نے ہزارون کیڑے مار ڈالے، ایک مرتبہ ایک کتے کا پلا نظر پڑا تو اسکو دیر تک مارتا رہا، اور اسکی سخت جانی کا تجربہ کرتا رہا،

۱۸۲۰ء مین وہ ایک کالج مین بھیجا گیا جہان وہ ۱۸۲۵ء تک پڑھتا رہا، اسوقت اسکا سن ۱۶ برس کا تھا، اور اگرچہ اسکا گھر بالکل قریب تھا تاہم وہ بورڈنگ مین رہتا تھا اور گھر آتا جاتا تھا یہان اس نے دوڑنے کی خوب مشق کی تھی،

اس زمانہ مین اسکو تنہائی بہت محبوب تھی اور وہ اکثر کسی نہ کسی خیال مین محو رہتا تھا، یہانتک کہ بسا اوقات اسکو یہ بھی پتہ نہین لگتا تھا کہ وہ کہان جا رہا ہے؟ چنانچہ ایک مرتبہ وہ ایک بلند مقام سے گذر رہا تھا جسکے آگے نشیب تھا، جب نشیب آیا تو چونکہ اسکو مطلق خبر نہ تھی اسلئے اسمین گر پڑا۔

اس کالج مین چونکہ ادب زیادہ اور تاریخ و جغرافیہ کم پڑھایا جاتا تھا، اسلئے اس نے عقلی ترقی کے لئے اچھا موقع پایا، لیکن لغت وغیرہ مین اپنے ساتھیون سے بہت پیچھے رہا، یہان اشعار بھی کہلائے جاتے تھے، اور یہ اسکے لئے اتنی بڑی مصیبت تھی کہ وہ کسی طرح اسکو برداشت نہین کرسکتا تھا اسلئے ساتھیون سے قدماء کے اشعار جمع کراتا اور انکو کاٹ چھانٹ کر اپنا کر لیتا تھا، لیکن بعد مین وہ نظم پر قادر ہو گیا اور ہر موضوع پر لکھنے لگا،

یہان اشعار زبانی یاد کرائے جاتے تھے اور انکو وہ آسانی سے حفظ کر لیتا تھا، چنانچہ وہ ہومر کے ۵۰۰ شعر صبح کو یاد کرتا لیکن ۴۸ گھنٹے کے بعد بھول جاتا تھا، اسکو اگرچہ شعر و سخن سے بالکل دلچسپی نہ تھی

تاہم کرنی (Cornneille) کی نظم کو جو فرانسیسی زبان مین ہو اس کے واقعہ کے متعلق کہی گئی ہو بہت پسند کرتا تہا،

وہ پڑہنے لکھنے مین اگرچہ بہت محنت کرتا اور اپنی جماعت مین متوسط درجہ کا طالبعلم شمار ہوتا تہا، تاہم اسکے باپ اور اساتذہ اسکو نہایت حقارت سے دیکھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اسکے باپ نے کہا کہ تم کو صرف شکار کرنا، کتے پالنا اور چوہے جمع کرنا آتا ہے، اور مین سمجھتا ہون کہ تم ننگ خاندان ہوگے۔

پڑہنے کے زمانہ مین وہ مسائل پر غور کرتا اور جب کوئی مسئلہ حل ہو جاتا تو بہت خوش ہوتا تہا، چنانچہ اقلیدس کے براہین ہندسی اسکو زبانی یاد تھے اور وہ انکو سمجھکر بہت مسرور ہوتا تہا، اسی طرح بارومیٹر (قیاس میزان الہوا) کے مشکل مسائل جب حل کئے تو بہت خوش ہوا،

پڑہنے کے علاوہ اسکو کتب بینی کا بھی بہت شوق تہا، چنانچہ کالج کے لائبریری مین گھنٹون کھڑے کھڑے شکسپیر، ٹامسن، بریرن اور اسکاٹ کی کتابین دیکہا کرتا تہا، لیکن چونکہ اسکو اشعار سے بالکل دلچسپی نہ تھی اسلئے بھول جاتا تہا،

اکتوبر ۱۸۲۵ء مین اسکے باپ نے اس کالج سے نکال کر اسکو اڈمبرگ یونیورسٹی مین داخل کردیا، یہان اس نے دو برس تک طب وغیرہ کی تحصیل کی، لیکن چونکہ اساتذہ کے لکچر بہت معمولی اور سطحی ہوتے تھے اسلئے اسکو یہان کی تعلیم پسند نہ تھی اسی بنا پر وہ نباتات اور تشریح کے استادون سے خاص طور پر بغض رکہتا تہا، البتہ کیمیا کا لکچر اچہا ہوتا تہا، لیکن وقت یہ تھی کہ وہ سرے سے اس نظام تعلیم ہی کا مخالف تہا اور لکچر کے بجاے کتاب کے مطالعہ کو ترجیح دیتا تہا، اس بنا پر وہ اس کالج سے بالکل کورا نکلا کیونکہ وہ طب کو بالکل بیکار اور اپنی آیندہ مشاغل کے منافی سمجہتا تہا، اگرچہ ابتدا مین اسکو مُردون کی چیر پہاڑ اور بیمارون کے علاج سے خاص شغف تہا، اور اسکے باپ نے اسکے طبیب حاذق ہونے کی پیشینگوئی بھی کردی تھی، تاہم چونکہ اب اسکا احساس نہایت لطیف ہوگیا تہا، اسلئے اسکو چیر پہاڑ کے کمرہ مین

جاتے ہوئے کہین معلوم ہوتی تھی، اور چونکہ اس زمانہ تک بیہوشی کی دوا لوگون کو نہین معلوم تھی اس لئے مریضون کی چیر پھاڑ مین سخت دقت پڑتی تھی اور ڈارون انکی تکلیف کو دیکھ نہین سکتا تھا،

یہ دیکھکر اسکے باپ نے الٰہیات پڑھانے کا فیصلہ کیا، لیکن چونکہ کالج چھوڑنے کے بعد سے اس نے ادب کی ایک کتاب بھی نہین دیکھی تھی اور وہ ان علوم حتی کہ یونانی زبان کو بھی بالکل بھول گیا تھا اور یونیورسٹی مین داخل ہونے کے لئے ان چیزون کے یاد ہونے کی ضرورت تھی اسلئے اس نے کچھ عرصہ تک گھر رہ کر ایک استاد سے ادب کی کتابین پڑھین، اور یونانی زبان سے ترجمہ کرنے کی مشق کی، اور ۱۸۲۸ء مین جب وہ داخلہ کے قابل ہوگیا تو کیمبرج یونیورسٹی مین اپنا نام لکھایا لیکن یہان بھی اسکا تین برس کا قیام بالکل بیکار ثابت ہوا، اسی زمانہ مین اسکو ریاضی کا شوق پیدا ہوا اور اسکے لئے اس نے بارمتھ کا سفر کیا اور ایک مخصوص استاد سے اسکی تحصیل کی لیکن ریاضی کے قواعد اسکے سمجھ مین اچھی طرح نہین آئے اور جبر و مقابلہ کے اصول کو وہ لغو سمجھتا رہا۔

یونیورسٹی کے ادبی لکچرون مین بھی براے نام شامل ہوا، اخیر سال مین البتہ ڈگری حاصل کرنے کے لئے اس نے زیادہ محنت کی، اور اسکا یہ خیال ایک کتاب دیکھکر اور قوی ہوا، یہ کتاب عیسائی مذہب کی بعض تعلیمات اور اسکے فلسفۂ اخلاق پر تھی، اور چونکہ اسکا پیرایہ بالکل منطقی تھا اس لئے ڈارون کو اسکے مباحث سے خاص دلچسپی تھی، اس کتاب کے دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ نہایت صحیح طریقہ سے ہر چیز کی دلیل بیان کرسکتا تھا اور چونکہ اسکو اس نے نہایت غور سے پڑھا تھا اور الفاظ کے بجاے معانی پر زیادہ توجہ کی تھی، اسلئے خیالات کی ترتیب و تہذیب کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ آخر سے پاس ہونے والون کے علاوہ وہ اپنی جماعت مین کسی سے کم نہین رہا،

یہان مختلف عنوانات پر لکچر دیے جاتے تھے، اور انمین طلبہ کی شرکت لازمی تھی لیکن ڈارون بہت سے لکچرون سے غائب رہتا تھا، ایک پروفیسر جو جیالوجی پر لکچر دیتا تھا بہت بڑا ادیب بھی تھا

اور اسلئے اسکے لکچرون مین مسائل کے علاوہ ادب کی بھی چاشنی ہوتی تھی، ڈارون اسکے لکچرون مین بہت کم شریک ہوا، حالانکہ اگر وہ اُنکو غور سے سنتا تو طبقات الارض کا بہت بڑا عالم ہوتا اسی طرح پروفیسر ہنز لو نباتات پر نہایت مکمل لکچر دیتا تھا، اور طلبہ کو جنگلون میدانون وادیون اور نہرون کے کنارہ لیجاتا، اور وہان انکو عجیب وغریب شکلون کے حیوانات اور نباتات کا مشاہدہ کراتا تھا، یہ سفر اگرچہ نہایت پرلطف ہوتے تھے تاہم ڈارون اسکے لکچرون اور سفرون مین کم شریک ہوا، اور اگرچہ یہان اسکو تحصیل علم کے بہت سے مواقع حاصل تھے تاہم وہ سیر وشکار اور شہسواری مین اپنا وقت ضائع کرتا رہا، جس سے ایک طرف تو تعلیم کا نقصان ہوا اور دوسری طرف سوسائٹی کے اثر سے اسکا مذاق پست ہوگیا، کیونکہ اسکے احباب عموماً کھیل کود سیر وتفریح، اکل وشرب، اور تاش کھیلنے مین اپنا وقت ضائع کیا کرتے تھے،

لیکن اسکے ساتھ ہی اسکے بعض ایسے دوست بھی تھے جنکی وجہ سے اسکو فنون لطیفہ کا ذوق پیدا ہوا، چنانچہ "وٹیلی" نے اسکو تصویرکشی کی طرف راغب کیا، جس سے آگے چل کر اسکو عجائب خانون مین جانے اور تصویرون کے حسن وقبح پر بحث کرنے کا شوق پیدا ہوا، اسی طرح ہربرٹ نے اسکو موسیقی کی طرف مائل کیا جس سے اُسکو اپنی انفعالی قوت کے اندازہ کرنیکا موقع ملا،

بقیہ زندگی

ان باتون نے اگرچہ اسکو علمی ترقیون سے محروم کردیا تھا تاہم چونکہ وہ اب ہر چیز پر نہایت گہری نظر ڈالنے لگا تھا اسلئے قوت استنباط بہت تیز ہوگئی، اور اسکا دماغ باریک بینی اور نکتہ آفرینی کا عادی ہوگیا، اس بنا پر اُس نے اپنے خیالات کے ظاہر کرنے کے لئے تصنیف کا میدان تلاش کیا لیکن دقت یہ تھی کہ ابھی وہ اسپر اچھی طرح قادر نہ تھا، اِسلئے جملون کی ترکیب، الفاظ کی نشست اور کلام کی ترتیب مین اسکا سارا وقت ضائع ہوجاتا تھا، اور بہت سے خیالات دماغ سے نکل جاتے تھے، اس بنا پر اس نے ایک کتاب مین اشارات لکھنے شروع کئے، جنکو اوقات فرصت مین وہ مضمون کی صورت مین مرتب کرتا، اور اسکی عبارت کو درست کرتا تھا،

تصنیف کے لئے وسعت مطالعہ نہایت ضروری شے ہے، اور اسکا ڈارون نے یہ طریقہ نکالا تھا کہ جو کچھ دیکھتا اسکو نہایت ترتیب سے یاد رکھتا، اور ہر بحث کے شروع مین چند ایسے جملے لکھدیتا جو تمام بحث کا خلاصہ ہوتے تھے، انہین جملون سے وہ اپنی تصنیفات مین کام لیتا تھا چنانچہ اسکی کتابون کو پڑھکر صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دوسرون کی معلومات کو اپنی مباحث کا سنگ بنیاد قرار دیا ہے، وہ کتابون کے آخر مین مضامین کی ایک فہرست لگاتا تھا، جس سے اسکو حوالون کے نکالنے مین آسانی ہوتی تھی، اور ہر مسئلہ کے متعلق اپنی راے لکھتا تھا جس سے تصنیف کے وقت اسکو مدد ملتی تھی۔

عمر کے آخری ۲۰ - ۳۰ برس مین اسکو اشعار سے بالکل رغبت نہین رہ گئی تھی، اور وہ ایک شعر کے پڑھنے پر بھی قادر نہین رہا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ شکسپیر کی تصنیفات دیکھنے کا ارادہ کیا تو سستی مانع ہوئی اور اس خیال سے باز آیا، اسی طرح تصویرکشی اور موسیقی سے بھی طبیعت پھر گئی اور مناظر فطرت کے دیکھنے سے جی اکتا گیا، اور اسکے بجاے اسکو ناول اور ڈرامے کا شوق پیدا ہوا لیکن ان مین وہ صرف ان کتابون کو پسند کرتا تھا جنکا لب و لہجہ معتدل ہو، اور مبالغہ سے خالی ہون جن افسانون کی ٹریجڈی افسوسناک واقعات پر ختم ہوتی تھی انکو وہ سخت ناپسند کرتا تھا، اسی طرح اسکو اور فنون جمیلہ سے بھی دلچسپی نہین رہی تھی، کیونکہ اب اسکی عقل صرف ایک ایسا آلہ رہ گئی تھی جسکے ذریعہ وہ اپنے تخیلات کو چند کلیات کے گرد گردش دیا کرتا تھا،

وفات ان دماغی اشتغال نے اگرچہ اسمین صفات عقلیہ کا ایک گوناگون عالم پیدا کر دیا تھا، اور اسمین حب علم، وقت نظر، ملکۂ اجتہاد، اور اصابت راے جیسے ضروری اوصاف پیدا ہو گئے تھے، تاہم اب وہ صحت جسمانی سے بالکل محروم ہو گیا تھا چنانچہ عمر کے آخری حصہ مین سخت بیمار پڑا جس سے اسکے تمام علمی مشاغل بند ہو گئے، اور اسکی بیوی کو تصنیف و تالیف مین اسکی مدد کرنا پڑی اس

زمانہ مین وہ اکثر اپنے باپ کا تذکرہ کرتا، اور اپنے لئے اسی قسم کی صحت کا خواستگار تھا، لیکن انسان کی بہت سی تمنائین پوری نہین ہوتین، بلکہ قبر تک اسکے ساتھ جاتی ہین، اسلئے وہ بھی اس تمنا کے ساتھ ۱۸۸۲ء مین خاک کے سپرد کردیا گیا، اسوقت اسکی عمر ۷۳ برس کی تھی،

اولاد | ڈارون کی اولاد کی تفصیل معلوم نہین، صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک لڑکے کا نام فرنسیس ڈارون تھا جس نے ۱۸۸۷ء مین اپنے باپ کی لائف لکھی اور خطوط جمع کئے،

فضل وکمال | ڈارون بہت سے علوم کا ماہر تھا، کالج کی زندگی مین اس نے انگریزی زبان کے علاوہ یونانی اور فرنچ زبانین بھی سیکھی تھین، اور علوم ادبیہ، جغرافیہ قدیم، تاریخ قدیم، شعر، اقلیدس، طب، کیمیا، تشریح، الٰہیات، ریاضی، جبر ومقابلہ، فلسفہ اخلاق، جیالوجی، علم النبات، بیالوجی، تصویرکشی، موسیقی وغیرہ مین کمال حاصل کیا تھا، ان مین سے اسکو تاریخ طبیعی کا بچپن سے شوق تھا، جو اخیر عمر تک قائم رہا، علوم ریاضیہ اور ماورا الطبیعۃ سے اسکو کبھی دلچسپی نہ تھی، اور اسلئے اسمین کامیاب نہین ہوا، شعر وسخن سے اسکو ابتداءً بالکل ذوق نہ تھا، لیکن بعد مین یہ حالت ہوئی کہ جب ۱۸۲۳ء مین ویلس کا سفر کیا اور راستے کے مناظر سامنے آئے تو اسکی قوت تخئیل مین دفعۃً ایک ہیجان پیدا ہوگیا، لیکن بعد مین پھر اگلی حالت عود کرآئی اور شعرا کے تمام اشعار صفحۂ دل سے محو ہوگئے، موسیقی اور تصویرکشی کا بھی یہی حشر ہوا۔

تصنیفات | ڈارون کی سب سے مشہور اور معرکۃ الآرا تصنیف "اصل الانواع" ہے جسمین اس نے اس انداز سے بحث کی ہے جسکی اس سے بالکل امید نہ تھی، کیونکہ لوگون کا اسکے متعلق یہ عام خیال تھا کہ وہ حقائق اشیا کا نہایت صحیح مطالعہ کرتا ہے، لیکن انکے علل واسباب کو اچھی طرح بیان نہین کرسکتا، اس کتاب کے دیکھنے سے یہ خیال بدل جاتا ہے کیونکہ اسمین اس نے اصابت راے اور ایجاد واجتہاد کا نہایت عجیب وغریب منظر پیش کیا ہے جسکو علما کی ایک بڑی تعداد نے تسلیم بھی کرلیا ہے،

ایک تصنیف "الحیوانات الصدفیۃ" ہے، اسمین اس نے ان حیوانات سے بحث کی ہے جو

آب و ہوا ان کی چٹانوں میں رہتے ہیں، اس کتاب کے شروع میں اس نے مقدمہ کے طور پر چند باتیں بیان کی ہیں اور انہیں پر اپنے مضمون کی بنیاد رکھی ہے، یہ طریقہ ڈارون کے عام انداز تصنیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ وہ عموماً تقلید کے قید و بند سے آزاد رہنے کے لئے اپنے اصول میں تبدیلی پیدا کرتا اور قدماء کی تقلید کو ناپسند کرتا ہے،

ایک تصنیف اسکی خود نوشت سوانحعمری ہے جس سے ہمنے اس مضمون میں فائدہ اٹھایا ہے،

ابتدائی تصنیفات میں ہومر کے اشعار اور انجیل مقدس کا ترجمہ ہے جو اس نے یونانی زبان سے انگریزی میں کیا تھا۔

اسکے علاوہ اسکے پاس مضامین کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع رہتا تھا جنکی تعداد ۴۰ کے قریب تھی اور وہ مختلف عنوانات پر مشتمل تھے، چنانچہ جب اسکو کسی موضوع پر لکھنے کی ضرورت پیش آتی، تو ایک مرتبہ انکا مطالعہ کر لیتا تھا،

ڈارون نہایت کامیاب مصنف تھا، چنانچہ اسکی تمام تصنیفات اسکی زندگی ہی میں انگلستان اور تمام یورپ میں پھیل گئی تھیں،

اخلاق و عادات | ڈارون نہایت مذہبی آدمی تھا، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی خدا کا خیال رکھتا تھا چنانچہ طالب العلمی کے زمانہ میں جب گھر سے دوڑ کر کالج تک جاتا اور وقت پر پہنچتا تو اسکو خدا کا فضل و کرم سمجھتا تھا، وہ خود کہتا ہے کہ "میں خدا کی نماز پڑھتا اور اس سے مدد مانگتا تھا، اور مجھے اپنی نماز کی مقبولیت پر بڑا تعجب ہوتا اور میں اپنی سعی و کوشش کو تیز دوڑنے کے بجاے خدا کی طرف منسوب کرتا تھا"

وہ اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھتا اور اسکا پابند رہتا تھا،

فطرتاً نہایت رحمدل تھا، چنانچہ جب طبی کالج میں تعلیم پاتا تھا تو ایک دن دو شخصوں پر عمل جراحی کیا گیا چونکہ اسوقت تک بیہوشی کی دوا نہیں ایجاد ہوئی تھی اور چیر پھاڑ میں مریض کو سخت تکلیف

ہوتی تھی، اسلئے ڈارون اس کمرہ کو چھوڑکر بہاگ گیا، اور پھر کبھی جراحی کے وقت نہین آیا،

نہایت سادہ دل اور نیک مزاج تہا، چنانچہ ایک مرتبہ ایک ساتھی نے اسکو ہمراہ لیکر ایک دوکان سے کیک خریدا اور دام ادا کئے بغیر وہان سے چلدیا، ڈارون نے سبب پوچہا تو بولا کہ میرے چچا نے ایک بڑی رقم اس غرض سے وقف کررکہی ہے کہ جو لڑکا انکی پرانی ہیٹ پہن کر اسکو ایک خاص انداز سے حرکت دیگا تو اُسکو ہر دوکان سے مفت چیزین ملجائینگی اور دوکاندار اس سے قیمت کا مطالبہ نہین کریگا، اسکے بعد اس نے ہیٹ ہلاکر تہ کہائی اور دوسری دوکان پر جاکر ایک اور چیز خریدی، ڈارون اسکی باتون مین آگیا اور جب اس نے ہیٹ دیکر اسکو بعض چیزون کے خریدنے کے لئے بازار بہیجنا چاہا تو فوراً راضی ہوگیا، چنانچہ ایک دوکان سے جاکر کیک خریدا اور قیمت ادا کئے بغیر وہان سے چلنے لگا، چونکہ دوکاندار اس سے بالکل ناواقف تہا اسلئے اس نے ڈارون کو پکڑکر اس طرح دبوچا کہ اُسکو اپنی جان کا خوف لاحق ہوگیا، اور وہ کیک کو وہین چھوڑکر بے تحاشا بہاگ نکلا، یہان اسکا دوست اس مذاق سے لطف اُٹہا رہا تہا، ڈارون پر نظر پڑی تو بے ساختہ ہنسنے لگا،

ڈارون، ہکسلے کی طرح ذکی، فطین، طباع اور روشن دماغ نہ تہا، چنانچہ اسکے سامنے کوئی کتاب یا مضمون پڑہا جاتا تو وہ نہایت متاثر ہوتا لیکن اُسپر تنقید نہین کرسکتا تہا، اسی طرح وہ بہت دیر تک کسی خاص مسئلہ مین منہمک نہین رہ سکتا تہا، لیکن باین ہمہ جب کوئی راے قائم کرتا تو اسمین اسقدر جدت، ندرت اور صحت ہوتی تھی جو بہت کم لوگون کو حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اس وصف کی نسبت خود کہتا ہے کہ "مین اس پَر کی طرح نہین ہون جو ہوا کے جہونکون مین ٹہر نہین سکتا"

غور و فکر کا عادی تہا، ہر چیز پر نہایت عمیق نظر ڈالتا اور تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا تہا۔

حریفون سے سبقت لیجانے کا خیال اسکو ہمیشہ رہا کرتا تہا چنانچہ خود لکھتا ہے کہ "مجھکو ہمیشہ یہ خیال رہا کہ علماء طبیعین مین کسی طرح ایک بلند درجہ حاصل کرلون"۔

مترجمات

محمد تغلق کا طرز حکومت

(۳)

(از پروفیسر گارڈنر براؤن)

چودھوین صدی عیسوی مین اس عقیدہ کی نہ صرف ایک متعین بلکہ ایک مقتدر جماعت بھی موجود تھی، اور مسلمانان ہند کی تمام آبادی سے اسے پوری تائید کی توقع تھی، کہ یہ لوگ دار الحرب کے باشندے تھے، اور بیرونی اسلامی ممالک کے طرز عمل سے قطعاً ناواقف تھے. تاہم ابھی تک مذہبی جماعت کو اتنا غلبہ نہین حاصل ہوا تھا کہ نظم ونسق اور مہمات سلطنت کی باگ اسکے ہاتھ مین آجائے، زیادہ تر اس بنا پر کہ عموماً امرائے سلطنت نہ متعصب تھے نہ چندان راسخ العقیدہ اور انکی ہمدردیان بادشاہ کے ساتھ تھین، جیسے مالی معاملات مین اب تک ایک بڑی حد تک آزادی حاصل تھی، مگر انہین مخالف بنانے کے لئے صرف اتنا کافی تھا کہ انکے مخصوص منافع پر بادشاہ ایک مرتبہ ہاتھ ڈال دے،

مذہبی گروہ کے جو کچھ بھی مزعومات ومعتقدات تھے، محمد تغلق کا طرز عمل ہر شے مین انکے مخالف تھا،[1] بعض صورتون مین اُس نے حکمرانان سابق کی تقلید کی، اور بعض معاملات مین اسنے

---

[1] معارف، انگریز مورخین جنھون نے ہندوستان کی ہمدردانہ اسلامی تاریخین لکھی ہین اور ان بادشاہون کی حمایت وطرفداری کا جو بدنام سمجھے جاتے ہین عجیب طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ "درحقیقت وہ بادشاہ برے نہ تھے بلکہ اصل مین وہ جس مذہب کے پابند تھے وہ اچھا نہ تھا اور چونکہ وہ دیندار تھے اسکے احکام سے انحراف کر سکے"، لین پول صاحب جنھون نے عالمگیر کی مدافعت مین بہت کچھ کوشش کی ہے انکا بھی اس حملہ مین کارگر ہتیار یہی ہے پروفیسر گارڈنر براون نے بھی محمد تغلق کی حمایت مین اسی طرز استدلال کو اختیار کیا ہے

بالکل جدید راستہ اختیار کیا، وہ جانتا تھا کہ تخت کی عظمت و وقعت برقرار رکھنے کے لئے ظاہری شان و شوکت ازبس ضروری ہے کچھ تو اس خیال سے اور کچھ اس بنا پر بھی کہ وہ سلطنت کی مرفہ الحالی اور جدید اصلاحات کا خلوص کے ساتھ خواہشمند تھا، علاء الدین کی طرح وہ بھی اس امر پر آمادہ نہین ہوسکتا کہ محاصل سلطنت کو چار شرعی طریقون پر محدود رکھے، اسلئے اُس نے لامحالہ انکے علاوہ اہل حرفہ اور پیشہ ورون پر ٹیکس جاری رکھے، اور شاید بعض جدید ٹیکس بھی نکالے، گو اسکی کوئی خاص شہادت موجود نہین، اس سلسلہ مین ہمین پیشتر معلوم ہوچکا ہے کہ دوآب مین جب اس نے خراج دُگنا کیا ہے تو کیسی سخت برہمی پیدا ہوئی،

رہا ہندو رعایا کے ساتھ برتاؤ، ان پر سختی و سخت گیری کیسی اسنے اکبر کے قبل ہی ایکطرف توستی کی رسم کو مسدود کرایا، دوسرے ہندو راجاؤن کو اعلیٰ جنگی مناصب اور دیگر قابل ہندوؤں کو اعلیٰ ملکی خدمات پر فائز کرنا شروع کر دیا، سب سے بڑھکر شاید اُسکا یہ جرم تھا کہ اس نے دولت مند ہندوؤن کی دولت و ثروت مین کچھ دست اندازی نہین کی چنانچہ برنی کا زرفرضی پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس سے ہندوؤن کی مرفہ الحالی و ثروت مین اضافہ ہوا گیا، درآنحالیکہ یہ ایک راسخ العقیدہ حکمران کا فرض تھا کہ ان بدبختون سے جو کچھ کہایا پیا تھا، سب انکے منھ سے اگلوالیتا، ہندو حکومتون کے متعلق شروع شروع اسکا طرز عمل بیشک یہ رہا کہ جنوبی ہند کی ریاستین اسکی مورد عتاب رہین اور بعد کو ہندو قیدیون کا ایک جم غفیر دہلی مین لاکر انکی ایک تعداد جہازون پر بھر کر غلامون کی حیثیت سے چین، ترکستان، وروس، روانہ ہوتی رہی، لیکن یہ قصور اس سے ضرور ہوا کہ اسنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) لیکن ہم کو یقین ہے کہ یہ مورخین اپنی تحقیقات سے جنکو مرہون منت بنانا چاہتے ہین وہ اس ننگ کو گوارا نکرینگے، کیا انہین سلاطین مین ایسے لوگ نہین گذرے ہین جو باوجود پوری دینداری کے مورخین اور

چتور اور رنتھنبور کے راجپوتی قلعون کی کوشش تسخیر کے بجائے، دور دراز ممالک کی فتوحات کے بہ قول بدنی مجنونانہ منصوبہ باندھتا رہا، اور قدیم وجدید ہندو ریاستون کو نیم خود مختاری کی حالت مین چھوڑے رکھا، اسکے اس طرز عمل کی دانشمندی سے وہ لوگ تو انکار کرہی نہین سکتے، جو اکبر کے طرز حکومت کے مداح ہین، علیٰ ہذا اس سے بھی کسی کو انکار نہین ہوسکتا کہ رنتھنبور وچتور کے قلعہ جات پر بعید اضاعت نفوس کے بعد بھی مستقل قبضہ قایم رکھنے کی ناکامی کا یقین محمد تغلق کی عاقبت اندیشی کی دلیل ہے، تاہم اسکی یہ ساری کارروائیان متعصب و پرجوش طبقہ مین سخت مردود رہین، لیکن یہ بھی ضرور ہے کہ اس کا یہ طرز عمل رفتار زمانہ کے بالکل مطابق تھا، اور اس کا ثبوت ابن بطوطہ کے اس طنز آمیز لہجہ سے ملتا ہے، جس مین اس نے ایک ایسے مسلمان کا تذکرہ کیا ہے، جو ہندوؤن کا قتل واجب سمجھتا تھا، گویا اس عقیدہ کا شخص اس زمانہ کے لئے عجیب وغریب تھا،

غالباً علاؤ الدین پہلا شخص ہے، جس نے مال غنیمت مین حصۂ حکومت کے قدیم تناسب مین تغیر کیا، اس نے اول بار جب خود مال غنیمت کا ⅘ حصہ لیا، اور سپاہ کو صرف ایک خمس دیا تو اس پر سپاہ مین سخت بغاوت پیدا ہوئی، مگر اسنے بغاوت کو پنجۂ آہنی سے فرو کیا، اور ہمارے علم مین کبھی دستور سابق کو بحال نہ کیا (یعنی جو جدید قاعدہ اس نے مقرر کیا تھا اس پر قائم رہا) خاندان تغلق کے دو ابتدائی فرمان رواؤن نے اسی قاعدہ کی تقلید کی، اور چودھوین صدی مین ہر سپاہی کو الگ الگ تنخواہ دینے کا دستور پڑگیا جو زمانہ حال کے بہت کچھ مطابق تھا، گو سلاطین مغلیہ بھی اس جدید دستور کو رواج دیتے ہوئے بہت ہچکچاتے رہے، دراںحالیکہ سیاست نامہ مین (جو قرون وسطیٰ کے اسلامی دور حکومت کے نظم ونسق کا ایک گنجینہ ہے) اسکی کافی تعریف و توصیف موجود ہے،

موجودہ نظم سیاست کا یہ بیشک ایک مسلّم مسئلہ ہے کہ بادشاہ کو محاصل سلطنت مین سے اپنی ذات کے لئے اسی قدر یا اس سے کچھ زائد لینا چاہئے، جتنا اسکی رعایا مین بڑے سے بڑے عہدہ دارون کو ملتا ہے، لیکن قرون وسطیٰ مین یہ تخیل ہی دشوار تھا، انگلستان تک مین، تاجدارون اور پارلیمنٹون کے درمیان اس مسئلہ پر مدتون سخت ترین معرکہ آرائیان رہین پھر بہلا سلاطین دہلی سے اس اصول پر عمل درآمد کی کیونکر توقع ہوسکتی تھی، اور خصوصاً علاء الدین و محمد تغلق سے!

مذہبی عدالت کی قایم کردہ فرد جرم کا آخری عنوان یہ ہے کہ اس نے عدالتی کارروائیون مین مداخلت کی مسلمانون کو سزائے موت سے مستثنیٰ نہ رکھا، اور سادات کے تقدس کا لحاظ نہ رکھا، ان تمام الزامات کے لئے ہمین اسی قدیم جرم یعنی سلطان کی شقاوت کی طرف رجوع کرنا چاہئے، لیکن یہ یاد رہے کہ آج جس سلطان کو ہم "خون آشام" کے لقب سے یاد کرتے ہین اسکا لقب خود اسکے زمانہ مین بلکہ اکبر کے عہد تک "عادل" تھا، اور سلطان کو فرایض معدلت مین انہماک تھا، نیز جس خاموشی کے ساتھ وہ اپنے مخالف فیصلون کے آگے گردن خم کردیتا تھا یہ سب واقعات اسکے "عادل" ہونے کے زبردست شواہد ہین، لیکن اسنے ایک قدم اس سے آگے بڑھایا، اور مذہبی عدالت کی نظر مین یہی اسکا ناقابل عفو جرم ہے، اس نے مرافعہ کے لئے عدالت عالیہ خود اپنی ذات کو قرار دیا، اور جب کبھی اسکی رائے عدالت ماتحت کے مفتیون کی رائے سے مختلف ہوتی تو پہلے وہ اسکی کوشش کرتا کہ وہ مفتی صاحبان ہی اپنے فیصلون مین ترمیم کردین، لیکن جب اس مین ناکامی ہوتی تو وہ اپنا حکم سنا دیتا، اور مفتیان شرع کے احکام مسترد کردیتا، اس سے بڑھکر یہ کہ اس نے فصل خصومات کا کام اپنے بعض ایسے معتمد ارکان کے سپرد کردیا تھا جو نہ قاضی تھے، نہ مفتی، نہ فقیہ، اس موقع پر بیشک یہ اعتراض

ہو سکتا ہے کہ ان واقعات کو اسکی شقاوت وسفاکی سے کیا تعلق ؟ اسلئے ہم بھی دو ایسے امور کا ذکر کرنا چاہتے ہین جنکا تعلق اسی الزام سے ہے، پہلا مسئلہ باغی سردارون کے ساتھ برتاؤ کا ہے، سلطان کے زمانہ مین بارہ بغاوتین فرد کی گئین، سات مین سلطان ذاتی طور پر شریک تہا اور پانچ اسکے افسرون کے ہاتھ سے، اول الذکر سات بغاوتون مین ایک کا سرغنہ میدان مین کام آیا، ایک مفرور ہوگیا، اور پانچ کو معافی دی گئی، بقیہ پانچ بغاوتون مین سے چار کے سرغناؤن کو سلطان کے افسرون نے بغیر اسکے ایما و استمزاج کے قتل کر دیا، صرف ایک کے قتل کا البتہ معقول وجوہ و اسباب کی بنا پر خود سلطان نے حکم دیا کیا ان واقعات سے سلطان کی سفاکی کی کچھ بھی تائید ہوتی ہے ؟ اس سے بھی زیادہ دلچسپ وہ متعین واقعات ہین جنکی بنا پر مورخین نے سلطان کو خون آشام قرار دیا ہے، اس قسم کی پندرہ مثالین پیش کی گئی ہین، مگر لطف یہ ہے کہ ان پندرہ مین سے ایک نظیر تو سلطان کی خاص رحمدلی کی ہے، دو محض اتفاقی واقعات ہین، اور دو کا سلطان کی ذات سے مطلق تعلق نہین ! سب سے بڑھکر تماشہ کی بات یہ ہے کہ بقیہ واقعات مین کم از کم آٹھ مثالین ایسے اشخاص کی ہین جن مین مقتول مذہبی یا فقہی جماعت کا رکن تہا، اور اکثر مثالون مین اس پر اصلی الزام صریح بغاوت و غداری یا اوقات مذہبی مین تغلب و تصرف کا تہا، سلطان جو اپنی شقاوت وسفاکی کے لئے اسقدر بدنام ہے اس کا راز بس یہی ہے، اس ظالمانہ تعزیرات کے دور مین محض خونریزی کوئی حیرت انگیز واقعہ نہ تھا، البتہ رعایا کا ہر طبقہ اپنے فرمان روا کی اس جرأت وبیباکی پر ششدر رہ گیا کہ وہ کسی سید یا متشرع شیخ پر ہاتھ ڈالنے مین بھی تامل نہین کرتا! گویا سلطان کی اصلی خطا یہ نہ تھی کہ وہ سخت مزاج تھا، بلکہ یہ تھی کہ اسکی معدلت گستری ہر طبقہ و فرقہ کے لئے یکسان و مساوی تھی، ! اور جب کسی پر جرم ثابت ہوجاتا تھا، تو

مجرم کا علم وفضل، عالی نسبی، بلندی مرتبہ، تشرع وتقدس، ان مین سے کوئی شے بھی واجبی تعزیرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اسکی شفیع نہین ہوسکتی تھی! وہ طبقہ جو ہمیشہ سے اپنے تئین قانون کی گرفت سے محفوظ ومصئون سمجھتا چلا آتا تھا، اُسکی نظر مین یہ دورحکومت بیشک ہولناک تھا اور سلطان عادل نہین بلکہ سفاک تھا!

اگر سلطان کی پالیسی کی مخالفت صرف اسی طبقہ تک محدود رہتی تو بھی سلطان کی نیکنامی قایم رہ سکتی تھی، لیکن دو امور ایسے پیش آگئے، جن مین سلطان کے خیالات رفتار زمانہ کے بالکل مخالف تھے، ان مین سے پہلی بات یہ ہوئی کہ اس نے سرحد سے متعلق قدیم دستورالعمل کو بالکل بدل دیا، ایک صدی تک مغربی صوبجات پر مغلون کی فوج کشی برابر ہوتی رہتی تھی، یہانتک کہ پنجاب جو ایک زمانہ مین اپنی زرخیزی کے لئے مشہور تھا، اب ویران ہوچلا تھا، اور سلاطین دہلی کو سب سے مقدم فکر اسی کی تھی، کہ کسی طرح اس یلغار کا سدّ باب کیا جائے، رفتہ رفتہ نوبت یہ پہنچ گئی تھی کہ خود پایہ تخت تک معرض خطرہ مین آگیا تھا، اور اسکی حفاظت کے لئے محافظ کی حیثیت سے ایک جدید عہدہ قایم کرنا پڑا، ایسی حالت مین قدیم الخیال جماعت کو یہ دیکھکر کافی صدمہ ہوا کہ ان محافظون مین سے آخری محافظ کے فرزند نے ان قابل نفرت اعداء سے دوستی پیدا کرلی! لیکن اس تغیر صورت کے لئے سلطان کے پاس کافی وجوہ موجود تھے، اسلئے کہ مغلون مین اب خود اندرونی مناقشہ شروع ہوگئے تھے، اس لئے ان مین سے جو جماعت سب سے زیادہ پرقوت تھی اسکے ساتھ مصالحت کرلینا خالی از نفع نہ تھا، اسکے علاوہ اس قبیلۂ چغتائیہ اور اسکے فرمان روا ترمشرین نے اسوقت تک اسلام بھی قبول کرلیا تھا، اور اسلئے اب ان سے مصالحت ومعاشرت ناجائز بھی نہ تھی، سلطان کی اس معاہدہ مین جو مصلحت شناسی تھی اس کا سب سے بڑا ثبوت

یہی ہے کہ اسکے بعد یہ یورشین موقوف ہوگئین، لیکن سلطان کی اس مصالحت پسندی سے گو جنگی یورش بند ہوگئی، لیکن ایک دوسرے قسم کا یلغار شروع ہوگیا؛ اور برنی کیسا تلخ ہو ہو کر یہ ذکر کرتا ہے کہ اس عہد مین اجنبی جوق جوق ہندوستان مین داخل ہونے لگے، اور یہان ہاتھون ہاتھ ان کا استقبال ہونے لگا! لیکن یہ کیا غضب ہے کہ برنی بگڑ بگڑ کر انکے داخلہ ہند اور استقبال پر اعتراض کرتا ہے، لیکن باوجود ایک پختہ مسلمان ہونے کے اس واقعہ کو بھول جاتا ہے کہ یہ بیچارے محض قبول اسلام کی بنا پر اپنے ملک کے مظالم سے تنگ آکر ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے!

برنی کا سارا غصہ سلطان کے دوسرے جرم یعنی اسراف پر ہے، یہ درحقیقت ایک عجیب بات ہے کہ برنی کی نظر مین سخاوت وفیاضی بھی جرم ہے اسلئے کہ تمام معتبر شہادتون کا اس پر اتفاق ہے کہ سلطان کی فیاضیان اسراف کی حد تک نہ تھین، بلکہ محاصل سلطنت کے بالکل متناسب تھین، البتہ زیادہ چہان بین سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان فیاضیون کے مورد اکثر اہل ملک نہین بلکہ غیر ملکی ہوتے تھے، ایسے غیر ملکی جو اسکی ملازمت مین داخل ہوتے تھے یا داخل ہونے والے ہوتے تھے، اور یا وہ جنکو کسی خاص کمال یا وصف کی بنا پر سلطان اپنی ملازمت مین لینا چاہتا تھا، اس سے ظاہر ہے کہ سلطان سے یہ شکایت ذاتی حیثیت سے تھی، اسکی فیاضی بجائے خود معیوب نہ تھی، البتہ یہ جرم ضرور تھا کہ اسکا صرف غیر ملکیون پر ہوتا تھا! سلطان کے اس رجحان طبع کی یہ توجیہ کافی نہین کہ سلطان خود بھی تو غیر ملکی تھا، جسکے اسلاف ہندوستان مین پہلی صدی کے خاتمہ پر داخل ہوئے تھے سلطان کا مقصد اصلی یہ تھا کہ کسی طرح نظام سلطنت درست وبہتر ہو، ملکی عہدیدار علے العموم نااہل وناتجربہ کار تھے، اس لئے لامحالہ اُسے ایران ومغربی ایشیا سے ارکان حکومت بلانا پڑتے تھے

کہ وہان کی خوش نظمی مسلّم تھی، علاؤالدین نے اپنے زمانہ مین جتنے افراد کو کاروبار سلطنت مین ہوشیار کرایا تھا، ان مین سے بعض اپنی موت طبعی سے مر چکے تھے، بعض کو اس نے اپنے آخر زمانہ مین خود قتل کرایا تھا، اور باقی قطب الدین وخسرو خان کے زمانہ مین ختم ہو گئے تھے ایک طرف اشخاص کا یہ قحط تھا، دوسری طرف ضروریات سلطنت روز افزون تھین، ایسی حالت مین سلطان کے لئے بجز اسکے چارہ نہ تہا کہ وہ یا تو ہمسایہ ملک ایران سے اشخاص کو بلائے یا اپنی ملکی رعایا کے ان طبقات سے انتخاب کرے، جو ابتک مناصب جلیلہ سے بالکل الگ رہے تھے، یہ دونون صورتین قدیم خاندانی عہدہ دارون کی برہمی کا باعث ہوئین علی الخصوص پہلی صورت کہ عین الملک کی بغاوت بالآخر ملکیون اور غیر ملکیون کی طاقت آزمائی کا میدان ثابت ہوئی، سلطان جو خوش انتظامی کا دلدادہ تھا، اس پر اس طرز عمل سے کوئی حرف نہین آسکتا، تاہم ان واقعات سے اسکے خلاف برہمی کی علت غائی پوری طرح سمجھ مین آجاتی ہے،

حالات واسباب بالا کی بنا پر رعایا کے دو پُر قوت طبقہ سلطان کے پورے دشمن ہو گئے تھے، ایک مذہبی گروہ، دوسرے ملکی عہدہ دارون کی جماعت، اور سلطان نے جو فرمان روائے مصر کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا، ممکن ہے کہ اس مین بھی اسکی یہ مصلحت ہو کہ ان مخالفانہ اثرات کی قوت کسی حد تک تو زایل ہو سکے، لیکن اگر ایسا تھا، تو اپنے منصوبہ مین وہ ایک حد تک ناکام رہا، اور یہ عجیب شومیٔ قسمت کہ سلطان کے آخری ایام مین جو اہم بغاوتین ہوئین، وہ انہین غیر ملکی عہدیدارون کی بھڑکائی ہوئی تھین اسوقت انکی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہین، صرف اتنا کہدینا کافی ہے، کہ جسوقت سندھ کے ریگستان مین سلطان کی عمر و حکومت دونون کا خاتمہ ہو رہا تھا، اُسی وقت سے مذہبی گروہ مین یہ گہری سازش

ہونے لگی کہ اسے معزول کرکے اسکی جگہ پر اسکے کمزور و ضعیف الاعتقاد چچازاد بھائی کو تخت نشین کیا جائے، ایک لحاظ سے یہ انتخاب بہت بجا تھا، چنانچہ جون جون زمانہ گذرتا گیا اور سلطان **محمد تغلق** کے تربیت دادہ ارکان دولت جوق جوق اُٹھتے گئے، اسی قدر فیروز شاہ علمبرداران تشرع وتقشف کے زیر اثر آتا گیا اور اس سے بہت قبل کہ تیمور آکر دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادے، خاندان تغلق کی حکومت کے کل پرزے ایک ایک کرکے الگ ہوتے گئے۔

آخر مین مختصراً موضوع غور صرف دو سیرتین رہ جاتی ہین، ایک برنی کی، دوسرے سلطان کی، مباحث بالاسے غالباً یہ نتیجہ ناظرین کے ذہن مین پیدا ہوا ہوگا، کہ جس شخص نے اپنے آقا کو اسقدر بیجا بدنام کیا اسکی بدنفسی مین کیا کلام ہوسکتا ہے، لیکن یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ جس شخص نے یہ الزامات لگائے ہون ممکن ہے کہ اس نے (کم از کم اپنے نزدیک) دیانتہً لگائے ہون، خوب غور کرکے دیکھو، کہ یہ شخص جو ۱۷ برس تک سلطان کا ایک معتمد عہدیدار بلکہ اسکے آخری ایام مین اسکا مشیر کار بھی رہ چکا تھا، اس نے اس مدت کے بعد اپنے تئین کیسا پریشان، بے روزگار و حقیر پایا ہوگا! فیروز شاہ کے جلوس کے وقت جو ہنگامۂ انقلاب برپا ہوا غالباً اسی لپیٹ مین اسکی معاش بھی جاتی رہی، اور اسکے بعد پانچ برس کی مدت یعنی تاریخ عہد تغلق کے آغاز تحریر تک اسکا بجز اسکے اور کیا مشغلہ ہاگو کہ دن بھر بے روزگاری کی حالت مین مضمحل و افسردہ بیٹھا ہوا دور سابق کے واقعات و حالات پر غور کیا کرتا ہوگا؟ اسکے بعد جب وہ تاریخ کے لئے قلم ہاتھ مین لیتا ہے تو اگرچہ اپنے مرحوم آقا کے محاسن ذاتی وکمالات کا تذکرہ کئے بغیر نہین رہ سکتا، بلکہ ایک مقام پر تو سلطان مرحوم کی ایک اصلاح کا ذکر کرتے ہوئے اسکے تاریک صفحات بھی جوش مدح سے روشن ہونے لگتے ہین تاہم ایک پختہ متشرع مسلمان کی تقدیر پرستی کے ساتھ وہ اس خیال

پر مجبور ہو جاتا ہے کہ عہد سابق کے مصایب خدا کی نافرمانی کا نتیجہ تھے، اور سلطان نے مرضی الہی کے خلاف کارروائیاں کین، اور اسی خیال کی مطابقت مین وہ تاریخ لکہنا شروع کردیتا ہے وہ غریب ہندوستان کے باہر کے حالات سے قطعاً ناواقف ہے، اور چونکہ سلطان زیادہ مشورہ نہین طلب کرتا تھا، اسلئے اسکی نیت وپیش نظر مقاصد کی توضیح بھی برنی پر فرض نہ تھی، غرض اس طرح اسکی تاریخ نیم ارادی ونیم اضطراری تعصب سے رنگ جاتی ہے، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسوقت کی حکومت اسکی تاریخ کو عہد سابق کی مستند سرکاری تاریخ سمجھنے لگتی ہے، یہانتک کہ جب اسکی وفات ہوتی ہے تو فیروز شاہ بصد حسرت ویاس کہتا ہے کہ "کاش میرے عہد کی تاریخ بھی کوئی ایسا ہی شخص لکہتا"!

اب رہی سلطان کی سیرت، یہ ہمین معلوم ہوچکا ہے کہ سلطان کے جوہر ذاتی و اہلیت کے متعلق معاصرین کی کتنی بلند راے تھی، یہ بھی ہمین معلوم ہے کہ سترھوین صدی کے اوایل تک اسکی بابت یہ حیطۂ تحریر مین ہے کہ "وہ فرمانروا جو آج تک عادل کے لقب سے مشہور ہے" پھر یہ بھی ہمین معلوم ہوچکا ہے کہ اس پر جو سخت سے سخت الزامات ہین وہ لاجواب نہین، اس حالت مین کیا ہمین جو عام راے اسکی بابت شایع ہے اُسے قبول کرلینا چاہیے، اور اسکے مزار پر کتبہ لگا دینا چاہیے کہ "نہایت قابل مگر نہایت ناکام" ایسا فیصلہ یقیناً نامنصفانہ ہوگا، اسلئے کہ اس مین غیر مساعد اتفاقات کو یکسر نظر انداز کردیا گیا ہے، مثلاً علاقۂ دوآب مین اضافہ ٹیکس کے بعد طویل قحط، یا زر فرضی کے چلنے مین غیر متوقع دقت، تسخیر خراسان کے وقت دفعتہً اتحادیون کی اعانت سے محرومی، حکومت کی ابتدائی ۲۰ سالون مین پورے پانچ سال کا قحط وغیرہ، ان مخالف اتفاقات وحالات کے مقابلہ مین قرون وسطیٰ کا کون سا حکمران کامیاب رہ سکتا تھا؟ پھر آخر

یہ کہان کا انصاف ہے کہ ناسازگاری بخت کا بھی سارا الزام اسی کے نامۂ اعمال مین لکھدیا جائے، خواہ اس سے اسکے دشمنون کو کیسی ہی خوشی ہو، لیکن کیا اس شق کو چھوڑکر وہ کسی اور حیثیت سے بھی ناکام رہا ہے؟ ممکن ہے کہ اسکے جواب مین بنگال و دکن کے علاقہ جات کا اسکے ہاتھ سے نکل جانا پیش کیا جائے، لیکن یہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے، جب ہم ان حقایق کو فراموش کر جائین، کہ

(۱) بنگال پہ دہلی کی حکومت ستا دنا در ہی کبھی رہی تھی، اور سکا ہمی بنگال نے انتہائی عدیت سے دیکھا تھا،

(۲) تسخیر دکن کا پورا قصد تھا، لیکن یہ قصد وقتاً فوقتاً ملتوی ہوتا رہا، تا آنکہ موت نے ہر قصد بلکہ خود سلطان ہی کو محو کر دیا،

(۳) اسکے معاوضہ مین سلطان نے کاٹھیاوار کو مسخر کرکے بڑے بڑے تجارتی مرکزونکو اپنے لئے محفوظ کر دیا۔

ساتھ ہی ہمکو یہ بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے، کہ کتنی عظیم الشان اور کاواک سلطنت کا بار اسکے سر تھا، جس مین متدین و قابل عہدیدارون کا قحط تھا، ایسی حالت مین اس نے ایک جدید طرز حکومت اختیار کیا، یعنی وہی طرز حکومت جسکی بنا پر ہم اکبر کی داد دیتے ہین، اس نے اشاعت تعلیم کا نظام قایم کیا، شفاخانہ جاری کرائے، محتاج خانون اور اعانت غربا پر توجہ کی، زراعت کو ترقی دی، پھر اگر ان حالات کے ساتھ ہندوؤن کے ساتھ اسکی بے تعصبی و رواداری کا طرز عمل اسکے لئے باعث بدنامی ہوا، تو بجز اسکے کہ "اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی" پڑھکر خاموش ہو رہا جائے اور کچھ نہین کہا جاسکتا،

سلطان کی سیرت و طرز عمل کی بابت قول فیصل اسی کی راے کو سمجھنا چاہیئے جو قدیم

مورخوں نے اسکی بابت قایم کی ہے، اس باب مین ہمین مورخین حال کے تتبع سے احتراز کرنا چاہیے، جنکی رائے تمامتر متعصب برنی کے سرسری مطالعہ اور فرشتہ کے غیر مستند انگریزی ترجمہ پرمبنی ہے، ایسے لوگون کی نظرمین سلطان یقیناً مجنون یا مراقی یا مطلق العنان مستبد فرمانروا ہوگا، لیکن اس طرح کسی کا نام نکال لینا اپنے تئین منصفانہ تحقیق، بے لاگ رائے، اور نفس بشری کے طریق کار کی واقفیت سے معریٰ ثابت کرنا ہے، اسکے مجنون ہونے کا تو اسکے معاصرین مین کوئی بھی مدعی نہین، رہا اسکا مراقی ہونا سو اسکی تردید مین اسکے متعدد علمی اور پرقوت کارنامہ موجود ہین، مستبد بیشک وہ تھا لیکن استبداد کے سوا قرون وسطیٰ مین کوئی اور طریق حکومت کسی کے تخیل مین بھی تھا؟ اسکے استبداد کو بہ طور کسی خاص جرم یا اخلاقی مرض کے پیش کرنا اس حقیقت سے اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے کہ اس زمانہ مین جبکہ تسلیم پرائے تام ہوتی ہے اور جمود و تاریک خیالی کا دور دورہ ہوجاتا ہے، ایک ایسا مستبد فرمانروا جو جدید تجاویز و خیالات کو قبول کرسکتا اور اصلاحات پر آمادہ ہوسکتا ہے وہ اپنی رعایا کی خوشحالی مین بہت کچھ اضافہ کرسکتا ہے، البتہ ایسے حکمران کو اپنے زمانہ مین سخت دقتون کا سامنا ہوتا ہے، قدیم خودغرضیون کی بیخ کنی اور لوگون کی قدامت پسندی خواہ مخواہ اسکے بہ کثرت دشمن پیدا کردیتی ہے، ملازمین و عہدیدار جنکے سر ان ناگوار جدید اصلاحات کا نفاذ ہوتا ہے وہ اسکا بار اپنے آقا کے سر ڈالدیتے ہین، اور اس راہ مین اگر کوئی اتفاقی ناکامی پیش آجاتی ہے، یا نااہل و خاین عہدیدارون کے باعث اسکیم مین خامی رہ جاتی ہے تو اسکا سارا وبال مستبد فرمانروا کی گردن پر عاید کردیا جاتا ہے پھر اگر اتفاق سے کسی معمولی جنگ کے دوران مین اسکی موت آجاتی ہے (چنانچہ محمد تغلق نے بھی شہر ٹھٹھہ کی فصیل کے نیچے وفات پائی) تو فوراً اس عام فتویٰ پر منشاے ایزدی کی بھی مہر لگ جاتی ہے، اسکے بعد جب اسکے

عہد کی تاریخ لکھنے کے لئے وہ لوگ قلم اٹھاتے ہین جنکے جذبات یا اغراض کو اسکی اصلاحات سے کافی صدمہ پہنچ چکا ہی، تو لا محالہ اسکی نیت پر حملہ کئے جاتے ہین، اسکے محاسن وکمالات پر پردہ ڈالا جاتا ہے اسکے کارنامہ مدہم کرکے دکہائے جاتے ہین، آخر مین چلکر ممکن ہے کہ حق وراستی معاصرانہ باطل پرستیون پر غالب آجائے، لیکن جو افترا آت زبان زدِ عوام ہوجاتے ہین اور جواکا زیب صدیون کی عمر پا چکے ہین انکی پردہ دری بہی آسان نہین -

یہی صورت اُس عالم، مہذب، ویُرقوت فرمان روا کے لئے بہی پیش آئی ہی جو بیکسون اور ناتوانون کا خاص طور پر حامی و مددگار تھا، لیکن جسے تاریخ کے صفحات نے بہ کمال بیدردی "سفاک" کا لقب بخشا ہے جو شے اسے سب سے زیادہ عزیز و محبوب تہی جو کتبہ اپنی قبر کے لئے وہ سب سے زیادہ پسند کرتا وہی بات اسکی موت سے کچھ پیشتر ہی ایک دور دراز ملک کے ایک باخبر و منصف مزاج مصنف کی زبان قلم سے نکل گئی، قرطبہ (اسپین) سے پیکن (چین) اور کریمیا سے ممباسا تک شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جسکی سیاحت ابن بطوطہ نے نہ کی ہو، اور محمد بن تغلق کی متعدد کارروائیون سے اسے اچہا خاصا اختلاف تھا، پہر جس تاجدار کی رفاقت چہوڑ کر وہ مفرور ہوگیا تھا، اُس سے اب اُسے کسی حُسن سلوک کی بہی توقع نہین ہوسکتی تہی، بر ینہمہ اپنے وسیع تجربات کی بنا پر اُسے یہی بے لاگ الفاظ لکہنا پڑے، جسے افسوس ہے کہ ہم آسانی سے بہلا دیتے ہین :-

" تمام اشخاص سے زیادہ یہ بادشاہ منکسر و متواضع ہے، اور تمام اشخاص سے زیادہ یہ عدل کو ملحوظ رکہتا ہے"

(اس مضمون کے راقم، پروفیسر گارڈنر براؤن ایم - اے اس مضمون کا مسودہ ختم کرتے ہی بغیر اس پر نظر ثانی کئے وفات پا گئے)

(یوپی، ہسٹاریکل جرنل)

تلخیص وتبصرہ

مذہب و اصلاح نظام تمدن

مسٹر اڈمنڈ ہومس اسوقت انگلستان کے اُن چند مشاہیر فضلا مین ہین جنکی دقت نظر و وسیع الن موافقین و مخالفین سب کو مسلّم ہے، اور جو ملکی، مذہبی و قومی تعصبات سے اپنے تئین حد امکان تک آزاد کر چکے ہین، فن تعلیم و تربیت، نیز مذاہب مشرقیہ پر انکی متعدد تصانیف موجود ہین، اور انکی ہر ہر سطر مصنف کے اجتہاد فکری کی گواہ ہے، یورپ کے سنجیدہ طبقہ مین آجکل سب سے زیادہ دلچ یہ مسئلہ ہے کہ جنگ کے بعد نظام تمدن و معاشرت کی تجدید کن اصول پر ہو؟ اس موضوع پر مسٹ موصوف نے بھی رسالۂ نائنٹینتھ سنچری مین قلم اٹھایا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ نظام تمدن کی صحیح اصول پر اصلاح و تجدید ناممکن ہے تا وقتیکہ پہلے مذہب مروجہ کے پیدا کردہ تخیلات و عقا کی جو فضائے کائنات پر محیط ہوگئے ہین اصلاح و تصحیح نہ ہولے۔

مسٹر موصوف فرماتے ہین کہ جس تمدن مادی پر ہمین ناز تھا، جنگ عظیم نے اسکی بنیادین تک متزلزل کر دی ہین، وہ نظام تمدن جو فوج کے سپاہیون اور پولیس کے پیادون کے بل قائم تھا، ہر جگہ شکست ہو رہا ہے چنانچہ متعدد ممالک مین تو اسکی جگہ بد امنی، حکومت کی جگہ لاحکومتی، اور خوشحالی کی جگہ قحط و افلاس نے صریحاً لے لی ہے، اور جن ممالک مین اب تک نوبت نہین آئی ہے وہان بھی مختلف طبقات کی ہنگامہ آرائیان اور شورشین کسی آنیوالے انقلاب عظیم کی خبر دے رہی ہین، ہر طرف خود غرضی، حرص و طمع، مسابقت، حسد و منافرت کا د دورہ ہے اور اس عظیم الشان تلاطم و طوفان مین انسانیت کی کشتی تہ و بالا ہو رہی ہے اور قریب

کہ ان سخت تھپیڑون سے بالکل چور چور ہو جائے،

ان مصایب سے محفوظ رہنے اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے سیاسی جماعت کا ہر فرقہ، ہر گروہ، ہر طبقہ اپنی اپنی عقل و پیش بینی کے موافق ایک جدید تجویز اصلاح پیش کرتا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ باوجود ان تجاویز اصلاح مین بیحد اختلاف ہونے کے تعلیم و مذہب کو ہاتھ نہ لگانے پر سب کا اتفاق ہے! حالانکہ نظام تمدن کی اصلاح بغیر صحیح اصول تعلیم کے گویا عمارت بغیر بنیاد، اور بغیر صحیح اصول مذہب کے، عمارت بغیر نقشہ تیار کرنا ہے؟

جس طرح بغیر نقشہ قائم کئے عمارت کی بنیادین تک نہین رکھی جا سکتین، اسی طرح ہر تمدنی اصلاح سے پیشتر مذہب کا صحیح تخیل بھی لازمی ہے، مکان کا نقشہ بناتے وقت ہم اپنی تمام آئندہ ضروریات راحت، صحت، صفائی، استحکام، خوشنمائی، کفایت، وغیرہ کا لحاظ رکھتا ہے اور اسی کے مطابق نقشہ تیار کرتا ہے، اسی طرح مذہبی خاکہ تیار کرتے وقت بھی ہمین آئندہ کی تمام تمدنی ضروریات کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اسلئے کہ مذہب ہر شعبۂ زندگی پر حاوی و محیط ہے، یہان تک کہ نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح بھی اسکے دائرہ سے الگ ہو کر ممکن نہین،

مذہب کی تعریف مین گو اہل مذاہب کتنے ہی مختلف الآرا ہون، بہرحال اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ مذہب سب سے بڑی حقیقت کی جسے مذہبی اصطلاح مین خدا یا معبود کہتے ہین ایک تعبیر ہے، پس عام اس سے کہ ہم مذہب کے قایل ہون یا منکر، اپنی کسی اسکیم مین اس سب سے بڑی حقیقت سے قطع نظر نہین کر سکتے، بلکہ جہان تک ہماری یہ تعبیر درست ہوگی اسی نسبت سے آئندہ سہولتین ہوتی رہین گی، اور اگر ہمارا نظام تمدن ناکام ثابت ہو چکا ہے تو اسکے معنی یہ ہین کہ اس عمارت کا جو نقشہ تہا، وہ ناقص تھا، یعنی حقیقت عظمیٰ کی تعبیر یا خدا کا جو تخیل ہمارے ذہن مین قائم تھا وہی سرے سے غلط یا ناقص تہا۔

جو لوگ وجود باری کے قائل نہین، اُنکے ذہن مین خدا کا تخیل دو ہی طرح پر آسکتا ہے ایک یہ کہ خدا ہماری ذات سے الگ اور ہم سے خارج مین ہے، دوسرے یہ کہ ہمین مین شامل اور ہمارے اندر ہے، لیکن عملاً ہم ابتک کس خدا کو مانتے رہے ہین ؟ خدائے خارجی کو، وہ خدا جو کائنات کا ما فوق الفطرت خالق، اور فرمان روائے غیر مسئول ہے، ابتک عموماً ہمارا عقیدہ یہ رہا ہے کہ ہم ایک ضعیف البنیان وگنہگار مخلوق ہین، البتہ ہمارے خالق مطلق الاختیار نے کبھی کبھی اپنے بعض برگزیدہ بندون کو اپنے اور ہمارے درمیان خدمت پیامبری کے لئے چن لیا ہے، انہین منصب رسالت و نبوت پر سرفراز کیا ہے ان پر صحیفے نازل کئے ہین، اور انکے ذریعہ سے ہم تک اپنے ارشادات پہنچائے ہین، اسی بنا پر ہر مذہب نے اپنا ایک مخصوص خدا قرار دے لیا ہے اور ہر مذہب والا اپنی جگہ پر یہ یقین رکھتا ہے کہ نجات صرف اسی مذہب کے لئے ہے، اور باقی اہل مذاہب گمراہ و جہنمی ہین۔

یہ لے یہانتک بڑہی کہ خارجیت فظاہریت کا اثر ہماری مذہبی زندگی کے ایک ایک جزئیہ پر چہا گیا، اور نہ صرف مذہبی بلکہ معاشری و اخلاقی زندگی بھی انہین عقاید کے سانچہ مین ڈہل گئی، ہر فرد کے دل مین یہ تمنا رہنے لگی، کہ خدا کی خوشنودئ مزاج اسی کے حصہ مین آئے، ہمارا خدا گویا تخت عرش پر بہ طور ایک مطلق الاختیار و فرمان روائے غیر مسئول کے متمکن ہے اور ہر بندہ حسنات آخرت اور ہر حسنات دنیا کے لئے اسکی پیشگاہ مین عاجزانہ و خوشامدانہ التجا کر رہا ہے اور ان دعاؤن کی استجابت اسکے ایک اشارۂ چشم پر موقوف ہے، برکات دینی و دنیوی کے جتنے سرچشمہ ہین، نجات اُخروی و فلاح دنیوی، عزت، دولت، حکومت وغیرہ کے عطا کرنے والے جتنے مجازی خدا ہین وہ ان سب کا خدا ہے، وہ جسے چاہتا ہے دم بھر مین عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دم بھر مین ذلت دیتا ہے، امارت و افلاس، حکومت و محکومی، صحت و بیماری

عزت وذلت کی تقیم اسکے ہاتھ مین ہے وہ جسے جو چاہے عطا کرے، اور اسکی تقسیم پر ہر بندہ کو سر تسلیم خم کر دینا چاہئے گویا مخلوقات بدنصیبون اور خوش نصیبون کے دو گروہون مین منقسم ہے۔

خدا اور خدائی کے متعلق یہ تخیل تھا، جو معاشری زندگی کے رگ وریشہ مین سرایت کئے ہوئے ہے، اور یہی نظام اب درہم برہم ہو رہا ہے، بدنصیبون نے اپنی حالت پر قناعت رکہنا چھوڑدیا ہے، اور خوش نصیبون کے مملوکات پر بزور قبضہ حاصل کرنے کا تہیہ کرلیا ہے اور اسی نے ہیئت اجتماعی مین تلاطم کی کیفیت پیدا کر رکہی ہے۔

اصل یہ ہے کہ ایک خارجی خدا کی پرستش کرنا ایک امر محال کی سعی کرنا ہے "رشتہ عبودیت" اور "خارجیت مطلق" باہم متناقض ہین، اور ان دونون کا اجتماع محال عادی و محال عقلی ہے "خارجی خدا" کا وجود اگر ماننا ہی ہے تو اسکا بہترین مظہر داخلی خدا کو تسلیم کرنا چاہئے، اور اس سے زاید ہستی باری کی کنہ و ماہیت کی جستجو مین نہ پڑنا چاہئے، پرستش وعبادت کے قابل یہی داخلی خدا ہے جو خارجی خدا کی طرح عرش اعلی پر متمکن نہین، بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ مین ہمارے نفس کے اندر اور ہماری روح کی گہرائیون مین جاری وساری ہے، نہین، بلکہ یہی داخلی خدا ہماری اصل حیات اور حقیقی روح ہے، جو نیک و بد، زاہد وفاسق، ہر شخص مین موجود ہے اور حیات انسانی تمامتر اسی کا ایک پرتو، اسی کی ایک جلوہ آرائی ہے۔

یہین سے مساوات انسانی کا مسئلہ بھی حل ہوا جاتا ہے، جب تمام افراد اپنی اصل، یعنی جلوہ گاہ ہستی باری ہونے کے لحاظ سے یکسان ومساوی ہے، تو ظاہری وفرعی فروق واختلافات ان مین کوئی عدم مساوات نہین پیدا کر سکتے، اس عقیدہ کے لحاظ سے تمام افراد روحانی حیثیت سے باہمدگر برادرانہ تعلق رکہتے ہین، جس مین کسی طرح کے جبر وتشدد کو مطلق دخل نہین ہوسکتا، پہر چونکہ ہر فرد کے مقصد حیات کی تکمیل اسی وقت ہوسکتی ہے

جب اُسے بلا مزاحمت پورے نشو و نما و بالیدگی کے مواقع حاصل رہیں، اور ان مواقع کا حصول گرد و پیش کے طرز معاشرت وحالات سیاسی پر ایک بڑی حد تک مشروط و منحصر ہے اسلئے ہر فرد کو قدرۃً یہ حق حاصل ہے کہ وہ امور سیاسی و معاشری کی تنظیم و تشکیل مین اپنی بھی ایک آواز رکھے، اور حکومت پر فرض ہے کہ اس آواز پر کان رکھے، جمہوریت کی صحیح و مستحکم بنیاد بھی ایک عقیدہ ہو سکتا ہے، اسکے سوا کسی اور بنیاد پر نظام جمہوریت قایم کرنا گویا ریگ کے ذرات پر عمارت تیار کرنا ہے،

افراد کی تکمیل حیات مین انکی روحانی ترقی بھی شامل ہے، روحانی ترقی کا سب سے پہلا زینہ یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو مٹائے، ایثار سے کام لے، اور دوسرون کی خدمت فرض عین سمجھے، ارتقار روحانی کی سب سے مقدم تدبیر یہ ہے کہ من و تو کی تفریق مٹ جائے اور ابنائے جنس کی بیغرضانہ خدمت اسی طرح اپنے اوپر فرض سمجھی جائے، جس طرح خود اپنی ضروریات وخواہشات کا پورا کرنا ہوتا ہے، جو لوگ خارجی خدا کے بجائے داخلی خدا کی عبادت کرتے ہین، وہ جانتے ہین کہ من و تو کی تفریق محض سطحی وظاہری ہے کہ اصل حقیقت کے لحاظ سے تمام بنی آدم ایک ہی جوہر لطیف کے مختلف شئون و مظاہر ہین، اور جب قلب کو یہ اذعان حاصل ہو جاتا ہے تو لامحالہ خودی، خود پسندی و خود بینی کے جذبات مٹ جاتے ہین، اور انسان کسی کو غیر نہین بلکہ سب کو "اپنے" ہی مین شامل کرنے لگتا ہے۔

لیکن روحانی ترقی کا جو یہ طریقہ بتایا گیا، بہترین نظام معاشرت کا راز بھی یہی ہے ہر فرد اگر دوسرے کی خدمت و اعانت اپنا فرض سمجھنے لگے مغایرت و بیگانگی کا خیال اگر مٹ جائے تو دنیا سے مناقشہ و منافسہ کا بھی ابھی خاتمہ ہو جائے، حکومت و تمدن کا مقصد یہ ہے کہ افراد مسرت و راحت کے ساتھ معیشت رکھ سکین، اور اسکے لئے ضروری ہے کہ

افراد بغیر کسی خارجی مزاحمت کے آزادانہ اپنا تکملۂ حیات کرسکین، اور یہ تکملہ سب سے زیادہ ضبط نفس خدمت خلایق، اور خود فراموشی ہی سے ہوسکتا ہے،

دنیامین اسوقت ایسی صورتین رایج ہین، جنکے ذریعہ سے افراد کی خود غرضیون کو دبایا جاتا ہے، مثلاً حب وطن، حب قوم وغیرہ، لیکن درحقیقت ان مین سے کسی طریقہ سے افراد کی خودی ونفسانیت نہین دور ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ افراد بجائے اپنے ذاتی فواید کے قومی اغراض وملکی فواید کو پیش نظر رکھنے لگتے ہین، بالکل اسی طرح جیسے قزاقون کے گروہ مین ہرفرد باوجود انتہائی شقاوت وبداخلاقی کے اپنے گروہ کے فوائد کو اپنے ذاتی خواہشات پر مقدم رکھتا ہے، اس غرض کا صرف اصلی علاج وہی ہے جو اوپر مذکور ہوچکا یعنی افراد کے ذہن مین یہ یقین مسلط ہوجائے، کہ ع بنی آدم اعضاے یکدگیر اند،

اور اس حقیقی رشتۂ اتحاد کے سامنے ملک وقوم، مذہب وملت کے امتیازات تمامتر سطحی ہین، وطنیت، قومیت یہ سب چیزین اپنی اپنی جگہ پر مفید ہین، بشرطیکہ انہین انسانیت پر غالب نہ آنے دیا جائے، اورسب پر بالاتر اخوت انسانی کو رکھا جائے، مثلاً جو محبان وطن آج وطن پرستی کے جوش مین بیخود ہوکر دوسرے ممالک سے جنگ شروع کردیتے ہین اور اس طرح بغیر ارادہ خود اپنے وطن کو بھی نقصان پہنچاتے ہین، اگر اخوت انسانی کا خیال ان پر مستولی ہو، تو ایسے خطرات سے ہمیشہ کے لئے امن ہوجائے،

غرض یہ کہ اگر آیندہ کشمکش سے بچنا، اور امن کی برکات سے مستفید ہونا ہے تو افراد کو اپنے نشو ونما مین پوری حریت حاصل رہنا چاہئے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ذہن مین بجائے ایک عرش نشین خارجی خدا کے، اس داخلی خدا کا اعتقاد ہو جو کائنات کے ذرہ ذرہ مین پڑا جگمگا رہا ہے،

قدیم خود غرضانہ طرز معاشرت کو ترک کرکے ایثار، خلوص، وبیغرضی کو دلیل حیات بنانا گو آج ہم سب پر فرض ہے اور ہم مین سے تقریباً ہر شخص کافی مشق وکوشش کے بعد اپنے مین یہ خصایل پیدا کر سکتا ہے تاہم جو لوگ اپنی عمر کی پختگی کو پہنچ چکے ہین انکے مقابلہ مین بچون کو یقیناً ان خصایل کے اخذ واکتساب مین بہت زاید سہولت ہوگی، اسلئے ہمارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ آیندہ نسل کی تعلیم وتربیت کا خاص طور پر انتظام انہین اصلاحی اصول کے مطابق اپنے ہاتھ مین لین،

لیکن اسوقت مدارس اور تعلیم گاہون کی کیا حالت ہے؟ وہی عرش نشین خدا کا تخیل یہان بھی لنیر اپنے زہریلے نتائج کے نہ رہا، اسی خدا کے نمونہ پر تعلیم گاہون کے اندر ہر استاد چھوٹے پیمانہ پر ایک مطلق الاختیار وغیر مسئول خدا ہوتا ہے اور آگے چلکر دنیا مین اس خارجی خدا کے جن مظالم کا شکار ہونا پڑتا ہے ان سب کا ایک ایک کرکے بچپن ہی کے زمانہ مین تجربہ کرا دیا جاتا ہے، بچہ کو فطری آزادی سے محروم کرکے زبردستی انہین پڑھنے بٹھایا جاتا ہے، جبر وتشدد کے تمام طریقے عمل مین لائے جاتے ہین، کبھی خفگی پڑتی ہے، کبھی سزا ملتی ہے، اور کبھی دم دلاسا کے ساتھ رشوت کا خوگر کیا جاتا ہے، پھر ترغیب وتشویق کے طریقے کیا استعمال کئے جاتے ہین؟ امتحانات! انعامات، گویا ہر بچہ کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دوسرے بچے اُسکے حریف ودشمن ہین، اور اُسے ہر معرکہ مین انہین نیچا دکھانا چاہیئے، جو بچہ ناکام رہتا ہے، اُسکے ساتھی اُسے ذلیل سمجھتے ہین اور اور جو کامیاب ہوتے ہین وہ فخریہ اکڑتے پھرتے ہین، اور اس طرح ہر مدرسہ بجائے خود رشک و حسد، مقابلہ ومکابرہ، خود پسندی وفخاری کی ایک درسگاہ ہوتا ہے، اس سے بھی بڑھکر یہ کہ ہر بچہ کی قوت ارادی شکست کی جاتی ہے، اسکی حریت قدم قدم پر محدود کی جاتی ہے اسے مصنوعی قواعد وضوابط کے شکنجہ مین جکڑ دیا جاتا ہے، اور نفس کشی وایثار کا اسے بھولے سے بھی کوئی سبق نہین دیا جاتا، خود اعتمادی کے بجائے اُسے دوسرون پر بھروسہ اور تکیہ کرنا سکھایا جاتا ہے،

خارجیت اُسکے رگ وریشہ مین سرایت کی جاتی ہے، اُسکا مذاق فاسد کیا جاتا ہے اور ہر ممکن طریقہ سے یہ نقش اُسکے ذہن پر بٹھایا جاتا ہے کہ بجائے اپنے نفس وضمیر کے فتوے کے اُسے دوسرون کی ہدایت پر عمل کرنا چاہئے!!

اس طرز تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ بچہ خود غرض، خود پسند، خود بین ہو کر رہ جاتا ہی اور گوشۂ دنیا سے آخیر تک اُسے بیشمار اُستادون سے سابقہ پڑتا ہے، غیر محدود مضامین کو دماغ مین محفوظ رکھنا پڑتا ہے اور ایک لاتعداد انبار کتابون کا اُلٹنا پڑتا ہے، لیکن یہ سبق اُسکو بچپن سے جوانی تک ایک موقع پر بھی نہین ملتا کہ

"معرفت نفس انہین کو حاصل ہوتی ہے، جو اپنی خودی کو گم کر چکے ہین"

اُسکا مطمح نظر مادی لذت وراحت رہ جاتی ہی اور روحانی سکون وسرور کیطرف اسکا خیال بھی نہین جاتا،

آخر مین ایک بار پھر کہنا پڑتا ہے کہ ان سارے مفاسد کا ذمہ دار وہی عرش نشین خارجی خدا کا تخیل ہے جو ہر شے مین غیر مسئولیت اور مطلق الاختیاری ڈھونڈتا ہے بخلاف اسکے داخلی خدا کا عقیدہ رکھنے والا جانتا ہے کہ اُس ہستی مطلق کے بیشمار شئون و مظاہر ہین اسکا الٰہ ایک مخصوص مذہب نہین، صداقت وخلوص کہین بھی ہو اُس ہستی مطلق کو محبوب ہے۔ اُسکے نزدیک کوئی جماعت ہیزم جہنم نہین، بلکہ سب اپنی اپنی استعداد وبصیرت کے مطابق منزل مقصود کے جانب حرکت کر رہے ہین، ایسے لوگونکو نیک نفسی، رواداری، فراخ دلی، اخوت، مساوات، خلوص وایثار کے لئے کسی خارجی تعلیم کی ضرورت نہین،

معارف، کیا یورپ مین بھی ظاہری العقیدہ اور قائلین وحدۃ الوجود فرقون کا وجود ہے؟ بہرحال اس جنگ عظیم مین ملحد یورپ کو کسی نوع کے خدا کا تو یقین آیا چاہے وہ عامیانہ تخیل کا ہو، یا صوفیانہ،

اخبارِ علمیّہ

سر چارلس لائل، جو متعدد شعرا ءعرب کے دواوین اور انکے انگریزی تراجم شائع کرچکے ہین، حال مین اُنکے زیر اہتمام کیمبرج یونیورسٹی پریس سے کُلیات عمرو بن قمیہّ شائع ہوا ہے یہ شاعر قیس بن ثعلبہ کے خاندان سے تعلق رکہتا تھا، جو قبیلہ بکر بن وائل کی ایک شاخ تہا اور امرأ القیس کا مُعاصر اور رفیق سفر تہا، کلیات کا بیشتر حصہ عمر کے دیوان پر مُشتمل ہے، جسکا قلمی نسخہ کچھ روز ہوئے قسطنطنیہ کی مسجد سلطان فاتح کے کتب خانہ مین دستیاب ہوا تھا، اور اسکے علاوہ بعض متفرق نظمین مختلف ذرائع سے حاصل ہوئی ہین، سر چارلس لائل کلیات کا اصل متن اور انگریزی ترجمہ دونون شائع کررہے ہین۔

سال گذشتہ مین ہندوستان مین جتنے اشخاص نے اپنی ایجادین پٹینٹ کرائین اُنکی مجموعی تعداد ۶۴۳ ٹھی، اور ان مین ۵، ہندوستانی تھے، جن مین ایک نام مہاراجہ سندھیا (والی گوالیار) کا بھی نظر آتا ہے، ان ایجادات کے بعض عنوانات کے ماتحت اُنکی تعداد حسب ذیل تھی:۔

(۱) کہانا پکانے سے متعلق، ۲۶

(۲) برف جمانے اور سرد کرنے سے متعلق، ۹

(۳) قوت کہربائی سے متعلق، ۵۹

(۴) فرنیچر سے متعلق، ۱۷

(۵) طب وجراحی سے متعلق ۲۷

(۶) ریل وٹرامو سے متعلق ۱۰۸

مہاراجہ گوالیار کی ایجاد ایک خاص قسم کی جہولے کی کرسی ہے،

پیرس کے ڈاکٹر وورونوف، اور امریکہ کے ڈاکٹر کیلر نے حال مین یہ دعوی پیش کیا ہے کہ انسان کے مردہ ہونے کے ساتھ ہی دفعتہً تمام جسم پر اجل طاری نہین ہو جاتی، بلکہ حرکت قلب کے رک جانے کے بعد بھی پورے اٹھارہ گھنٹہ تک ہڈیون کی زندگی برقرار رہتی ہے، اور مختلف غدودون مین تین سے لیکر چھ گھنٹہ تک انکی فعلیت قائم رہتی ہے، پھر چونکہ مختلف غدود قیام حیات مین خاص طور پر معین ہوتے ہین، اسلئے جوان عمر و تندرست اشخاص کی تازہ نعشون سے غدود بذریعہ عمل جراحی نکال کر زندہ اشخاص کے کام مین بہ آسانی لائے جا سکتے ہین، فرنچ پروفیسر وورونوف کے یہ دعاوی محض نظریہ کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن امریکہ کے ڈاکٹر کیلر نے ایک قدم اور بڑھا کر ان پر عمل و تجربہ شروع کر دیا ہے، اور اب تک خاصی کامیابی ہورہی ہے، پروفیسر موصوف کی تجویز ہے، کہ اس مقصد کے لئے مخصوص اسپتال کہولنے چاہئے، تاکہ تندرست اشخاص کی تازہ نعشین وہان جلد سے جلد لاکر انکے کارآمد اعضا خصوصاً غدود بذریعہ عمل جراحی نکال کر زندون کے کام مین لائے جائین،

امریکہ کے نامور جنرل ہوریس کارپنٹیر جنھون نے ابھی وفات پائی ہے، انکی جائداد کی کل قیمت ۷۲۱۲۰۰ پونڈ (اکڑور ۲۰ لاکھ روپیہ) نکلی، یہ ساری رقم انکے وصیت نامہ کے مطابق تین امریکی یونیورسٹیون مین تقسیم ہورہی ہے، نیویارک کے ایک اور متوفی رئیس مسٹر لینی، ۱۰ ہزار پونڈ (ڈیڑھ لاکھ روپیہ) کا ترکہ بوسٹن یونیورسٹی کے لئے چھوڑ گئے ہین،

معارف کے کسی پچھلے نمبر مین اطلاع دی جاچکی ہے کہ اثریات ہند پر مسٹر ہری کرزنس کا رسالہ بہترین قرار پایا، اور انہین پنٹسے موریل کا تمغہ انعام دیا گیا، یہ رسم رایل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن کی عمارت مین انجام پائی اور اسکی صدارت ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے کی، جنکی تاریخ ہند پر متعدد ضخیم تصانیف موجود ہین، اور جو انگلستان مین تاریخ ہند کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے ہین، ڈاکٹر موصوف نے اپنی تقریر مین بیان کیا، کہ مسایل متعلقہ ہند قدیم کی بابت اسوقت ایک بڑی جماعت تحقیق و تفتیش مین مصروف ہے، جس مین ایک کافی تعداد خود اہل ہند کی ہے، تمثیلاً ڈاکٹر موصوف نے دو ہندوستانیون کے نام خصوصیت کے ساتھ پیش کئے، ایک پروفیسر جادوناتھ سرکار جنکی ناتمام "تاریخ عہد اورنگ زیب" ایک عظیم الشان تاریخی کارنامہ، اور نادر قلمی کتب تاریخ وغیرہ سے ماخوذ ہے، دوسرے پروفیسر کرشنا سوامی آئینگار (مدراس) جو وجیانگر کی قدیم تاریخ حیرت انگیز تحقیقات و تفحص کے ساتھ مرتب کرنے مین مصروف ہین،

مسز مڈلی نے اپنے شوہر متوفی کی یادگار مین آکسفورڈ یونیورسٹی مین معاشیات کی تحصیل و تکمیل کے لئے ایک معقول وظیفہ مڈلی اسکالرشپ کے نام سے قایم کرایا ہے اور اس غرض کے لئے یونیورسٹی کو ۲۰ ہزار پونڈ (تین لاکھ روپیہ کا عطیہ) دیا ہے۔

مسٹر کارگل نے گلاسگو یونیورسٹی سے خواہش کی ہے کہ طبیعیات عملی کی تعلیم کے لئے ایک جداگانہ لکچر شپ قایم کی جائے اور اس مقصد کے لئے ۲۰ ہزار پونڈ (تین لاکھ روپیہ) کی رقم یونیورسٹی مذکور کے خزانہ مین جمع کر دی ہے،

قاہرہ کے پرچہ کوکب کو مسٹر احمد شاکر الکرمی اطلاع دیتے ہین، کہ مشہور نایاب کتاب ابو العلا معری کی فصول والغایات کا جزو اول سید محب الدین خطیب کو ہاتھ آگیا ہے یہ کتاب قران کا جواب سمجھی جاتی تھی اور اس بنا پر اسکے محفوظ رہ جانے کی توقع نہ تھی، چنانچہ یاقوت نے اپنی کتاب مین ذکر کیا ہے، کہ ایک مقدس مہتمم کتب خانہ کو کہین سے اسکا ایک نسخہ ہاتھ لگ گیا تھا جسے اس نے تلف کر ڈالا، اس سے پیشتر اسکے بعض متفرق اجزا پروفیسر مارگولیوس نے ابو العلا کی تصانیف کے تبصرہ مین نقل کئے تھے، اس جدید انکشاف کا علمی دنیا مین نہایت شوق سے خیر مقدم کیا جائے گا،

(پروفیسر مارگولیس اور رایل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل)

مشہور مکتشف و مجتہد سائنس سر جے. سی. بوس جنکی روانگی یورپ کا تذکرہ نومبر کے معارف مین آچکا ہے بخیریت ہوئے انگلستان پہنچ گئے اور وہان کی متعدد سائنٹفک مجالس اور انجمنوں کے سامنے اپنے جدید افکار و اعمال کے نتائج پیش کر رہے ہین، جن پر ٹایمز اور دوسرے مقتدر اخبارات حیرت کا اظہار کر رہے ہین، ایک مجلس مین جو زیر صدارت مسٹر بالفور (چانسلر کیمبرج یونیورسٹی) منعقد ہوئی تھی بوس نے بیان کیا کہ اُنھون نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے نباتات کی شرح نمو دریافت ہوجاتی ہے جو بہ مقابلہ سست سے سست رینگنے والے جانور کی شرح رفتار کے ۔۔۔۔ ہے!

ادبیات

رباعیات حالی

غیر مطبوعہ

بروایت مولانا حمید الدین صاحب از مولانا حالی

دولت کی ہوس اصل گدائی ہے یہ — سامان کی حرص، بینوائی ہے یہ
حاجت کم ہو، تو ہے یہ شاہنشاہی — اور کچھ نہ ہو حاجت، تو خدائی ہے یہ

محنت سے وصول چاہییے ہوں اگر — کر اشرفیوں کی تیولی پہ نہ نظر
یہ کیچلی میں بھرا ہوا سانپ ہے سانپ — ہاں سونچ سمجھ کے ڈالنا ہاتھ اسپر

فریاد اکبر

ابتدا اگر عالم ہستی میں میں بیہوش تھا — ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے — بعد ازاں جب تک جیا مغموم تھا خاموش تھا

اک بحر بیکران ہے حوادث کا سلسلہ — اُلجھا جو ذہن اس میں وہ دیوانہ ہوگیا
اُٹھے مورخین، زمانے میں گم ہوئے — افسانہ گو جو تھا وہ خود افسانہ ہوگیا

فنا کے سامنے ہم کیا ہماری ہستی کیا — برائے نام مگر اک نشان پا ہی لیا
ہوا جو ہمنفسِ قطرہ بنگئی دم بھر — حباب نے بھی خودی کا مزا اٹھا ہی لیا

انتظامی بات ہے یہ ہوتی آئی ہے یونہین — اسکا کیا شکوہ جو ہم پر اُسکو غالب کردیا
ہاں یہی افسوس ہے چھن گیا صبر و قرار — طالب حق کو فلک نے اُسکا طالب کردیا

جگنو

از مولوی اقبال احمد سہیل ایم اے ایل ایل بی

اے شرارِ مضطرب اے برقِ بیتابِ زمین — شمعِ کنجِ گلستان، روشن دلِ صحرانشین
سچ بتا اے شعلۂ حساس کیوں ہے بیقرار — کسکی شمعِ حسن پر مرتا ہے تو پروانہ وار
منتظر کس کا ہے تو اے دیدۂ بیخواب کہہ — جستجو کسکی ہے تجکو کرمکِ شب تاب کہہ
کہہ تو اے الماسِ پرّان کسلئے مضطر ہے تو — ہے حقیقت تیری کیا کس کان کا جوہر ہے تو
سچ بتا جگنو یہ ہیں تیری ہی آتش باریاں — یا تصادم سے ہوا کے اڑ رہی ہیں چنگاریاں
کہہ رہے ہیں اہلِ گردوں تیرا جلوہ دیکھکر — گر پڑے کیا خوشۂ پروین کے دانے خاک پر
جگمگا اٹھا ہے تاکستان یہ تیرے نور سے — آتشِ مے شعلہ زن ہے یا رگِ انگور سے
ابلقِ ایام کا بیشک تو نور العین ہے — نور و ظلمت روز و شب کا مجمع البحرین ہے
شعلہ بنکر آہ نکلی ہے درونِ خاک سے — یا سرشک افشاں ہے انجم دیدۂ نمناک سے
ہے حصارِ چرخ پر یہ شعلہ باری کسلئے — جنگ یہ فوجِ کواکب سے ہے جاری کسلئے

باب التقریظ والانتقاد

رسالہ علم نباتات

ازمولوی عبدالباری صاحب ندوی بی ایس، سی

رسالہ علم نباتات جسکی اشاعت کے لئے ہم انجمن ترقی اُردو کے ممنون ہین، اسوقت ہمارے سامنے ہے، اس سے پہلے اسی انجمن نے ایک اور کتاب مبادی سائنس شایع کی تھی جسکا ایک حصہ علم النبات کے لئے مخصوص تھا، جس تیز رفتاری کے ساتھ تمام علوم عموماً اور فنون حکمیہ خصوصاً میدان ارتقا رمین گام زن ہین، اسکا اقتضا یہ تھا کہ ابتک اس فن پر بیسیون کتابین لکھی جا چکی ہوتین، لیکن ہم تمدن کے کتنے مطالبات پورے کر چکے ہین کہ اُسکی شکایت کرین،

رسالہ علم نباتات نہایت سلیس اور سُلجھی ہوئی زبان مین لکھا گیا ہے اور اسمین حتی الامکان اصطلاحات کا بہت کم استعمال کیا گیا ہے، اور یہی ایک ابتدائی کتاب کے لئے شایان بھی تھا، یہ رسالہ درحقیقت علم النبات کے چند مسائل کی ایک جھلک دکھا دیتا ہے، اور اس فن کے مہمات مسائل بھی اس مین پورے طور پر نہین ذکر کئے گئے،

علم النبات پر ایک مستقل تصنیف اسیوقت مکمل ہو سکتی ہے جب اسمین تمام اعضاے نباتیہ کی ظاہری تشریح، ہر قسم کے سینجون کی خردبینی تشریح، انکے کیمیائی تاثرات وکیمیائی رکازات، افعال اعضاء واقعۂ تغذیہ، ونمو وتناسل اور توضیحی تجارب، نباتات پر ماحول کے اثرات مستقل وغیر مستقل، اور نباتات کی مختلف انواع واصناف کے باہمی ارتقائی تعلقات کا ذکر کیا جائے، اور ہر نوع کے ایک پودے کو لیکر مکمل حیات تفصیل سے بیان کیا جائے، اسی کے ساتھ ہی خانہ (cell) کی تشریح

رقیق اور نشاۃ اولی (Protoplasm) کے مظاہر حیاتیہ وخصائص پر ایک نظر ڈالی جائے، اور پھر فلسفۂ علم الحیات کے مہمات مسائل بیان کئے جائین اور ارتقا، توریث و افتراق کے متعلق ڈارون، ڈی ورس، اور گیلٹن کی مساعی جمیلہ نے جن مظاہر حیات کو بے نقاب کیا ہی وہ ملک کے سامنے پیش کئے جائین۔

اگر جمود وتقلید مانع نہ ہو تو اسی کے ساتھ یہ نہایت ضروری ہے کہ ضمنی مثالین بیان کی جائین وہ حتی الامکان ہندوستان کی پیداوارین سے ہون تاکہ براہ راست مشاہدات کئے جا سکین، اگر یہ نہوا تو علم النبات پر نئی تحقیقات کی امیدین رکھنا عبث ہوگا، اور چونکہ مثال ممثل لہ سے زیادہ خفی ہوگی اسلئے مسائل کا سمجھنا بھی دشوار ہو جائیگا۔

اشکال جو علم الحیات کے مضامین سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہین انکا اوسط اس رسالہ مین تقریبًا ½ فی صفحہ ہے، یورپ مین اس فن پر جو کتابین شائع ہوتی ہین، ان مین اشکال وتصاویر کی کثرت وصحت کا نہایت اہتمام کیا جاتا ہے، متوسط درجہ کی نباتیات کی درسی کتابون مین اشکال کا اوسط فی صفحہ تقریبًا ½ سے ایک تک ہوتا ہے،

ہم کہہ چکے ہین کہ یہ رسالہ مشتے نمونہ از خروارے سے زیادہ نہین ہے، لیکن جو کچھ اسمین بیان کیا گیا ہے، اسکی نظم وترتیب کی ستائش نہین کیجا سکتی۔

تمہید کے بعد پہلے باب مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ "پودون کی قسمین الگ الگ کیونکر ہوئین" اسمین نباتات کے ارتقا اور انکی تنوع کا نہایت مجمل اور سرسری بیان ہے۔

دوسرے باب مین پودون کے کھانے کا ذکر ہے، اسمین اول پتون کے افعال اور پھر انکی ساخت اور پھر ساخت پر ماحول کے اثرات بیان کئے گئے ہین اور پودون کی تقسیم باعتبار عمر کے کیگئی ہے، طریق تغذیہ کے لئے جن تجارب کا بیان کرنا اس باب مین ضروری تہا وہ چھوڑ دیے گئے

اور محض پتون کی تشریح پر اکتفا کیگئی ہے، پتون کی ساخت پر ماحول کے اثرات اور پودون کی تقسیم پر جو مضامین اس باب مین ذکر کئے گئے ہین وہ ترجمۃ الباب کے تحت مین کسی طرح نہین آتے،

تیسرے باب مین پودون کے پینے کا ذکر ہے اسمین جڑون کے افعال اور ظاہری ساخت و طریقۂ جذب، حل کیمیائی، پروٹوپلازم اور مخضرہ کا ذکر ہے۔ اسکے بعد پودون کی نامکمل تنویع کی گئی ہے، اسکے بعد نو صفحے اسکی تشریح مین صرف کئے گئے ہین کہ باغبان پودے کے بڑھنے کے لئے زمین کا خیال کیون کرتے ہین اور ہوا کا خیال کیون نہین کرتے، اسکے بعد پودون پر آب و ہوا کے اثرات بیان کئے گئے ہین، ابتدائی نو دس صفحون مین جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ تو عنوان باب کے تحت مین آسکتا ہے، باقی تیس پینتیس صفحے عنوان سے بالکل بے تعلق ہین، بلکہ اسکے بعض مباحث مثل حل کیمیائی اور اسکی تشریح کہ باغبان پودے کے بڑھنے کے لئے زمین کا خیال کیون نہین کرتے، علم النبات سے تھوڑا ہی تعلق رکھتے ہین، اس باب مین بھی تجارب بہت ہی کم اور بالکل نامکمل ہین،

باب چہارم و پنجم مین پودے کی تلقیح، اور تلقیح کے طریقے بیان کئے گئے ہین اور باب ششم مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ پودے اپنے بیجون کو کس طرح پھیلاتے ہین، یہ آخری تین باب نسبتًہ اچھے لکھے گئے ہین، علم النبات کی ایک اوسط درجہ کی کتاب کا جو خاکہ ہم دیچکے ہین، اسکے ساتھ اس رسالہ کے مضامین کا مقابلہ کرنے سے اسکا اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب کتنی نامکمل ہے،

کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہم ان افسوسناک مسامحات و اغلاط کا کچھ ذکر کرنا چاہتے ہین، جنھون نے اس کتاب کی قیمت کم کر دی ہے،

امثلۂ خارجی کی کثرت امثلۂ وطنی کا فقدان

سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اس رسالہ کی زیادہ تر مثالین یورپ کے پیداوار سے اخذ کیگئی ہین، شاید اس رسالہ کے ناظرین سے یہ توقع کیگئی ہے کہ وہ علم النبات کے مطالعہ کے لئے یورپ کی بیابان نوردی اختیار کرین گے، ہندوستان کی پیش پا افتادہ

مثالین نظرانداز کرکے یورپ کی مثالین اختیار کرنے کے چند نمونے ہم پیش کرنا چاہتے ہین،

صفحہ ۲۶ مین پنجہ نما مرکب پتون کے بیان مین ہارس چسپٹ نٹ، ورجینیا اور اسٹرابری کے پتون کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ سینبھل، کپاس امریکی کانپوری، ارہر، موٹھہ اور پٹوا جو ہندوستانی پودے ہین انکی شکل کو مغربی پودون سے بہتر ظاہر کرسکتے تھے،

صفحہ ۲۷ مین ایک قسم کے پرنما پتون کے ذکر مین بلیڈا سنا کا حوالہ دیا گیا ہے اور حیرت ہے کہ آم، جامن، کیلا، مرچ، گل عباس ایسے ہزارہا ہندوستانی پودون مین سے کوئی مصنف کے تخیل کو مائل نہ کرسکا۔

صفحہ ۲۷ ہی مین اسپینی چسپٹ نٹ کے بجائے مکوہ، کتیلہ، جنگلی گوبھی، اور گل عباس یا شاہ بلوط کے بجائے شلجم ومولی، مرتیج کے بجائے املی، ببول اور سرپھوکہ وغیرہ ہم ہندوستانیون کو زیادہ سمجھا سکتے تھے،

صفحہ ۳۰ مین آلو بخارا کے بجائے شفتالو، بیر، گل مہندی وغیرہ زیادہ مناسب تھے۔

صفحہ ۳۲ مین تیر نما پتون کی کوئی مثال نہین دیگئی، حالانکہ ہندوستان مین ایسے پودے بکثرت موجود ہین، منجملہ انکے کوڑیالا بھی ہے جسکے سفید نفیف نما پھول صبح کو میدانون مین ہر شخص کی توجہ کو اپنی جانب مائل کرلیتے ہین،

کرم خور پودون کے بیان مین کافی تطویل سے کام لیا گیا ہے اور سات پودون کا حال بیان کیا گیا ہے، جنہین سے سوا دو ایک کے جو شملہ اور نینی تال پر ملتے ہین، اور کوئی ہندوستان مین نہین پایا جاتا ہے، اس سلسلہ مین اس پودے کا ذکر نہین کیا گیا، جو ہندوستان کی میدانی جھیلون مین بکثرت پایا جاتا ہے، چنانچہ لکھنؤ کے قریب چنہٹ جھیل مین بھی وہ بکثرت موجود ہے۔

صفحہ ۸۰ مین ناشپاتی کے پھولون سے مثال دیگئی ہے اور اس سے زیادہ مشہور اور متداول

مثالین چھوڑ دیگئی ہین،

باب پنجم و ششم کی مثالین بھی زیادہ تر مغربی ہین، حالانکہ اس باب مین نباتات ہند اُن سے کچھ کم دلچسپ نہ تھے، مثلاً کیکئی، کپاس، مدار، کنیر، گنگچی، ڈسموڈیم، خرفہ، ببول، کالا بچھوا، پنوار، ناریل اور بسلویا وغیرہ،

یہ تو مسامحات تھے، اب اغلاط کو ہم پانچ عنوانون پر تقسیم کر سکتے ہین، ہر عنوان کے تحت مین ہم چند مثالین بیان کرینگے، (۱) تعمیم ماحقہ التخصیص (۲) تخصیص ماحقہ التعمیم (۳) نظریات وما بہ النزاع مسائل کا یقینیات کی حیثیت سے ذکر کرنا، (۴) ایسے افعال وخواص کا ثبوت جو بے اصل ہین، (۵) غلط تعریفین اور تقسیمین،

تعمیم ماحقہ التخصیص	"اگر ہم کسی پھول کو نگاہ غور سے دیکھین تو ہمین ذیل کے پائین گے، پھول کے

وسط مین جو عضو ہوتا ہے اسے موسلی کہتے ہین، یہ وہی عضو ہے جسکے ذریعہ سے تولد نسل ہوتی ہے، اسکے کئی حصے ہوتے ہین، نچلا حصہ گولی کی طرح گول ہوتا ہے جسکو بیضہ دان کہتے ہین، بیضہ دان کے اردگرد باریک دھاگے کے مانند ڈنڈیان ہوتی ہین جنکو نالی کہتے ہین، اسکے سرے پر ایک ظرف ہوتا ہے جسمین زرد رنگ کا زیرہ ہوتا ہے"

" پھر اگر ایک ہی پودے مین نر و مادہ پھول دونون ہون تو کم از کم ایک شاخ کا فاصلہ ضرور ہوتا ہے دونون قسم کے پھول ایک ہی شاخ پر نہین ہوتے"۔

تخصیص ماحقہ التعمیم	ان مین سے ہر ایک خانہ پھر دو خانون مین تقسیم ہو جاتا ہے اور جب تک کافی

مقدار مین کاربونک ایسڈ گیس اور روشنی ملتی رہتی ہے یہ تقسیم جاری رہتی ہے،

نظریات وما بہ النزاع مسائل کا یقینیات کی حیثیت سے ذکر کرنا	"جتنے پودے دنیا مین پائے جاتے ہین خواہ وہ درخت ہون یا جھاڑی یا گھاس پات سب ایک ہی مورث اعلیٰ سے پیدا ہوتے ہین"۔

"ہر ایک پودا بذات خود واحد نہین ہے بلکہ ایک بستی کی طرح اسمین بہت سے افراد ہین"

ایسے افعال وخواص کا ثبوت جو بے اصل ہین "اگر ہم پتے سے ایک نہایت باریک ٹکڑا کاٹین اور خوردبین سے دیکھین تو ہم اوپر کے حصے مین ایک حصہ چھوٹے چھوٹے خانون کا پائینگے جنکے چارون طرف نہایت صاف وشفاف دیوارین ہونگی، یہ خانے پانی سے بھرے ہوتے ہین اور پتے کے اوپر پانی کے روکنے کا کام دیتے ہین اور کاربونک ایسڈ کو جو ہوا مین پہیلی ہوتی ہے، جذب کر لیتے ہین"

"ان خانون کے نیچے ایک اور حصہ ہوتا ہے جو ٹہیک اسفنج کا سا معلوم ہوتا ہے، اسکا کام یہ ہے کہ جسقدر پانی، شکر، نشاستہ اور دوسری چیزین بنکر جو کچھ بچ رہتا ہے، یہ حصہ اسے نکال دیتا ہے اور دوران کو قائم رکھنے مین مدد دیتا ہے"

"ہمارے ملک ہندوستان مین ایک پودا ہوتا ہے جسکو نیلوفر کہتے ہین، یہ پودا ندیون یا جھیلون مین ہوتا ہے، اسمین دو قسم کے پتے ہوتے ہین"

"عام طور سے پتے جڑون سے نہین نکلتے بلکہ تنے سے، تاہم جب جڑ بن ہوا اور روشنی مین آجاتی ہین تو ان سے کونپلین نکل آتی ہین"

"حیوان مفرد اجزا سے مرکبات تیار کرنے کے بجاے پیچیدہ اور مرکب غذاؤن کو توڑ پھوڑ کر مفرد بنا ڈالتا ہے"

غلط تعریفین اور تنقیحین "آپ پہلے سن چکے ہین کہ پتے کے اوپر ایک سلسلہ چھوٹے چھوٹے خانون کا ہے اور اسکے نیچے ایک سلسلہ سبز خانون کا، جنمین سبز مادہ بھرا ہوتا ہے، یہی سبز مادہ پودون کی زندگی کا باعث ہے، یہ مادہ لیسدار ہوتا ہے اور حقیقت مین یہی ابتدائی پودہ ہے، اس سبز مادہ کو علم نباتات کی اصطلاح مین مخضرہ کہتے ہین"

"مخضرہ جسکا بیان پہلے ہوچکا ہے، پروٹوپلازم کی ایک خاص قسم ہے"

"تری کے پودے کی دو قسمین ہین، ایک وہ جسمین مخفرہ ہوتا ہے دوسرا وہ جسمین مخفرہ نہین ہوتا"۔

"صرف دو قسم کے پھولون کی تلقیح ہوا کے ذریعہ سے ہوتی ہے، ایک تو صحرائی درختون کی دوسرے گہاس کے شکل کے پودون کی، صحرائی درختون مین دیودار صنوبر وغیرہ ہین، اور گہاس کی شکل کے پودون مین گیہون، چنا، جوار، باجرہ، چانول اور بانس وغیرہ"

ہمین امید ہے کہ آیندہ اشاعت مین ان تسامحات کی اصلاح کردیجائیگی۔

آخر مین ہم پھر اسکا اظہار کرنا چاہتے ہین کہ اس رسالہ کا طرز بیان ایسے لوگون کے لئے نمونہ بن سکتا ہے جو سائنس پر ابتدائی کتابین لکھنے کا ارادہ رکھتے ہون۔

مطبوعات جدیدہ

گہوارہ تمدن، مولوی نیاز محمد خان صاحب نیاز فتحپوری کی ایک جدید تصنیف ہے، جسمین مغربی تحقیقات، قیاسی نظریات، تاریخی حوالون اور سفرنامون سے یہ دکھایا گیا ہے کہ صنف نسوانی نے ازمنۂ قدیمہ مین تہذیب وارتقاے عالم کا کہان تک ساتھ دیا، اور دنیا کی شائستگی اور مدنیت کی پیدائش مین اسکا کہانتک حصہ ہے، گھر کی ضروریات اور صنعت وحرفت کی تکمیل مین اس نے کہانتک دنیا مین کام کیا ہے،

اس موضوع پر گو انگریزی مین متعدد تصنیفات ہین اور اُن سے اردو مین ایک کتاب مرتب کر دینا آسان کام ہے، لیکن مولوی نیاز صاحب نے اس کتاب مین قابل داد کوشش ومحنت کی ہے، اور ہم ان کے زیادہ ممنون اس بات کے ہین کہ انھون نے کم از کم اس کتاب مین اپنی خاص ادبی زبان استعمال نہین کی ہے، اردو مین یہ مفید اور جدید معلومات امید ہے کہ لوگ دلچسپی کے ساتھ پڑھینگے اور مصنف کو فہرست مطبوعات اُردو مین ایک نئے باب کے افتتاح پر مبارکباد دینگے،

مولوی صاحب نے حاشیہ (یا فٹ نوٹ) کی جگہ استدراک کا لفظ جابجا استعمال کیا ہے لیکن ہماری طرح انکو بھی معلوم ہے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہین، اور اسکا صحیح موقع استعمال کیا ہے، جنس لطیف کے مقابلہ مین "جنس کرخت" کا لفظ شاید ہمارے اخوان جنس اپنے لئے پسند نکرین،

بہرحال کتاب دلچسپ اور نئے معلومات پر مشتمل ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، تقطیع متوسط، ضخامت ۲۵۴ صفحے، قیمت عہ مصنف سے تاج محل بھوپال کے پتہ سے طلب کیجئے۔

شہنشاہ کونین، کلکتہ کے مسلمان طلبہ کو سیرۃ نبوی پر مضمون لکھنے کے لئے ایک انعامی مقابلہ کی

دعوت دیگئی ہے، تمام طلبا رمین حامد نعمانی اعظم گڈہی (پریسیڈنسی کالج کلکتہ) کا مضمون سب سے بہتر سمجھا گیا، اور انکو جناب راجہ صاحب محمود آباد کے ہاتھ سے ایک تمغہ دیا گیا، یہی مضمون مذکور "شہنشاہ کونین" کے نام سے شایع کیا گیا ہے،

اس رسالہ مین سیرۃ نبوی کے مختصر واقعات سہل و آسان زبان مین خطیبانہ انداز سے لکھے گئے ہین، طلبہ اور عام شائقین اُسکا مطالعہ کر سکتے ہین، ضخامت ۱۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، قیمت ۳/، پتہ: حامد نعمانی صاحب نمبر ۱۶ بو بازار اسٹریٹ کلکتہ،

حقیقت (لکھنؤ) ہندوستان کی اسلامی آبادی مین لکھنؤ کو جو شرف و امتیاز حاصل ہے، اس سے کسکو انکار ہوسکتا ہے، ضرورت تھی کہ اس شہر سے جو ملک کی اسلامی آبادی مین دماغ کی حیثیت رکھتا ہے ایک سنجیدہ، باوقار اور معتدل اخبار جاری کیا جائے، خدا کا شکر ہے کہ لکھنؤ کے چند باجوش اور صحیح الرائے مسلمان ارباب فکر و قلم نے اس ضرورت کو محسوس کیا، اور **حقیقت** کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۹ء سے جاری کردیا جو کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے،

یہ اخبار بڑی تقطیع کے ۸ صفحے پر شایع ہوتا ہے، کاغذ، لکھائی، چھپائی سب قابل تعریف ہے، سب سے زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ اسکا نصب العین صرف سیاست نہین، بلکہ علمی، تعلیمی، معاشرتی، اجتماعی، اقتصادی، غرض ملک و قوم کی زندگی کے ہر شعبے کو اُبھارنا اور درست کرنا چاہتا ہے، مہینہ مین ایک دفعہ اپنی زبان کی مطبوعات پر نظر کرتا ہے، ہر ہفتہ ملک کے اہم واقعات و حوادث پر تبصرہ لکھتا ہے، برادران وطن کے مساعی جمیلہ سے اپنی قوم کو ہمیشہ آگاہ کرتا رہتا ہے، تعلیم و معاشرت کی اصلاح مین حصہ لیتا ہے، سیاسیات مین اپنی رائے ژرف نگاہی سے قائم کرتا ہے، ہم ناظرین سے ملتمس ہین کہ وہ اپنی قدردانی کا اظہار فرمائین کہ یہ چندروزہ خوش آیند بہار نہ ثابت ہو،

قیمت سالانہ ۵/، پتہ: دفتر حقیقت، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ،

[illegible]

[illegible]

[illegible] اسلامی [illegible]

[illegible] حصہ اول [illegible]

[illegible] قرآن [illegible]

[illegible] اصحاب الرأس [illegible]

[illegible] انصار اور قریش کی تاریخ [illegible]

[illegible] زبان اور مذہب [illegible] عمر

[illegible] الفلک [illegible] عہ

[illegible] الادب عربی کی [illegible] ۱۲ر

[illegible] دوسری [illegible] دوم ۲ر

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ [illegible] کے

[illegible] کی تحقیق ۱۸ر

بہادر خواتین اسلام ۱۲ر

مولانا عبد السلام ندوی

خطبات [illegible] سید سلیمان [illegible]

[illegible]

[illegible] کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مبادی علم [illegible]

[illegible]

مولوی عبد الماجد بی اے [illegible]

فلسفہ اجتماع [illegible] عہ

تاریخ اخلاق یورپ [illegible]

ترجمہ جلد اول [illegible] ے

مکالمات برکلے [illegible] قسم اول ۱۲

قسم دوم [illegible] ۱۲

پروفیسر سید نواب علی ایم اے

معارج الدین [illegible] علم کلام پر ایک [illegible] تصنیف [illegible]

[illegible] مذہب کی [illegible] پر [illegible] ۱۲ر

تاریخ صحف سماوی، توراۃ، انجیل اور قرآن مجید کی [illegible]

ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے [illegible]

[illegible] قرآن کا جواب قسم اول [illegible] قسم دوم [illegible]

مولوی عبد الحق بی اے [illegible]

اساس التعلیم [illegible] تعلیم پر ایک [illegible] تصنیف قیمت [illegible]

مفتی [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] اسلام [illegible]

منشی [illegible] صاحب [illegible] تاریخ [illegible]

[illegible]

[illegible] قیمت [illegible]

[illegible]

مجلد پنجم | ماہ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ مطابق فروری ۱۹۲۰ء | عدد دوم

مضامین

جدید مطبوعات

سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سوانحعمری، انکے مجددانہ کارنامے، جو بعد کی تاریخ دعوت و عزیمت کی تفصیل اور انکے مناقب و محاسن کا موازنہ، از مولانا عبدالسلام ندوی، قیمت عمر، منیجر

شذرات

سر راش بہاری گھوش کلکتہ کے مشہور مقنن، عالم و فیاض بزرگ ہین، چند سال ہوئے اُنھون نے دس لاکھ کی گرانبہا رقم کلکتہ یونیورسٹی کو اس غرض سے عطا کی تھی کہ اس سرمایہ سے سائنس کالج قائم ہو، حال مین اس یونیورسٹی کو دوسرا عطیہ ساڑھے گیارہ لاکھ کا اسی حاتم وقت کے ہاتھ سے موصول ہوا ہے، بمبئی، بانکی پور، لاہور، لکھنؤ، حیدرآباد، اور خود کلکتہ کے کامیاب و مشہور مسلمان وکلا اور بیرسٹرون کے کانون تک یہ خبر پہنچی ہے ؟

یورپ کے ماہوار رسائل کی کثرت اشاعت کا ذکر ان صفحات مین بیشتر آچکا ہے، لیکن خود ہندوستان مین جو انگریزی یا دوسری ملکی زبانون مین رسالے نکل رہے ہین، اُنکا کیا حال ہے ؟ ماڈرن ریویو (کلکتہ) انڈین ریویو (مدراس) ہندوستان ریویو (الہ آباد) ان مین سے ہر پرچہ کی اشاعت ہزارہا کی ہے، اور ماڈرن ریویو کی تعداد اشاعت پانچ اور چھ ہزار کے درمیان ہے! ہندی کے مصور رسالہ سرسوتی (الہ آباد) کی اشاعت چار ہزار سے کم نہین، گجراتی اور بنگالی زبان کے بعض رسالون کی اشاعت دس دس ہزار ہے۔ یہ حال مختص الجماعت و مختص الصوبہ زبانون کے رسائل کا تھا، اسکے مقابلہ مین ملک کی عام و مشترک زبان اردو اپنے کتنے رسالون کے خریدار دس ہزار نہین، پانچ ہزار نہین، ایک ہزار بھی پیش کر سکتی ہے ؟

سال گذشتہ جسوقت معارف مین جدید تغیرات کئے گئے، حجم ڈیوڑھا کر دیا گیا، مضامین مین تنوع کے لحاظ سے نمایان اضافہ کیا گیا، انگلستان، امریکہ، وہندوستان سے انگریزی رسائل وجرائد کی تعداد مین منگائے گئے، اسٹاف مین اضافہ کرنا پڑا، قلمی معاونین کی خدمت مین مالی معاوضہ پیش کیا گیا۔ غرض مصارف کی مختلف مدین بڑھ گئیں، اسوقت مالی مشکلات کا حل اودہ اور دکن کے بعض باہمت رؤسا کی فیاضی نے کر دیا تھا، اگلی سال پھر وہی تمام ضروریات ایک ایک کرکے پیش آرہی ہین، لیکن اب ہماری غیرت مزید اعانت طلبی کو گوارا نہین کرسکتی،

مسٹر ہنری فرک، امریکہ کے ایک مشہور دولتمند تھے، جنھون نے حال ہی مین وفات پائی ہے، اپنے بعد وہ ۲۹۰۰۰۰۰۰ پونڈ کی جائداد چھوڑ گئے ہین، وصیت نامہ کے بموجب اس دولت قارون مین سے ۵ لاکھ پونڈ کی رقم انکے احباب، اعزہ وملازمین کو ملیگی، اور باقی ۲۴۰۰۰۰۰۰ پونڈ (یا ۳۶ کرور پونڈ) امریکہ کی مختلف یونیورسٹیون اور تعلیم گاہون مین تقسیم ہونگے!! اسی کے ساتھ امریکہ سے دوسری خبر یہ آئی ہے کہ مشہور کروڑپتی راک فیلر نے اپنے قائم کردہ سائنس انسٹیٹیوٹ کو ۲۰ لاکھ پونڈ (۳ کرور روپیہ) کا تازہ عطیہ دیا ہے، یہ انسٹیٹیوٹ اس نے سنہ ۱۹۰۱ء مین قائم کرایا تھا، اور اسکے لئے ۵ لاکھ پونڈ (۷۵ لاکھ روپیہ) کی مستقل جائداد وقف ہے، اور متفرق عطایا کی میزان یہ تازہ عطیہ ملاکر اسوقت تک ۷۵ لاکھ پونڈ (۱۰½ کرور روپیہ) تک پہنچ چکی ہے، انسٹیٹیوٹ مذکور کی غرض یہ ہے کہ طب ومتعلقات طب سے متعلق تحقیقات واکتشافات کا سلسلہ قائم رہے، اسوقت اسکے اسٹاف مین ۱۶۵ اساتذہ اور ۲۱۰ ماتحت ملازمین کام کررہے ہین، ہندوستان مین یہ واقعات "طلسم ہوشربا" کی داستانین معلوم ہوتے ہین!

ایک مدت سے یہ دیکھنے مین آرہا ہے کہ بعض ہفتہ وار معاصرین معارف کے شذرات کو کثرت کے ساتھ اپنے ایڈیٹوریل کالمون مین برابر بے تکلف جگہ دیتے رہتے ہین، لیکن اسمین انکا کیا حرج ہے، اگر وہ از راہ کرم معارف کا حوالہ بھی دیتے رہین، صحائف سے یہ توقع کیجاتی ہے کہ وہ قوم کو اخلاق و دیانت کا سبق دینگے، اسکا عملی نمونہ انہین پہلے خود اپنے صفحات مین پیش کرنا چاہیئے

اس نمبر کے اخبار علمیہ کے زیر عنوان سنہ ۱۸ء کے مطبوعات کی فہرست بہ لحاظ السنہ درج کیگئی ہے، جو حکومت ہند کے شائع کردہ مجموعہ اعداد و شمار سے ماخوذ اور اسلئے قابل استناد ہے، ممکن ہے کہ مملکت ہند کی وسیع آبادی مین چند دردمند قلوب ایسے نکل آئین جو اس مرقع عبرت کو دیکھکر کچھ متاثر ہون، عربی و فارسی کا ذکر نہین جو اپنی قلت تعداد مطبوعات کے لحاظ سے مردہ زبانون سے بھی بدرجہا پست و فروتر ہین، البتہ "قوم" کا ارشاد اردو سے متعلق کیا ہے، جسکی تعداد مطبوعات بمقابلہ ہندی و بنگالی کے بقدر ایک ثلث کے کم ہے، اور انگریزی مطبوعات کی تو نصف بھی نہین؟ ہندوؤن اور مسلمانون کے اتحاد کا غلغلہ آج ملک کے گوشہ گوشہ مین بلند ہے لیکن اگر اسمین خلوص کا کچھ بھی حصہ شامل ہے تو کیا اس زبان کا جو دونون قومون کے گذشتہ اتحاد کی حقیقی یادگار، اور آیندہ اتحاد کی قطعی ضامن ہے، یہی حشر ہونا چاہیئے تھا؟ دیکھتے دیکھتے یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ محدود رقبون مین بولی جانے والی بنگالی، ہندی، زبانین اردو سے کہین آگے نکل چکی ہین، اور تامل جسے عام طور پہ مدراس کے ایک گوشہ کی محدود زبان سمجھا جاتا ہے وہ بھی اردو کے لگ بھگ پہنچ چکی ہے، مدعیان حمایت و ترقی اردو کے اطمینان کے لئے شاید یہ کافی ہے کہ ابھی پنجابی، سندھی، برہمی، و آسامی زبانین اردو سے بہت پیچھے ہین، لیکن یاد رہے کہ اطمینان و جمود کا یہ آخری سہارا بھی چند سال سے زاید قائم نہین رہ سکتا۔

مسٹر ایس، اے خان، جنھون نے کچھ ہی عرصہ ہوا آکسفرڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف لیٹرز کی ڈگری حاصل کی ہے جو ایک مسلمان کے لئے غیر معمولی امتیاز ہے، حال مین انھون نے لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے سامنے ایک تاریخی موضوع پر لکچر دیا تھا، ٹائمز کے تعلیمی ضمیمہ سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر موصوف سب سے پہلے ہندوستانی اور سب سے پہلے مسلمان ہین جنھین سوسائٹی مذکور نے اس اعزاز کیلئے منتخب کیا، لکچر کا عنوان یہ تھا کہ "ہندوستان سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے سے انگلستان کے خارجی واندرونی حکمت عملی پر کیا کیا اثرات پڑے" ڈاکٹر موصوف نے ڈی لٹ کی ڈگری کیلئے جو رسالہ تیار کیا تھا اسکی طبع واشاعت کے لئے حکومت ہند نے انھین اٹھارہ سو روپیہ کا عطیہ دیا ہے، کیا یہ باور کرلینا چاہئے کہ مسلمانون کی علمی زندگی مین ابھی کچھ روح باقی ہے؟

سر جے، سی بوس کے سائنٹفک کارنامون نے یہی نہین کہ اس دور تنزل وانحطاط مین اہل ہند کی آبرو رکھ لی، بلکہ انکے کمالات نے یورپ کے اعلی ترین علمی حلقون مین اپنی غیر معمولی عظمت کا سکہ بٹھا دیا ہے، اور سائنس کے علمائے کبار اُسکے خرمن سے خوشہ چینی اور اُسکے فیوض سے استفادہ کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھنے لگے ہین، چنانچہ انگلستان کے ایک نامور وجلیل القدر سائنٹسٹ (حکیم) پروفیسر گیڈیس نے کلکتہ مین اُنکے ہمراہ مدت تک قیام کرنے کے بعد وطن جاکر انکی زندگی اور اُنکے کارنامون پر ایک مبسوط کتاب تیار کی ہے جو عنقریب شائع ہوگی، جو لوگ پروفیسر گیڈس کے مرتبہ شناس ہین، وہ بوس کے اس حیرت انگیز اعزاز پر جسقدر بھی احساس مسرت کرین بجا ہے۔ ہندوستان کی حقیقی عظمت جسقدر بنرجی وتلک کی ذات سے وابستہ اس سے کہین زیادہ بوس وٹیگور کے دم سے قائم ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت نہین مٹا سکتی، دیلم وسلجوق آج کہان ہین؟ غزنوی وغوری کے نام ونشان تک باقی نہین، بغداد کی خلافت

ایک بھولا ہوا خواب ہے، لیکن فارابی و ابن سینا، شیخ الاشراق و ابن رشد، سعدی و حافظ آج بھی زندہ ہین اور کل بھی زندہ رہین گے، وہی اغیار جو ایران کے مٹا دینے کے درپے ہین خیام کے آستانہ پر انکی جبینین جھکی ہوئی نظر آتی ہین،

آج سے ۷۰-۸۰ سال پیشتر ایک نامور انگریز ادیب نے کہا تہا کہ "اگر اہل انگلستان سے سوال کیا جاے کہ تم ملک ہندوستان اور اپنے مشہور ڈراما نویس شکسپیر مین کسکے چھوڑنے کو ترجیح دوگے تو انکے پاس صرف ایک ہی جواب ہوگا یعنی ہندوستان، انگلستان کیلیے ہندوستان جیسی پر منفعت و وسیع مملکت سے دست بردار ہوجانا ہزار درجہ زیادہ قابل قبول ہوگا بمقابلہ اسکے کہ وہ اپنے تئین شکسپیر کی ہمقومی کے فخر سے محروم کرین" قومی زندگی کی اصلی روح یہی چیز ہے، باقی مادی جاہ و اقتدار سے بڑھکر بے ثبات شے اس بے ثبات دنیا مین اور کوئی نہین، گو افسوس ہیکہ خود یورپ بھی اس نکتہ کو روز بروز فراموش کرتا جاتا ہے، اور اسکے جو لازمی نتائج و عواقب ہین وہ ہر شخص پر ظاہر ہو رہے ہین،

امسال ایسٹر کی تعطیل مین ندوۃ العلماء کا جلسہ صوبہ بہار کے مشہور شہر گیا مین ہوگا، اس جلسہ کے ساتھ طلباے قدیم ندوہ کا جلسہ بھی اسی شہر مین منعقد ہوگا، طلباے ندوہ کی ایک کثیر تعداد خود اس صوبہ مین موجود ہے، اسلئے توقع ہے کہ یہ جلسہ غیر معمولی طور پر کامیاب ہوگا، اور طلباء و ندوہ دونون کے متعلق اس جلسہ مین مفید تجاویز پیش ہونگی، یقین ہے کہ ندوہ کے جو قدیم طلباء اس صوبہ سے باہر مقیم ہین وہ بھی شریک ہوکر جلسہ کی عظمت و شان مین اضافہ کرینگے،

احباب کو اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ وفد خلافت کے ساتھ مجھے انگلستان[1] کا سفر درپیش ہے، چند ماہ تک امید ہے کہ وہ میری غیر حاضری معاف فرمائین گے، اس اثنا مین معارف، سیرۃ، اور دار المصنفین کے کام بدستور انجام پاتے رہین گے، سیرۃ کی تحریر سفر مین بھی انشاء اللہ جاری رہیگی، متوقع ہون کہ احباب میرے لئے اور مقصد سفر کے لئے دعا خیر فرمائین گے۔

---

[1] اودھ کی نوابی کے بعد غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ ہندوستان کے طبقۂ علما مین سے مولانا ممدوح انگلستان تشریف لیجا رہے ہین، اسوقت علما سفیر بنا کر وہان بھیجے جاتے تھے، چنانچہ تاریخون مین انکے نام کے ساتھ ندلی کا لفظ خاص طور پر لکھا جاتا ہے،

اسلام کی سیزدہ صد سالہ عظیم الشان تاریخ مین یہ وفد اپنی نوعیت مقاصد و اغراض (مذہبی و غیرہ گی) کے لحاظ سے غالباً اپنی آپ مثال ہے، اس موقع پر یہ خیال کسدرجہ عبرت انگیز ہے کہ اللہ اللہ آج سے کم و بیش سو برس پیشتر جس قوم کی مجلس مین ہم برابر کی حیثیت رکھتے تھے شومی اعمال سے اب اسوقت اسی کے سامنے اسلئے عاجزانہ حاضر ہو رہے ہین کہ اپنے رحم طلب معروضات کو پیش کرین،

یہ انقلاب گردش لیل و نہار ہے

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد　　ان کان فی القلب اسلام و ایمان

یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا

(تائب)

مقالات

مسئلۂ خلافت

قرآن مجید اور احادیث نبوی کی تصریحات

وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات　　اللہ تعالی نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح پر
ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين　　کاربند رہے وعدہ کیا ہے کہ انکو اگلوں کی طرح زمین کی
من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى　　حکومت دیگا اور وہ انکے اس دین کو جسے اس نے پسند
لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا　　کیا ہے قائم و مستحکم کردیگا اور انکے خوف کو امن سے بدل دیگا
يعبدونني لا يشركون بي شيئا ومن كفر بعد　　وہ صرف اسکی عبادت کرینگے اور کسیکو اسکا شریک نہ بنائینگے پھر جنے
ذلك فاولئك هم الفاسقون۔　　اسکے بعد انکار و سرکشی کیا وہ بے شبہہ فاسق ہے۔

ان آیات میں خداوند کریم نے اسلام کے ایک نہایت اہم عقیدہ (خلافت) کی طرف اشارہ کیا ہے ہم انکی مزید تشریح کے سلسلہ میں آگے چلکر ان تمام احادیث نبوی اور اقوال علماء سلف کو بھی بیان کرینگے جن سے اس مسئلہ کی حقیقت و اہمیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ آغاز مضمون سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ آیندہ تفصیل ان آیتوں کی تفسیر ہوگی، اسلیے یہ بتادینا ضروری ہے کہ ہم یہاں ان آیات کی تفسیر و تشریح سے بہت کم اعتنا کرینگے۔ ہاں اصل مسئلہ کے تمام ضروری پہلو انشاء اللہ تعالی تفصیل کے ساتھ پیش کرنیکی کوشش کرینگے۔ باللہ التوفیق وعلیہ التکلان۔ اسالہ تعالی العصمۃ من الخطاء والزلل

سطح ارضی کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ حامل خلافت الٰہی بنکے اپنے آغوش حیات سے انسان
... اللہ ہونیکے علاوہ اس حیثیت سے خلیفۃ اللہ بھی ہے کہ اس ظلمت آباد دہر میں ہدایت و عبودیت کا

شمع اسکے ہاتھوں مین دیگئی تاکہ وہ اس دنیا پر ضلالت وگمراہی کی ہلاکت آفرین تاریکی کو مسلط ہونے دے قرآن مجید کی اس آیت مین اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً اور جب تیرے رب نے فرشتون سے کہا ہم زمین پر ایک خلیفہ بھیجنے والے ہین

(۱) یہ عالم انسانیت کا آغاز تھا اسلیے اس آیت مین خلافت کے متعلق بھی بالکل ایک ابتدائی تعلیم بیان کیا گیا اور وہ یہ کہ انسان اپنی اس حیثیت کو یاد رکھے کہ وہ اس دنیا مین خدا کا خلیفہ ہے لیکن جون جون عالم انسانیت اپنے مدارج تکمیل سے قریب تر ہوتا گیا اسی طرح خلافت کے فرائض اور اسکی ذمہ داریان بھی نمایان ہوتی گئین۔ یہانتک کہ شارع اسلام محمد مصطفے صلعم کا زمانہ آیا جو انسانیت کی تکمیل کا زمانہ تھا۔ انسان کی ہدایت وتعلیم کے لیے ادیان وشرائع کا جو سلسلہ خدا نے قائم کیا تھا اب اسکی بھی تکمیل کا وقت آگیا تھا اور دنیا مین آئندہ کوئی نئی شریعت اور کوئی نیا دین آنے والا نہ تھا اسلیے ضرورت تھی کہ انسان کی تخلیق کے مقصود حقیقی یعنی خلافت فی الارض کی بھی تکمیل کردیجاے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے رسول اللہ صلعم کی ذات سے اس کی بھی تکمیل کردی۔

(۲) آیت مذکورہ کے ابتدائی الفاظ وعد اللہ الذین آمنوا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف فی الارض کا وعدہ صرف ان لوگون کے لیے ہے جو ایمان لائے تمام انسانون کے لیے نہین جیسا کہ بعد کی آیت سے سمجھا جاتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان دونون مین کوئی تضاد نہین نیابت الٰہی کے اجمالی استحقاق مین تمام انسان شریک ہین اور خلافت کا مستحق ہر فرد انسان ہو سکتا ہے لیکن عملا اس منصب کے لیے کچھ ضروری شرطین ہین جنکی بنا پر ایک انسان کو دوسرے انسان پر ترجیح دیجاسکے اور دنیا مین سعادت وشقاوت کے درمیان ایک مابہ الامتیاز قائم ہو۔ غور کرو جیسے جیسے دنیا کی آبادی بڑھتی گئی انسان اپنے خیالات، جذبات، قواے عمل اور دوسرے حالات مین ترقی کرتا گیا، اسی قدر متنوع، گوناگون اور مختلف خیال جماعتین پیدا ہوتی گئین، تاآنکہ اسلام کا زمانہ آیا، دعوت محمدی کا ظہور ہوا اور قرآن مجید نے

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ محمد صلعم تمھارے مردون مین سے کسی ایک کے باپ نہ تھے

وخاتم النبیین۔　　　وہ خدا کے رسول اور نبیون کے خاتم تھے۔

کا اعلان کیا۔ دنیا نے خدا کے اس فیصلہ کو سُنا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت　آج کے دن ہم نے تمھارا دین مکمل کر دیا اپنی نعمت تم پر پوری

لکم الاسلام دینا۔　　　کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

لیکن باوجود ان تمام تصریحات وتنبیہات کے بہت تھوڑے تھے جنھون نے اسکو قبول کیا اور اکثرون نے انکار کر دیا اور اسطرح اسلام سے، رسول سے اور قرآن مجید سے نہین بلکہ انھون نے اپنے خدا سے منھ موڑا پھر کیا ایسی حالت مین "منهم شقی وسعید" کا فیصلہ بیجا ہے؟ اور کیا دونون خدا کی ہر نعمت مین برابر کے شریک وسہیم ہوسکتے ہین؟

(۳) آگے چلکر خداوند کریم نے ان آیات مین مستحقین خلافت کے عمل واعتقاد کو بھی صاف طور پر بتادیا ہے جس کو ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ تمام انسانون مین سے مستحق خلافت گروہ کے لیے ایک نشانی ہے وہ یہ کہ

یعبدوننی لایشرکون بی شیا۔　　　وہ صرف میری عبادت کرینگے اور کسیکو میرا شریک نہ بنائینگے۔

گویا اس تصریح سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ "خلافت فی الارض" صرف مومنون اور مسلمون ہی کا حصہ ہے۔

نبوت وخلافت

فطرۃً انسان مین جسقدر ہدایت کو قبول کرنیکا مادہ ہے اسی قدر گمراہی مین پڑجانیکا بھی ہے ابتداے آفرینش سے زمانہ محمد رسول اللہ صلعم تک انبیا ورسل کا جو وسیع سلسلہ نظر آتا ہے وہ اسی ضرورت کی بناپر تھا کہ انسان جب کبھی اپنے مقصد حیات کو فراموش کرے یا حقیقی شاہراہ سے دور ہٹ جاے تو

ٹھیک وقت پر اسکو صحیح راہ بتائی جائے لیکن ابتدا کی کوئی نہ کوئی انتہا ہوتی ہے اس سلسلہ شرائع کی آخری کڑی شریعت محمدی تھی رسول اللہ صلعم نے دنیا کے سامنے ایسا مکمل مذہب پیش کر دیا جسکے بعد اب کسی دوسرے مذہب کی ضرورت نہ رہی۔ اس بنا پر نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو گیا۔ لیکن صرف اتنی ضرورت باقی رکھی تھی کہ ان اصول و قوانین پر جو آپ نے امت کو سکھائے اور دنیا کے آگے پیش کیے ہین امت کو عمل پیرا ہونے کے لیے ہر وقت آمادہ کیا جاسکے اور غیر امتیون کے آگے پیش کرنے کا سلسلہ برابر قائم رہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے ایک حدیث مین ارشاد فرمایا۔

عن ابی حازم عن ابی ھریرۃ عن النبی صلعم قال ابوحازم حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہین کہ فرمایا نبی صلعم کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نے بنی اسرائیل کے سردار انبیا ہوتے تھے جب کوئی نبی مر جاتا نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی و ستکون خلفاء الخ تو دوسرا نبی اسکا قائم مقام ہوتا لیکن میرے بعد کوئی نبی

(مسلم شریف) نہوگا۔ خلفا ہونگے۔

اب یہان پر اس خاص امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلعم کے ہاتھ مین امت کی کن کن چیزونکی باگ تھی جس سے یہ معلوم ہو کہ خلافت کے دائرۂ اقتدار مین کون کون سی چیزین آتی ہین۔ جو لوگ اسلام سے واقف ہین وہ جانتے ہین کہ قومیت مسلم کی تخمیر کسی نسلی و ملکی اصول سے نہین بلکہ اسلام کے پیش کردہ اصول سے ہے ایک مسلمان کی زندگی کا کوئی شعبہ مذہب کے حلقۂ اثر سے باہر نہین، تمدن، تہذیب، اخلاق، معاشرت ہر چیز اسکی مذہبی روح کے تابع ہے۔ پیغمبر اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) ایک طرف مسلمانونکو مبدا و معاد، عبادات الٰہی اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے تھے تو دوسری طرف انکے باہمی حقوق و معاملات پر بھی اپنی نگرانی رکھتے تھے انکے اختلافات کو رفع کرتے تھے اس بنا پر رسول کا خلیفہ بھی انہی چیزونکا ذمہ دار ہوگا جو رسول کی ذات سے متعلق تھین، اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد آپ کے جانشینون نے ہمیشہ بڑی مستعدی و سرگرمی سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ خلافت راشدہ کے زمانہ سے لیکر آج تک یہ منصب برابر قائم رہا اور

حتی الامکان تمام خلفاء اسلام نے اپنے اپنے متعلقہ فرائض کے انجام دینے مین پوری کوشش کی۔ یلکہ بات ہم شخصی طور پرکسی خلیفہ کے ذاتی حالات اس کے منصب کے لحاظ سے ناموزون تھے اور اس بنا پر مختلف اسلامی فرقون مین اسکے متعلق اختلافات رہے ہون لیکن بحیثیت اصول وعقیدہ مذہبی تمام اسلامی دنیا اسپر سختی سے قائم رہی اور آج تک قائم ہے۔

خلافت کی اہمیت وضرورت کے متعلق ان جزئیات کے معلوم کرلینے کے بعد اس بارہ مین قرآن مجید احادیث نبوی اور علماء سلف کے اقوال کو بھی معلوم کرنا چاہیے تاکہ اس عقیدہ کی اصلی حیثیت واضح ہو عنوان مین جو آیات قرآنی نقل کی گئی ہین وہ اور انکے علاوہ یہ آیت

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول	اے مسلمانو خداکی، رسول کی اور اپنے ارباب امارت کی
واولی الامر منکم	اطاعت کرو۔

اس مذہبی عقیدہ کی اصل ہے۔ امام بخاری نے کتاب الاحکام جسمین احکام امارۃ وقضا کی حدیثین درج ہین اسکے آغاز مین بھی وجوب امامت پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

احادیث نبوی اس بارہ مین بکثرت مروی ہین اور انمین اس مسئلہ کے بعض جزئیات کی بھی تشریح و توضیح کی گئی ہے ہم موقع موقع سے آگے چلکر انکو نقل کرینگے۔ یہان پہلے وہ حدیثین لکھی جاتی ہین جن مین نصب خلافت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

عن نافع قال جاء عبداللہ بن عمر الی عبداللہ	نافع سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر ایکبرتبہ عبداللہ بن
بن مطیع حین کان من امر الحرۃ ما کان زمن	مطیع کے ہان آئے اور کہا مین اسوقت صرف ایک حدیث
یزید بن معاویہ فقال اطرحوا لابی عبدالرحمن	سنانے کے لیے آیا ہون جسکو مین نے رسول اللہ صلعم
وسادۃ فقال انی لم آتک لاجلس، اتیتک لا	فرماتے سنا ہے، آپ نے فرمایا جو امام کی اطاعت
حدثک حدیثا سمعت رسول اللہ صلعم یقولہ	دستکش ہوگیا وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت مین ملیگا
سمعت رسول اللہ صلعم یقول من خلع یدًا من	کہ اسکے پاس کوئی حجت نہوگی۔ اور جو شخص اس حالت

طاعة لقی الله یوم القیامة لا حجة له ومن مات	مرا کہ اسکی گردن مین کسیکی بیعت کا طوق نہین تو وہ
ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة (مسلم)	جاہلیت کی موت مرا۔
عن ابن عباس عن رسول الله صلعم قال من	ابن عباس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے
کرہ من امیرہ شیئا فلیصبر علیه فانه لیس	جو شخص اپنے امیر کی کسی بات کو ناپسند کرے وہ صبر
احد یخرج من السلطان شبرا فمات الا مات	وضبط سے کام لے (یعنی اسی بنا پر اسکی اطاعت سے باہر نہو)
میتة جاهلیة (مسلم)	اسلیے کہ کوئی شخص ایسا نہین جو اطاعت سے ایک بالشت
	بھی الگ ہوا اور مرگیا مگر یہ کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔
عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلعم من	ابوہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے جس شخص نے
خرج من الطاعة وفارق الجماعة ثم مات	اطاعت کو چھوڑا، جماعت سے الگ ہوا اور اسی حالت مین موت
مات میتة جاهلیة (مسلم)	پائی۔ اسکی موت جاہلیت کی موت ہے
عن ابی رجاء عن ابن عباس یرویه قال قال	ابورجاء ابن عباس سے روایت کرتے ہین فرمایا رسول
النبی صلعم من رای من امیرہ شیئا فکرهه	خدا صلعم نے جس نے اپنے امیر کے کسی فعل کو ناپسند کیا چاہیے
فلیصبر فانه لیس احد یفارق الجماعة	کہ ضبط کرے، کیونکہ ایسا کوئی نہین جو جماعت سے ایک
شبرا فیموت الا مات میتة جاهلیة	بالشت بھی الگ ہوا اور مرا مگر یہ کہ اسکی موت جاہلیت
صحیح بخاری	کی موت ہے

ان احادیث کی بنا پر علماے اسلام سب کے سب وجوب نصب امام کے قائل ہین علامہ ابن حزم ملل ونحل مین لکھتے ہین۔

فقد ورد بایجاب الامام من ذلک قول الله	نصب امام کا وجوب اللہ تعالی کے اس قول سے ہے
تعالی: اطیعوا الله واطیعوا الرسول	اطیعوا الله واطیعوا الرسول نیز بکثرت احادیث

واولی الامر منکم" مع احادیث کثیرۃ صحاح فی طاعۃ الائمۃ وایجاب الامامۃ -	صحیحہ بھی طاعت ائمہ و وجوب امامت مین مروی ہین۔
اتفق جمیع اھل السنۃ المرجئۃ وجمیع الشیعۃ وجمیع الخوارج علی وجوب الامامۃ وان الامۃ واجب علیھا الانقیاد لامام عادل الخ	تمام اہل السنۃ، مرجئیہ، شیعہ اور خوارج وجوب امامت پر متفق ہین اور اسپر بھی کہ امت کے لیے امام عادل کا مطیع و فرمانبردار رہنا واجب ہے

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے آغاز باب سیاستہ المدن مین لکھتے ہین

واعلم انہ یجب ان یکون فی جماعۃ المسلمین خلیفۃ لمصالح لا تتم الا بوجودہ وھی کثیرۃ جدا	یہ واجبات مین سے ہے کہ اہل اسلام کا ایک خلیفہ ہو اسلیے کہ بہت سے مصالح قومی ولی اسکے وجود سے وابستہ ہین اور اسکے بغیر اتمام کو نہین پہونچ سکتین۔ اور یہ مصلحتین یقیناً بہت زیادہ ہین

کتب احادیث کا مزید مطالعہ خلافت کی ضرورت اور اسکی اہمیت کو اور زیادہ کردیتا ہے۔ جب ہم انہین یہ دیکھتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے اسکے مختلف پہلوؤنکو نہایت تشریح سے بیان فرما دیا ہے مثلاً اسکا ایک پہلو یہ ہے کہ شرائع و احکام کے نفاذ و اجرا کیلیے ہمیشہ قوت کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ قوت اخلاق کی ہو یا تلوار کی۔ انبیاء کرام کی قوت کا مدار زیادہ تر پہلی صورت پر ہوتا ہے یعنی وہ اپنے احکام و اوامر کے تسلیم کرانے مین جس قوت سے کام لیتے ہین وہ خود انکے وجود سے باہر نہین ہوتی۔ یہ الگ بات ہے کہ انھون نے کبھی کبھی اپنے ہاتھون مین تلوارین بھی لی ہین مگر یہ مسلم ہے کہ انکی کامیابی کا راز صرف انکی اخلاقی طاقت مین مخفی ہوتا ہے۔ خلفاء کے لیے ممکن ہے کہ تلوار کی طاقت وہ رسول سے زیادہ پیدا کرلین، لیکن اخلاقی طاقت مین وہ رسول کے برابر نہین ہوسکتے۔ حالانکہ معاملات دنیا مین بہت سے مواقع ایسے پیش آتے ہین جہان صرف اخلاق کی طاقت کارگر ہوسکتی ہے تلوار کی نہین اور اگر وہ کامیاب ہو بھی سکتی ہے تو ایک بڑی سفاکی و خونریزی کے بعد جسکا دفع و انسداد مقصد خلافت مین داخل ہے کہا

بناپر رسول اللہ صلعم نے خلیفہ کے اس ضعیف پہلو کو پیش نظر رکھ کر امت کو اطاعت امام کا حکم دیا۔ اس باب مین بکثرت حدیثین مروی ہین جن کے نقل کی یہان گنجایش نہین مثالاً دو چار پیش کیجاتی ہین خلافت و اطاعت خلافت کا جو عقیدہ اسلام نے پیش کیا ہے اسکی شدت لزوم و وجوب کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

عن ابی هريرة عن النبي صلعم قال من اطاعني فقد اطاع الله ومن يعصني فقد عصى الله ومن يطع الامير فقد اطاعني ومن يعص الامير فقد عصاني (مسلم)

ابوہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول خدا صلعم نے میرا فرمانبردار خدا کا فرمانبردار اور میرا نافرمانبردار خدا کا نافرمانبردار ہے جس شخص نے امیر کی اطاعت کی میری اطاعت کی اور جسنے امیر کی نافرمانبرداری کی میری نافرمانبرداری کی۔

عن ابی ذر قال ان خليلي اوصاني ان اسمع واطيع وان كان عبدا مجدع الاطراف (وفي بعض الاسناد عبدا حبشيا مجدع الاطراف) (مسلم)

حضرت ابوذر نے کہا مجھے میرے دوست نے وصیت کی ہے کہ امیر کی اطاعت کرون اگرچہ وہ مقطوع الاطراف (جسکے ہاتھ پانون ناک کان کٹے ہون) غلام ہو۔ بعض روایتون مین غلام حبشی کا لفظ زاید ہے۔

عن يحيى بن حصين عن جدته (ام الحصين) قال سمعتها تقول حججت مع رسول الله صلعم حجة الوداع قالت فقال رسول الله صلعم قولا كثيرا ثم سمعته يقول ان امر عليكم عبد مجدع حسبتها قالت اسود يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له واطيعوا۔

یحیی بن حصین اپنی دادی سے روایت کرتے ہین کہ انھون نے کہا مین حجۃ الوداع مین رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھی آپنے بہت سی باتین فرمائین پھر مین نے یہ کہتے سنا کہ اگر تم پر ایک معیوب غلام (یحیی کو شک ہے کہ شاید انکی دادی نے اسود سیاہ کا لفظ بھی کہا) امیر کر دیا جائے اور وہ قرآن مجید کے مطابق تم پر حکومت کرے تو تم اسکی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلعم

ابوہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے

عليك السمع والطاعة في عسرك ويسرك ومنشطك ومكرهك واثرة عليك

تم پر اطاعت لازم ہے خواہ آرام مین ہو یا تکلیف مین خوشی کی حالت مین ہو یا غم کی

یہ تو ظاہر ہے کہ کسی قوم کی حالت ہمیشہ یکسان نہین رہ سکتی۔ اسلیے رسول خدا صلعم کو یہ صاف نظر آتا تھا کہ آپکے بعد وہ زمانہ بھی آئیگا جسمین فتنے اٹھینگے، لوگ مصیبتون مین مبتلا ہونگے اور انسان کا آئینۂ اخلاق برائیون اور بداعمالیون کی گرد و غبار سے آلودہ ہوجائیگا۔ امت تو امت خود خلفا کا دامن بھی اس غبار فتن سے محفوظ نہ رہ سکیگا۔ مگر اسوقت بھی خلفا اور امت کے تعلقات کس قسم کے ہونے چاہئین اسکے متعلق ارشاد نبوی ہے۔

عن ام سلمة ان رسول الله صلعم قال ستكون امراء فتعرفون وتنكرون فمن عرف برئ ومن انكر سلم ولكن من رضي وتابع قالوا افلا نقاتلهم قال لا ما صلوا

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے عنقریب تم مین ایسے خلفا ہونگے جنکو تم اچھا سمجھوگے اور برا سمجھوگے تو جسنے اچھا سمجھا وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہوا اور جسنے برا سمجھا وہ محفوظ رہا بجز اسکے جو خوش ہوا اور اسنے انکے افعال و اعمال کی پیروی کی لوگون نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم انسے نہ لڑین فرمایا نہین جبتک وہ تم مین نماز قائم کرین

عن عوف بن مالك عن رسول الله صلعم قال خيار ائمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم ويصلون عليكم وتصلون عليهم وشرار ائمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم قيل يا رسول الله افلا ننابذهم بالسيف فقال لا ما اقاموا فيكم الصلوة واذا رأيتم من ولاتكم شيئا تكرهونه فاكرهوا عمله ولا تنزعوا من طاعته

عوف سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلعم نے بہترین امام تمھارے وہ ہین جنکو تم دوست رکھو اور وہ تم کو، وہ تمھارے لیے دعاء خیر کرین اور تم انکے لیے۔ اور بدترین امام وہ ہین جنسے تم بغض رکھو اور وہ تم سے تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر، کہا گیا یا رسول اللہ کیا ان کیلیے تلوار سے کام نہ لین آپنے فرمایا نہین جب تک وہ تم مین نماز قائم کرین اور جب تم اپنے والیون کی کسی امر کو ناپسند کرو تو انکے عمل کو برا سمجھو محض اسوجہ سے انکی اطاعت نہ چھوڑ دو۔

عن جنادة بن ابی امیة قال دخلنا علی عبادة بن الصامت وهو مریض فقلنا حدثنا اصلحك الله بحدیث ینفع الله به سمعته من رسول الله فقال دعانا رسول الله صلعم فبایعناه فکان فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا واثرة علینا وان لا ننازع الامر اهله قال الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من الله فیه برهان۔

جنادہ کہتے ہیں ہم حضرت عبادہ سے ملنے گئے وہ بیمار تھے۔ کہا اللہ آپکو صحت دے کوئی حدیث جسکو آپ نے رسول اللہ سے سنا ہو فرمائے کہ اللہ تعالی ہمیں اُس سے فائدہ پہونچائے حضرت عبادہ نے فرمایا رسول اللہ صلعم نے ہمکو دعوت دی ہم نے قبول کیا منجملہ اور عہدوں کے رسول اللہ صلعم نے ہم سے اطاعت کا بھی عہد لیا خواہ ہم خوشی میں ہوں یا غم میں آرام کی حالت میں ہوں یا تکلیف کی۔ اور یہ کہ ہم خلافت کیلیے خلیفہ سے نزاع نہ کریں مگر ہاں اسوقت جب کہ اس سے کھلم کھلا کفر صادر ہوتے دیکھیں جسمیں ہمارے لیے خدا کے نزدیک برہان ہو۔

مسئلہ خلافت کا ایک اہم پہلو یہ بھی کہ اس سے دفعۃً خلیفہ کی شخصیت بہت بلند ہو جاتی ہے کیونکہ اسکے ہاتھوں میں پوری قوم کی باگ آجاتی ہے اور وہ سیاسی حیثیت سے حکومت، اقتدار اور سطوت وجبروت کا مالک ہوتا ہے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ مذہبی حیثیت سے اسکے احکام واجب العمل ہو جاتے ہیں اور یہ حالات یقیناً ایسے ہوتے ہیں جنکی بنا پر اس منصب کے حصول کا جذبہ ہر شخص میں پیدا ہونا چاہیے۔ اسلیے بہت ممکن ہے کہ ایک وقت میں دو دو خلیفہ منتخب ہوں کچھ لوگ ایک کا ساتھ دیں اور کچھ لوگ دوسرے کا۔ اسی حالت کیلیے رسول اللہ صلعم نے فرمایا

عن ابی سعید قال قال رسول الله صلعم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منهما۔

ابو سعید سے مروی ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلعم نے جب دو خلیفوں کی بیعت کیجائے تو دوسرے (یعنی بعد والے) کو قتل کر ڈالو۔

کیونکہ یہ اختلاف وانشقاق کی صورت ہے حالانکہ "خلافت" کا اصلی مقصد جمع کلمۂ اسلام ہے،

شرائط خلافت

مذکورہ بالا مطالب کے سمجھ چکنے کے بعد یہ معلوم کرنا چاہیے کہ خلافت کے لیے کیا کیا شرطیں ہیں

شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ مین جو فن اسرار شریعت پر ایک بے نظیر کتاب ہے تحریر فرماتے ہین

واعلم انہ یشترط فی الخلیفۃ ان یکون عاقلا	خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ مرد عاقل، بالغ، آزاد شجاع
بالغا حرا ذکرا شجاعا ذا رای و سمع و بصر	صاحب عقل و ہوش طاقتور اور ان ذرائع سے ہو
و نطق و ممن سلم الناس شرفہ و شرف	جنکی شرافت و عزت مسلم ہو اور جسکی قوم کا شرف و اعزاز
قومہ ولا یستنکفون من طاعتہ	اقتدار و اثر عام ہو۔

یہ شرائط تو متفق علیہ ہین انین کسیکو اختلاف نہین۔ اسلیے ہم ان پر کچھ زیادہ گفتگو کرنا نہین چاہتے البتہ بعض جماعتون کے نزدیک ایک اور شرط ہے جسکے متعلق بہت کچھ اختلافات ہین ہم چاہتے ہین کہ حتی الامکان اس مسئلہ کو صاف کردین وہ یہ کہ۔

کیا خلافت کیلیے قرشیت لازم ہے؟

بات یہ ہے کہ بعض کتب احادیث مین ایسی حدیثین مروی ہین جن سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلافت کے لیے قریشی ہونا ایک ضروری شرط ہے مثلاً

الائمۃ من قریش، الملک فی قریش وغیر ذلک	(۱) امام قریش مین سے (۲) حکومت قریش کیلیے

لیکن اس بارہ مین تمام احادیث کے جمع و استقصا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہین ہے قریش کے فضائل و مناقب سے انکار نہین، وہ رسول خدا صلعم کے ہم نسب ہین، انکی زبان مین قرآن مجید نازل ہوا انکے گھر وہین وحی آئی۔ لیکن ان فضائل کا یہ منشا نہین کہ وہ اسلامی حقوق عامہ مین سے کسی حق کے تنہا مستحق ہین۔ اب رگئین وہ حدیثین جو اس استحقاق کے لیے منصوص سمجھی جاتی ہین انکی یہ حقیقت ہے کہ وہ محض بیان واقعہ کی حیثیت رکھتی ہین نہ کہ امر و حکم کی یعنی رسول اللہ صلعم نے ان حدیثون مین اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے محض صورت حال کو بیان فرمایا ہے۔

غور کرو سیکڑون برس سے عرب مین قریش کی شرافت مسلم تھی۔ وہ تمام عرب کے سب بڑے

مسجد (کعبہ) کے متولی تھے، سارے عرب مین انکی شرافت و ریاست کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکے بعد اسلام آیا تو اسکا رسول بھی انہی مین سے اٹھا۔ اور رفتہ رفتہ تمام عرب نے اسکے آگے معتقدانہ گردن جھکا دی۔ یقین واقعہ یہ ہے کہ اسلام اسوقت تک پوری طرح عرب مین نہ پھیل سکا جب تک قریش کے مردوں اسکو قبول نہ کر چکے۔ تاریخ اسلام سے واقف اصحاب جانتے ہین کہ بہت سے قبائل اور اشخاص ایسے تھے جو دل سے اسلام کو پسند کرتے تھے لیکن علانیہ اسکے اظہار کے لیے قریش کے قبول اسلام کے منتظر تھے۔ صحیح بخاری باب فتح مکہ مین ہے

وکانت العرب تلوم باسلامهم الفتح	عرب کو قریش کے قبول اسلام کا انتظار تھا وہ کہتے تھے
فیقولون اترکوه وقومه فانه ان ظهر	محمد (صلعم) اور انکی قوم کو چھوڑ دو۔ اگر وہ (محمد صلعم)
علیهم فهو نبی صادق فلما کانت وقعة	غالب آئے تو بے شبہ سچے نبی ہین۔ پس جب کہ فتح ہوئی
اهل الفتح بادر کل قوم باسلامهم	تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیشدستی کی

اسی واقعہ کو ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ ذکر واقعات سنہ ۹ھ مین زیادہ تصریح سے لکھا ہے

انما کانت العرب تربص بالاسلام امر	اور عرب اسلام کے بارہ مین صرف قریش کا انتظار
هذا الحی من قریش وامر رسول الله صلعم	کر رہے تھے۔ کیونکہ قریش تمام ملک کے سردار و پیشوا
وذلک ان قریشا کانوا امام الناس وهادیهم	کعبہ و حرم کے متولی، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل
واهل البیت والحرم وصریح ولد اسمٰعیل	اولاد اور تمام عرب کے قائد تھے۔ پس جب
بن ابراهیم علیهما السلام وقادة العرب	قریش نے رسول اللہ صلعم کی اطاعت کر لی ... تو
فلما دانت له قریش ... فدخلوا فی	سارا عرب دفعۃً مسلمان ہو گیا۔

دین الله کما قال الله عز وجل

پھر اسوقت کے ان حالات کو دیکھکر کون ہے جو الائمۃ من قریش کی حقیقت کو تسلیم نہ کریگا۔ اسی

باب کی دو دوسری حدیثین بھی اس مفہوم کو زیادہ واضح کرتی ہین

عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله صلعم فذكر احاديث منها وقال رسول الله صلعم الناس تبع لقريش في هذا الشان مسلمهم لمسلمهم وكافرهم تبع لكافرهم (مسلم)	ہمام بن منبہ نے یہ کہکر کہ یہ وہ حدیثین ہین جنکو ابوہریرہ نے رسول اللہ صلعم سے روایت کیا ہے بیان کیا، فرمایا رسول اللہ صلعم نے لوگ قریش کے تابع ہین، مسلم مسلم کے تابع ہین اور کافر کافر کے
جابر بن عبد الله يقول قال النبي صلعم الناس تبع لقريش في الخير والشر (مسلم)	جابر بن عبد اللہ نے کہا فرمایا نبی صلعم نے لوگ بھلائی اور برائی مین قریش کے تابع ہین

رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب خلافت کا سوال پیدا ہوا، اور سقیفہ بنی ساعدہ مین انصار کو مہاجرین کے اختلافات پیش آئے انصار سعد بن عبادہ کی خلافت چاہتے تھے۔ اور مہاجرین حضرت ابوبکر کی۔ اس واقعہ کے متعلق جتنی روایتین موجود ہین۔ انمین صحیح ترین وہ روایت ہے جسکو امام بخاری نے صحیح ج دوم باب رجم الحبلی من الزنا مین نقل کیا ہے۔ اور صاحب طبری وغیرہ ارباب تاریخ کے یہان بھی یہی مستند روایت ہے۔ اس تمام روایت مین حضرۃ ابوبکر کی اہم تقریر کا وہ حصہ قابل ذکر ہے۔ جسمین آپ نے قریش کی فضیلت کو بیان کرتے ہوے یہ الفاظ فرمائے۔

ولن يعرف هذا الامر (اى الامارة) الا لهذا الحي من قريش هم اوسط العرب نسبا ودارا	امارت صرف اس قبیلہ (قریش) کا حق سمجھی جاتی ہے کیونکہ وہ تمام عرب مین از روے نسب خاندان شریف ترین قبیلہ ہے۔

یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ یہان حضرت ابوبکر نے "الائمۃ من قریش" سے استدلال نہین کیا بلکہ قریش کی قدیم شرافت وریاست اور سطوت وعزت کو پیش کیا اور یہ بالکل صحیح ہے کہ اسوقت جب قریش مین حضرۃ ابوبکر صدیق، حضرۃ عمر بن الخطاب اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح جیسی مقدس باا‌ثر

اور ماہر سیاست و حکومت ہستیان موجود تھین تو انکے سوا خلافت کا مستحق اور کون ہوسکتا تھا۔

ان کے علاوہ امامت قریش کے متعلق اور روایتین بھی ہین جن مین رسول اللہ صلعم نے آئندہ خلافت قریش کی پیشینگوئی کی ہے مثلاً

عن ابی برزة ان النبی صلعم قال الائمة من قریش ما حکموا فعدلوا ووعدوا فوفوا واسترحموا فرحموا (اخرجه الامام احمد وابو یعلی فی مسندیهما والطبرانی)

ابو برزہ سے روایت ہے فرمایا نبی صلعم نے امارۃ قریش مین ہوگی جب تک وہ فیصلہ مین انصاف کرین عہد کو پورا کرین اور طالب رحم کے ساتھ رحم سے پیش آئین۔

قال رسول اللہ صلعم ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیهم احد الا کبه اللہ علی وجهه ما اقاموا الدین - بخاری

رسول اللہ صلعم نے فرمایا امارۃ قریش مین ہوگی اور جو کوئی اسکے لیے ان سے جھگڑے اللہ تعالی اسکو ذلیل کریگا جب تک وہ دین کو قائم رکھین۔

یا مثلاً اسی سلسلہ مین یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

عن جابر بن سمرة قال انطلقت الی رسول اللہ صلعم ومعی ابی فسمعته یقول لا یزال ھذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفة فقال کلمة صمنیها الناس فقلت لابی ما قال قال کلهم من قریش

جابر کہتے ہین مین ایک مرتبہ رسول اللہ کی خدمت مین حاضر ہوا میرے ساتھ میرے والد بھی تھے مین نے آپکو فرماتے ہوے سنا کہ یہ دین (اسلام) برابر غالب و موقر رہیگا بارہ خلیفون تک اسکے بعد کچھ اور فرمایا جسکو مین سن نہ سکا آخر اپنے والد کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپنے فرمایا وہ سب قریشی ہونگے۔

لیکن ان حدیثون مین اسکا کوئی اشارہ نہین کہ قریش کے سوا کوئی دوسرا خلافت کا مستحق نہین ہوسکتا۔ بعض حدیثون مین آپ نے قریش کی سطوت و شان اور اہل عرب کے اتباع قریش کو بیان فرمایا ہے،

[1] تاریخ الخلفاء السیوطی۔

بعض حدیثوں میں قریش کی خلافت اور انکے عہد میں اسلام کی ترقی وشوکت ووقار کی پیشینگوئی فرمائی ہے اور بعض حدیثوں میں اسکا ذکر ہے کہ قریش میں خلافت اسوقت تک باقی رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھینگے، انہیں خلافت کی اہلیت وصلاحیت باقی رہے گی۔ ان سب میں وہ کون سی حدیث ہے؟ جو قریش کے دوام واستمرار خلافت کی دلیل میں پیش کیجا سکتی ہے۔ یا اسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریش کے سوا خلافت اسلامیہ کا کوئی مستحق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں جتنی حدیثیں بھی مروی ہیں۔ وہ سب اس زمانہ کے حالات اور قریش کی اہلیت خلافت کے لحاظ سے ہیں۔ یہ ہرگز مقصود نہیں کہ حق خلافت کبھی قریش کے سوا کسی اور کو نہیں پہونچ سکتا۔ ورنہ اس قسم کی روایتوں کی بناپر اگر خلافت کو قریش کا مخصوص حق قرار دیا جاے تو کیوں قضا انصار کے لیے اور اذان اہل حبش کے لیے مخصوص نہو۔ کیونکہ ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں مثلاً

عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلعم الملک فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشہ (ترمذی)	حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا حکومت قریش میں، قضا انصار میں اور اذان حبشیوں میں۔
عن عتبہ بن عبدان ان النبی صلعم قال الخلافۃ فی قریش والحکم فی الانصار والدعوۃ فی الحبشہ (مسند احمد بن حنبل)	عتبہ بن عبدان سے مروی ہے نبی صلعم نے فرمایا خلافت قریش میں، فیصلہ انصار میں اور دعوت اہل حبش میں

کیا یہ حدیثیں الائمۃ من قریش، سے کسی طرح بھی کم رتبہ ہیں؟

اگرچہ علما کی جماعت کثیر کا یہی خیال ہے کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے اور اسکو اجماع تک کی حیثیت دیجاتی ہے۔ لیکن ہمیں اس واقعہ سے بہت تسکین وتسلی ہو جاتی ہے۔ جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ اجماع حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب کے مبارک ومقدس عہد کے بعد کا واقعہ ہے۔

وقت تک اس قسم کا کوئی تخیل موجود نہ تھا۔ عہد نبوی سے قریب تر زمانہ کا تخیل و طرز عمل یقیناً اس
ین و طرز عمل سے زیادہ اقرب الی الصواب ہے جو اس سے بہت بعد کے زمانہ مین پیدا ہوا ہو۔

صاحب فتح الباری باب الامراء من قریش کی ایک حدیث کی شرح مین قاضی عیاض کا یہ قول

قال عیاض اشتراط کون الامام قرشیا مذهب العلماء کافة وقد عدوها فی مسائل الاجماع

قاضی عیاض نے کہا امامت کے لیے قریشی ہونا تمام علماء کا مسلک ہے اور وہ اسکو اجماع کے مسائل مین سے شمار کرتے ہین۔

نقل کرنے کے بعد لکھتے ہین۔

قلت، ویحتاج من نقل الاجماع الی تاویل ما جاء عن عمر من ذلک فقد اخرج احمد عن عمر بسند رجاله ثقات وقال ان ادرکنی اجلی وابو عبیدة حی استخلفته، فذکر الحدیث وفیه فان ادرکنی اجلی وقد مات ابو عبیدة استخلفت معاذ بن جبل الخ ومعاذ بن جبل انصاری لا نسب له فی قریش۔

یہ اجماع تاویل کا محتاج ہے کیونکہ حضرت عمر سے روایت ہے جسکو احمد نے لیا ہے اور اسکی سند کے تمام اشخاص ثقہ ہین فرمایا حضرت عمر نے اگر مجھے موت آئی اور ابو عبیدہ زندہ رہے تو مین انہین خلیفہ بناؤنگا اور اسی روایت مین ہے کہ اگر مین مرگیا اور ابو عبیدہ بھی زندہ نہ رہے تو معاذ بن جبل کو خلیفہ بناؤنگا۔ معاذ بن جبل انصاری ہین انکا قریش سے کوئی لگاؤ نہین۔

ظاہر ہے کہ اگر اس زمانہ مین بھی امامت قریش کے سوا کسی اور کا حق نہین سمجھی جاتی تو حضرت عمر بن خطاب حضرت معاذ بن جبل کا نام خلافت کے لیے ہرگز نہ لیتے۔ اس سے بھی بڑھکر ایک اور روایت ہے جسمین بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر سے انکی وفات کے وقت آیندہ خلافت کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مین اپنے زمانہ کے لوگونمین بری حرص پاتا ہون۔ اگر مین اسوقت سالم مولی (غلام) ابی حذیفہ یا ابو عبیدہ بن الجراح کو پاتا تو یہ خلافت ان دونون سے کسی ایک کے سپرد کردیتا۔

ہم اس سے بے خبر نہین کہ ارباب فقہ کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ "مولی القوم منہم" قوم کے غلام اسی مین داخل ہین لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حسن علما کا اجماع اس بات پر ہے کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے انہین کا اجماع مسئلہ خلافت مین "مولی القوم منہم" کے خلاف بھی ہے۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہین۔

فان قال قائل ان قول رسول الله صلعم الائمة من قریش یدخل فی ذلک الحلیف والمولی وابن الاخت لقول رسول الله صلعم "مولی القوم منهم" ومن انفسهم وابن الاخت منهم، فالجواب وبالله التوفیق ان الاجماع قد تیقن وصح علی ان الحلیف والمولی وابن الاخت کحکم من لیس له حلیف ولا مولی ولا ابن اخت فمن اجاز الامامة فی غیر هولاء جوزها فی هولاء ومن منعها من غیر قریش منعها من الحلیف والمولی وابن الاخت۔

اگر کوئی یہ کہے کہ الائمۃ من قریش مین رسول اللہ صلعم کے قول مولی القوم منہم کے رو سے مولی، حلیف اور ابن اخت بھی داخل ہین تو یہ جواب ہے کہ اجماع سے یہ بات متیقن ثابت ہو چکی ہے کہ قریش کے مولی وغیرہ کا حکم مثل اس شخص کے ہے جس کا حلیف یا مولی نہین ہے، پس جن لوگون نے امامت کو مولی وغیرہ کے علاوہ عام لوگون مین جائز رکھا ہے وہ ان لوگون مین بھی جائز رکھتے ہین اور جو لوگ سرے سے غیر قریش مین اسکو جائز نہین رکھتے۔ وہ مولی، حلیف وغیرہ مین بھی جائز نہین رکھتے۔

اگرچہ یہ موقع تھا کہ تفصیل سے ہم انہی احادیث پر از روے روایت و درایت بحث کرتے لیکن افسوس یہ ہے کہ یہان اسکی گنجائش نہین۔ نیز دوسری روایات کی مدد سے جب یہ مستند احادیث کے صحیح مفہوم پر روشنی پڑ چکی تو پھر اس بحث کو بہت زیادہ پھیلانا بھی مناسب نہین تاہم چند سرسری باتین قابل لحاظ ہین۔

(۱) امامت و قرشیت کی احادیث کے راوی بکثرت قریشی ہین، ابتدا مین وضع و خلط احادیث کا جو فتنہ اٹھا اور سیکڑون

حدیثین بنوامیہ و بنوعباسیہ کے فضائل و مناقب مین گھڑ کر روایت کردی گئین، انکو دیکھتے ہوے کتنا ہی محتاط شخص ہو لیکن کسیقدر اثر ان سے نہین بچ سکتا خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ بعض رواۃ کی ثقاہت و صحت کے خلاف شہادتین بھی ملجائین صحیح مسلم کی قریب قریب اکثر روایتونکا یہ حال ہے کہ اس مین سماک کا نام آتا ہے جنکے متعلق امام احمد شعبہ اور ابن المبارک کی یہ رائے ہے

عن احمد سماک مضطرب الحدیث، وعن ابن المبارک	مضطرب الحدیث تھے ضعیف الحدیث تھے۔ شعبہ ان کو
ضعیف فی الحدیث وکان شعبۃ یضعفہ۔	ضعیف کہتے تھے۔

خود علامہ ابن حجر (قلت) کے تحت یون لکھتے ہین

الذی حکاہ المؤلف عن عبد الرزاق عن الثوری	مؤلف نے ثوری کا قول جو نقل کیا ہے وہ انھون نے سماک بن
انما قالہ الثوری فی سماک بن الفضل الیمانی۔ واما	الفضل کے بارہ مین کہا ہے لیکن سماک بن حرب کے متعلق ثوری کا
سماک بن حرب فما عرفنا عن الثوری انہ ضعفہ	قول مشہور ہے کہ وہ ضعیف ہین، ابن حبان نے ثقات مین کہا کہ
وقال ابن حبان فی الثقات یخطی کثیرا۔	سماک اکثر غلطیان کرتے ہین۔

عبدالملک بن عمیر کا نام آتا ہے جنکا یہ حال ہے کہ۔

عن احمد عبدالملک مضطرب الحدیث جدا مع قلۃ روایتہ ما	احمد کہتے ہین عبدالملک باوجود قلت روایت یقیناً مضطرب الحدیث ہے
اری لہ خمسمائۃ حدیث وقد غلط فی کثیر منہا	پانچسو حدیثین بھی مروی نہین ہین تاہم اکثر مین غلطیان ہین۔
قال اسحٰق بن منصور ضعفہ احمد (قلت) کے تحت	اسحٰق نے کہا احمد عبدالملک کو یقیناً ضعیف کہتے تھے
علامہ ابن حجر لکھتے ہین وکان مدلسا۔	وہ مدلس تھے۔

جریر کا نام آتا ہے جنکے متعلق امام احمد بن حنبل اور بیہقی کا قول ہے۔

قال امام احمد بن حنبل لم یکن بالذکی اختلط علیہ حدیث اشعث و عاصم	احمد بن حنبل نے کہا کہ جریر ذکی نہین، اشعث اور عاصم الاحول کی روایتون مین اختلاط
الاحول قال البیہقی فی السنن نسب فی آخر عمرہ الی سوء الحفظ (تہذیب التہذیب)	کرتے ہین بیہقی نے سنن مین لکھا ہے انکی طرف آخر عمر مین سوء حفظ کی نسبت کی گئی ہے

صاحب تہذیب التہذیب (قلت) کے تحت مین لکھتے ہین۔

ان صحت حکایۃ الشاذکونی فجریر کان یدلس	اگر شاذکونی کی حکایت صحیح ہے تو جریر تدلیس بھی کرتے تھے۔

(باقی آئندہ)

(ابوالحسنات ندوی)

عہد اسلام مین ہندوستان
کی
جہازرانی اور بحری کارنامے

(۲)

از جناب محمد یوسف صاحب صدیقی ایم ۰ او، آر، ایس

تجارتی بیڑے کے علاوہ جنگی بیڑے بھی تھے، سنہ ۱۵۹۰ء مین مرزا جانی بیگ نے ٹھٹھا مین اپنی آزادی کا اعلان کیا تو شہنشاہ اکبر نے خانخان کو ۳۰۰ اسلحہ جہاز اور دو سو کشتیون کے ساتھ روانہ کیا، جانی بیگ کو اس مہم مین شکست ہوئی اور وہ صلح کرنے پر مجبور ہوا، شرائط صلح کی رو سے ۳۰ جہاز دوسرے اشیاء کے علاوہ اسے دینے پڑے،

سنہ ۱۵۷۴ء مین داؤد خان بہار کا شہزادہ بن بیٹھا، شہنشاہ اکبر بذات خاص بہت بڑے بیڑے کے ساتھ روانہ ہوا، اور کل سامان ادنی سے اعلی تک اپنے ساتھ لئے، جب شہنشاہ حاجی پور پہنچا تو اس نے حاجی پور کے قلعہ کو مسمار کرنے کا حکم دیا، اور خان عالم کو تین ہزار فوج اور کل سامان کے ساتھ محاصرہ کے لئے کشتی پر روانہ کیا، حاجی پور کے سقوط کے بعد داؤد خان ایک کشتی پر سوار ہو کر بھاگ گیا، خانخانان بنگال کا گورنر مقرر کیا گیا اور کل آدمیون اور کشتیون کو جو آگرہ سے ساتھ لایا تھا اُسے دیدیا۔

اس زمانہ کی جہازرانی و جہازسازی کے مفصل حالات ابوالفضل نے آئین اکبری مین تحریر کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ میر بحری کے کام چار حصون مین منقسم تھے، ہم ان چار حصون کا بیان اسی کے زبان مین لکھتے ہین: ۔

نخست آماده ساختن استوار کشتیها چنانچه فیل بر فراز آن بگذرد، و نیز چنان برسازند که بر
دژها سرکوب آید و سرمایه کشایش دشوار قلعها گردد. کار آگهان دیده در منزل و مراحله دانند که زین
اسباب جهانگیری شناسند، خاصه بر دمستان و زنگبار و ترسا بوم، اگرچه در قلمرو شاهنشاهی فراوان
جابکار رود لیکن در بنگاله، کشمیر و تته (ٹھٹھا) مدار برد. افسر خدیو سرکشتی بسان شگرف جانوران
برساخت و بهانه و نشاط را هم دوکشش گردانید. والا کارها و دلکشا کوشکها که زین چاره سوها
دو نغز بیمن زار بار رود دریا چهره برافروخت و بر ساحل دریای شور خاور و باختر و جهب سترگ
جهازها سرانجام یافت و سرمایه آسایش دریانوردان شد. بنادر را رونق افزود و آگهی بالش یافت
دارالملک الٰه‌باس (الٰه‌آباد) و لاهور نیز آماده کرده به دریای شور رسانید و در کشمیر نمونه از آن برساخت و جهانے

دوم گماشتن دریادرزان دیده درشناساے مد و جزر و داناے اندازهٔ ژرفا و زمان
وزیدن گوناگون باد، و سود و زیان آن و آگاه از کهسارهاے فرورفته. و بدین مایه بیش
توانائے و شناوری و مهربان دلے و جدکارے و در تیج کشتی و بار برداری و دیگر ستوده خوها
چهره آراے حال ایشان، چنین فرهیده مردم را با فراوان پژوهش فراهم آورد، خاصه از ملیبار
در رود بارها بشایستگی و آهستگی آدم و کالا را به ساحل رسانند و باندازه کشتی در شمارهٔ ایشان
تفاوت رود، و در جهازها دوازده گونه مردم خدمتگذار باشند. ناخدا- خداوند کشتی. همانا
ناخدا بود، بخواهشگرے او کشتی بهر سو گراید. معلم. شناساے نشیب و فراز دریا و بیرنگی اختران
رسیدنی او کشتی بمنزل شناید و چاره خطرها برسگالد، تندیل. بزرگ خلاصیان. ملاح را بزبان
[illegible] خلاصی و خادره گویند. ناخدا خشبه. کشتی نشینان را همه وکاه آماده دارد و در برآمودن
[illegible] کردن یاور. سرهنگ. کشتی در آب افگندن و بیرون آوردن بکار دانی او وابسته. هنگام
[illegible] ظلم [illegible] آید. بهنڈاری. پاسدار ناگزران کشتی. کرانی. تبلی. خراج کشتی را آب هم بر دم

رساند۔ سکّان گیر۔ بر ہنمونی معلم کشتی را سو بسو دارد هائفه باشند و گاه از بیت درگذرند پنجرے[9] برفراز تیر کشتی دید بانے کند واز پیدائے ساحل و کشتی دشوریدن بادها و خبر آن آگہی بخشد۔ گمنتی[10] از خلاصیان است اب کشتی بیرون آورد۔ توپ[11] انداز۔ در آویزه بکار آید۔ کمی و افزونی اینان متفاوت باشد۔ خاروه[12]۔ فراوان باشند بادبان کشیدن و بستن ازین گروه آید۔ برخ بفرو یا فروشده رخنه در بندند و لنگر فرو مانده را برکشایند و در هر سفرے که بزبان این طائفه کوشش کوشند علوفه دگرگون بود۔"

سوم[3]۔ فروہیده مردے تمام قامت هیبت سیما ببندآ و از رنج کش چابکدست کارگذار هرگزین سفرے و دست شناور که با زیرک منشی و کم آزردے پیرانه حال او بدید بانی دریا ها بازگذاشت، از کار آگهی او اشکلهاے که برگذرها رود بدر کشاید۔ و گذرگاه را از انبوہے و تنگی و ناهمواری زلاے نگاه دارد۔ و بر آمودن کشتیها اندازه بکار برد و ره نوردان رنج انتظار نکشند۔ و تهیدستان را یارے برگذرند و شناورے گذشتن نگذارد و کالا جز گذرگاه فرود نیارد و بے ضرورت به شب راهی نسازد۔"

چهارم[4]۔ بخشودن باج۔ جهان خدیو از افزونی عاطفت این وجه را که بخراج کشور ها برابر بخشش فرمود۔ جز دست مزد کشتیبان خواهش نکردد۔ لختے در بنادر درستانند و از چیل یک زیاده نباشد، بازرگان نظر به چنین خواهشها بخشوده انگارد[1]۔

دریائے ٹکس کے متعلق مصنف آئین اکبری یوں رقم طراز ہے:-

"دست رنج در رود بارها اگر کشتی و لوازم از و باشد در هزار من بهر کروہے یک روپیه و اگر تنها کشتی از و ست و دیگر از سیم خدا در دو نیم کرده۔ در گذرها از فیل ده دام۔ از گردون

[1] آئین اکبری باب آئین میر بحری۔

بر آموہ چہار، از تہی دو، از شتر بار یک، از خالی واسپ وگاؤ۔ باکالا نیم، از خالی چار یک

رزہ کیب بار دانہ سربار سی شش یکدام، واز بیست آدم یکدم دیساتر باشد کہ نستانند"[1]

نیز میر بحری کے افسران و ملازمین کی تنخواہ معقول تھی، مصنف آئین اکبری اس کی نسبت

اس طرح بیان کرتا ہے۔

"در بنادر آنکانون ناخدا چہار صد روپیہ یابد و چہار طلیخ۔ معلم دوبست روپیہ دو طلیخ،

تنڈیل صد وبست، کرانی پنجاہ روپیہ و یک طلیخ۔ ناخدا خشب سی، سرہنگ بست و پنج،

سکان گیر و پچرے و بھنڈاری پانزدہ پانزدہ، گنمتی دہ، خاروہ چہل و خوراک ہر روزہ،

سربانی و یک انداز دوازدہ، و در کھنبائٹ ناخدا ہشت صد روپیہ و بدمیان در دیگر

مردم تفاوت رود، و در لاہری ناخدا سی صد روپیہ، و دیگران نیز بدین نسبت و در خوبی

بنادر دہ بست و پنج دہم چنین نظر بجا و در راہ تفاوتہا رود و گذارش آن بس دشوار و کشتی

بانان بردن بارہا از پانصد دام افزون و از صد کم ناہموار نگیرند"[2]

علاوہ جنگی کشتیوں کے بادشاہ اور خاصان دربار کے لئے صرف سیر تفریح ایک ہزار سے

زاید کشتیاں تھیں جو سیر کے لئے مخصوص تھیں وہ کشتیاں نہایت آراستہ ہوتی تھیں، اور لوگوں کے

کشتیوں کا تو شمار ہی نہیں، ابوالفضل لکھتا ہے۔

"درین ملک از سی ہزار کشتی افزون است، لیکن سزاوار انجمن کشور خدا نبود، کار

آگہان خدمت گذار در کمتر فرصتے گزین کاشانہ دریائی سرانجام نمودند و گلزارے بر سطح

دریا اساس نہادند، و نام آوران و نزدیکان نیز بہمین روش آمادہ گردانیدند، افزون

از ہزار کشتی آراستہ شد و شہرستانے برفراز دریا آبادی گرفت"

---

[1] آئین اکبری باب آئین میر بحری [2] ایضاً۔

اکبر کی وفات کے بعد ۱۶۰۵ء میں اسلام خان گورنر بنگال نے دارالسلطنت راج محل سے ڈہاکہ تبدیل کردیا اور بیڑہ کی تعداد بڑہا دی، شہاب الدین طلبش لکہتا ہے کہ جہانگیر کے زمانہ سلطنت مین لوٹیرون نے لوٹ مار کا بازار گرم رکہا تہا، وہ ڈہاکہ تک لوٹ مار کے لئے آتے اور سارے بنگال کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے[۱]، تھوڑے عرصہ کے بعد اسلام خان نے راجہ اراکان اور پورتگیز لوٹیرے کی متحدہ فوج کو جو اوقت سینڈوائپ پر قابض تھے اور جنکی فوج کی تعداد ۱۰۰۰ پورتگیز، ۲۰۰۰ سپاہی، ۲۰۰ سوار اور ۸۰ مسلح جہاز پر ایک پیمانہ کے تھے اور جو دونون متحدہ قوت کے ساتھ شرقی ساحل کو تباہ و برباد کئے ہوئے تھے شکست دی۔

شاہجہان کے عہد مین ۱۶۳۸ء مین ایک نئی تکلیف کی ابتدا ہوئی اور وہ اس طرح پر کہ اکبراعظم کے اخیر حصہ سلطنت مین کوچ بہار اور آسام کی وہ قومین جو بنگال کے مشرقی سرحد پر رہتی تہین تکلیف دینا شروع کئے، ۱۵۹۶ء مین ایک مہم لچھمی نارائن راجہ کوچ بہار کے خلاف بھیجی گئی، اس مہم مین ۴۰ ہزار گھوڑے، دو لاکھ پیدل سوار، ۷۰۰ ہاتھی اور ایک بیڑہ جہاز کا تہا، ۱۶۱۲ء مین ایک بیڑہ ۵۰۰ جہاز کا ہاجو برہ پیٹ راجہ کچہہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا، راجہ شکست کہا کر مقید ہوگیا لیکن اسکا بہائی بلدیو برہپیٹ آسام بہاگ گیا اور آسامی اور کوچی کی ایک جماعت طیار کرکے شاہی لشکر پر حملہ کر بیٹھا، اسکے پاس بہت بڑی جماعت کے علاوہ پانچسو جہاز کا ایک بیڑہ تہا، اس نے شاہی لشکر کو شکست دی[۲]، آخرکار ۱۶۳۹ء مین آسامی سب اپنی کشتیون پر دریاے برہمپتر سے ہوکر ڈہاکہ کے قریب پہنچے تو انہین گورنر بنگال اسلام خان سے ملاقات ہوگئی اور ایک دریائی جنگ ہوئی جسمین آسامیون کے چار ہزار آدمی قتل کئے گئے اور پندرہ کشتیان سلطنت مغلیہ کے ہاتھ لگین، اُس وقت آسامیون کی لوٹ مار اسدرجہ بڑہی ہوئی تھی کہ کل رقم مالگذاری انکے دفع کرنے مین صرف ہوجاتی تھی،

[۱] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد سوم صفحہ ۴۲۴ [۲] ایضاً بابت ۱۸۷۲ء حصہ اول نمبر ا صفحہ ۴۶۔

اور ایک روپیہ بھی دہلی نہین بھیجا جاتا تھا،

اورنگ زیب کے عہد مین جب میر جملہ وائسرائے ہوکر ۱۶۶۰ء مین بنگال آیا تو پھر دار السلطنت ڈہاکہ کو تبدیل کر دیا گیا اس نے اخراجات بیڑہ اور تنخواہ افسران کے لئے ایک اسکیم بنائی جسکی تعداد چودہ لاکھ تک پہنچگئی[1] اراکان کے حملہ سے بچنے کے لئے متعدد قلعہ جات اور فوجی نقل و حرکت کیلئے متعدد سڑکین اور پلین تعمیر کرائے[2] ۱۶۶۱ء مین میر جملہ نے کوچ بہار کے خلاف چڑہائی کی اور آسانی سے اسکی سلطنت کو ملالیا۔ راجہ بھیم نرائن بھاگ گیا، ۱۶۶۲ء مین آسام کے فتح کے لئے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ جس مین پیدل، سوار اور بیڑے تھے روانہ ہوا، دشمنون کے ۸۰۰ قریب جہازون نے شاہی بیڑے پر حملہ کیا، تمام رات گولہ باری ہوتی رہی، نواب نے منعم بیگ کو بیڑہ کی مدد کے لئے بھیجا اور اس نے جنگ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنون کے تین چار سو جہاز گرفتار ہوے، ہر ایک جہاز مین ایک ایک بندوق تھی، اس جنگ مین شاہی بیڑے مین ۳۲۳ جہاز تھے، اسکے بعد میر جملہ کی فوج مین وبا پھیل گئی، اور متعدد افسران جنگی مع فوج اور میر جملہ کے ہلاک ہوگئے

میر جملہ کے مرجانے پر بنگال کا بیڑہ تباہ ہوگیا اور لوٹیرے اس سے نفع اٹھا کر ڈہاکہ پہنچ گئے۔

۱۶۶۴ء مین شائستہ خان وائسرائے مقرر ہوا، اس نے لوٹیرون کے لوٹ مار روکنے کے لئے اپنی توجہ جہاز سازی کی طرف مبذول کی، اس نے ان اُن مقامون سے جہان جہان شہتیرین پیدا ہوتی تہین شہتیرین منگوائین، اور دوسرے مقامات سے ہوشیار بڑھیون کو بلایا اور جہاز سازی کا مرکز ہگلی، بالاسور، مورنگ، اور جیسر مقرر کیا، سفر پر بھی شائستہ خان جہازون کی طیاری مین مستعد اور سرگرم رہا، حکیم محمد حسین منصبدار جو قدیم لائق، ایماندار اور قابل اعتبار ملازم تہا، محکمہ جہاز سازی کا افسر مقرر کیا گیا، ہر ایک بندرگاہ پر ایک ماہر انجینیر کا تقرر ہوا، اس سرگری اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ

---

[1] جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال باتبہ ماہ جون ۱۹۰۶ء [2] ٹوپوگرافی آف ڈہاکہ مولفہ ٹیلر صفحہ ۶۷،

تھوڑے ہی عرصہ مین ۳۰۰ جہاز طیار ہوگئے اور ضروری سامان بھی مہیا ہوگئے۔

اورنگ زیب کے عہد مین بنگال کے علاوہ دیگر حصص ملک بھی بہت ترقی پر تھے، اور جہاز سازی اور جہاز رانی خوب ترقی کرتی تھی تھامس باوری (Thomas Bowrey) ایک انگریز سیاح جو ہندوستان مین ۱۶۶۹ء سے ۱۶۷۹ء تک سیاحی کرتا رہا، خلیج بنگال کے شہرون کے حالات تفصیل سے لکھتا ہے وہ جہازون اور تجارت کی نسبت لکھتا ہے کہ اسوقت متعدد اقسام کے جہاز اور کشتیان بنائی جاتی تھین ایک قسم کی کشتی تھی جو بہت ہلکی بنی ہوتی تھی، اسمین صرف دونون کنارے پر شہتیر ہوتے تھے، اسکے تختے بہت پتلے ہوتے تھے، اور آپس مین سوت سے سلے ہوتے تھے، ساحل کارمنڈل پر نہایت مضبوط اور عمدہ جہاز تھے جو چار یا پانچ یا چھہ بڑی بڑی شہتیرون سے بنے ہوتے تھے اور ان مین پانچ چھہ سو من بوجھہ لادے جاتے تھے، ایک قسم کی کشتی سیر و تفریح کے لئے ہوتی تھی، جسمین ایک چھوٹا کمرہ بنا ہوتا تھا، ساحل کارمنڈل پر سب سے بڑا تجارتی مرکز موسلی پٹم تھا، اور وہان کے باشندے فن تجارت مین ماہر تھے، وہ سیاح یہ بھی لکھتا ہے کہ نواب شائستہ خان نے تاجرون پر بحری حفاظت اور ملک کی دولت بڑہانے کے لئے ایک قسم کا ٹکس لگایا تھا، نواب ہرسال سوداگرون کو ہگلی جیسیر پپلی اور بالاسور بھیجتا تھا تاکہ ان مقامون مین ایک یا دو جہاز ۴۰۰، ۵۰۰ یا ۶۰۰ ٹن کے مضبوط اور عمدہ بنائے جائین، اسی کا یہ بھی بیان ہے کہ ۲۰ پال والے جہاز ہرسال دریائی تجارت کی غرض سے بالاسور، پپلی وغیرہ بھیجے جاتے تھے، کچھ ان مین سے لنکا ہاتھی لانے کے لئے بھیجے جاتے، اور چھہ یا سات جہاز ہرسال جزائر مالدیپ کو زبان لانے کے لئے روانہ کئے جاتے تھے، غرضکہ عام طور پر منافع بخش تجارت ہوتی تھی[1]

اسٹرنشم ماسٹر (Streynsham Master) کے ڈائری کے

---

[1] خلیج بنگال کے ملکون کے جغرافیائی حالات مصنفہ تھامس باوری۔

آخر صفحہ مین لکھا ہوا ہے کہ "سب سے پہلے ۱۶۵۵ء مین پہنچے، اسوقت ملک کو نہایت ترقی کی حالت مین پایا، بیس جہاز مال سے لدے ہوے ہمیشہ موجود رہتے، دورا ماکان، بیگو، ملاکا اور جزائر مالدیپ وغیرہ بھیجے جاتے تھے -

اورنگ زیب کے عہد مین مغربی ساحل بھی جہاز سازی کا مشہور مرکز تھا، ڈاکٹر فرائر (Dr. Fryer) جو بغرض سیاحت ۱۶۷۳ء مین ہندوستان مین آیا، وہ جہازون اور کشتیون کی نسبت نہایت تفصیل سے لکھتا ہے، وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ "اورنگ زیب کے چار جہاز ہمیشہ سورت مین طیار رہتے تھے اور حجاج کو حج کے لئے بلا کرایہ مکہ لیجاتے تھے" -

اورنگ زیب کی وفات کے بعد اسلامی سلطنت کا زوال شروع ہوا اور اسکے ساتھ ساتھ جہاز سازی اور جہاز رانی کا بھی خاتمہ ہوگیا -

---

مسئلہ زر

(۴)

ازجناب مقبول احمد صاحب رئیس سندیلہ

ہم نے زر کاغذی کے فوائد ونقائص عام لکھدیے اب ہم اسکی تفصیل کرتے ہین،

نیابتی زر کاغذی اور زر فلزاتی مین کوئی فرق نہین ہوتا ہے، اس کا استعمال بوجہ ہلکا ہونے کے آسان ضرور ہوتا ہے، مگر نیابتی زر کاغذی سے اضافہ دولت نہین ہوتا ہے، کیونکہ زر فلزاتی کی تعداد بقدر مندرجہ نوٹ ہروقت خزانہ مین بیکار پڑی رہتی ہے، اس صفت مین یہ اعتباری زر کاغذی سے کم ہے،

اعتباری زر کاغذی مین بیشتر خوبیان ہین اور کمتر نقائص ہین، اسلئے اعتباری زر کاغذی کا استعمال نہایت موزون ہے، اور آج کل ہر ملک مین بکثرت مستعمل ہے، ہم اس بات کو صاف کرنے کیلئے رسمی زر کاغذی سے بھی بہت فوائد عام حاصل ہوسکتے ہین، جیسا کہ ہم زر کاغذی کی بحث مین لکھ چکے ہین، اگر اسکے اجرا مین کافی احتیاط برتی جائے تو بہت مشکل ہے اور جسکا ذکر بعد مین کیا جائے گا، فی الحال ہم اسکے نقائص لکھتے ہین۔

۱۔ رسمی زر کاغذی کی ادائگی کے لئے، چونکہ کوئی رقم محفوظ نہین ہوتی ہے اسلئے اکثر ضرورت سے زائد اجرا ہوجاتا ہے اور اسی وجہ سے اسکی قیمت بھی بہت گھٹ جاتی ہے،

۲۔ قانون گرشیم کے عمل کیوجہ سے جب رسمی زر کاغذی کا زائد از ضرورت اجرا ہوتا ہے، تو زر فلزاتی چلن سے نکل جاتا ہے اور جسقدر زر فلزاتی چلن سے نکلتا ہے، وہ یا تو جمع کیا جاتا ہے، یا گلا ڈالا جاتا ہے یا ممالک خارجہ مین چلا جاتا ہے چلن مین زیادہ تر زر ناقص رہجاتا ہے۔

۳- چونکہ رسمی زر کاغذی کی زائد از ضرورت اجرا سے قیمت بہت گھٹ جاتی ہے۔ اسلئے ثمن اشیا بہت بڑھجاتی ہے جسکی وجہ سے کاروبار مین ہر وقت خطرہ رہتاہے اور اکثر ان وجوہ سے خراب قسم کا (   ) کاروبار مین شروع ہوجاتا ہے جو ملک کی مالی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔

۴-۔۔۔۔ اس سے چونکہ کاروبار مین جوے کی حالت پیدا ہوجاتی ہے اسلئے کاروباری اخلاق بہت پست ہوجاتا ہے، جو ملک کی مالی تنزل کا باعث ہوتا ہے،

۵- مثل دیگر اشیا کے جائداد کی قیمت بھی فرضی طور پر بڑھ جاتی ہے اور لوگ اپنے کو امیر خیال کرکے فضول خرچیون اور غیر مفید مصارف مین مبتلا ہوکر تباہ ہوجاتے ہین۔

۶- مزدورونکو بہت نقصانات ہوتے ہین، قیمت اشیاء تو رسمی زر کاغذی کی زائد از ضرورت اجرا سے زیادہ بڑھجاتی ہے مگر مزدوری اسی تناسب سے نہین بڑھتی ہے اسلئے مزدور زیادہ تکلیف اُٹھاتے ہین جو اکثر خلفشار کا باعث ہوتا ہے۔

۷- قرضخواہون کو رسمی زر کاغذی کی قیمت گھٹ جانیکی وجہ سے نقصان ہوتا ہے یعنی انکو اُسی قدر رقم رسمی زر کاغذی مین ملے گی جسقدر اُنھون نے دی تھی، مگر قیمت اشیا بڑھ جانے کی وجہ سے وہ اسقدر اشیا نہین خرید سکینگے[1]

مذکورہ بالا نقائص زائد از ضرورت اجرا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوجاتے ہین، اگر انسداد ہوجائے تو بہت کچھ ان نقائص مین تخفیف ہوسکتی ہے، ماہرین اقتصادیات نے ان علامات

[1] ہم نے زائد از ضرورت اجرا کا لفظ بہت استعمال کیا ہے اسکی تشریح بھی ہم مضمون کو واضح کرنے کے لئے کئے دیتے ہین، جب اجرا شدہ زر کاغذی کی مقدار سے جو چلن سے نکل گیا ہے زائد ہوجائے تب اجرا زائد از ضرورت کہلائے گا۔

کی کافی تفتیش کی ہے جن سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ رسمی زر کاغذی کا زائد از ضرورت اجرا ہو گیا ہے، ہم ان تدابیر کے لکھنے سے پہلے جن سے زائد از ضرورت اجرا کا انسداد ہوتا ہے ان علامات کو لکھتے ہین، جنسے زائد از ضرورت اجرا کا پتہ چلتا ہے -

۱- پہلی علامت یہ ہے کہ سونے پر بڑہتی لیجائے، جب رسمی زر کاغذی کا زائد از ضرورت اجرا ہوگا تو اسکی قدر بہت گہٹ جائے گی اور زر فلزاتی کی قیمت باقی رہے گی، جو شخص رسمی زر کاغذی کے بدلے مین زر فلزاتی لینا چاہے گا اُسکو نوٹ کی مندرجہ تعداد کے مساوی زر فلزاتی لینے مین کچھ زائد دینا پڑے گا، یعنی ایک پونڈ کے نوٹ کے معاوضہ مین اگر وہ ایک ساورن لینا چاہیگا تو اسکو علاوہ ایک پونڈ کے نوٹ کے کچھ زائد دینا پڑیگا -

۲- دوسری علامت شرح مبادلہ کا بڑھ جانا ہے جس شرح پر ممالک خارجہ کی ہنڈیان بکتی ہین وہ شرح مبادلہ ہوتی ہے چونکہ ہنڈیون کی ادائگی زر فلزاتی مین ہوتی ہے جو اکثر سونا ہوتا ہے اسلئے سونے پر بڑہتی دینے سے شرح مبادلہ بڑھ جائے گی -

۳- تیسری علامت زر فلزاتی کا چلن سے نکل جانا ہے، جب زر ناقص بصورت زر کاغذی اور زر کامل بصورت زر فلزاتی ایک ساتھ چلن مین ہونگے تو قانون گرشیم کی رو سے زر کامل چلن سے نکل جائے گا اور زر ناقص رہجائے گا -

۴- چوتھی علامت ثمن کا بڑہجانا ہے جب بہت زیادہ اجرا رسمی زر کاغذی کا ہوتا ہے تو قیمتین بڑھ جاتی ہین، اور اُسکے اثرات بہت خراب ہوتے ہین اگر اجرا مین خفیف زیادتی ہوتی ہے تو یہ صورت پیدا نہین ہوتی ہے، ان ممالک مین جہان رسمی زر کاغذی کا زیادہ اجرا ہوتا ہے، قیمتین دیگر ممالک کے مقابلہ مین بہت مختلف ہوتی ہین، جسوقت یہ علامتین ظاہر ہون تو فوراً ایسے تدابیر اختیار کئے جائین کہ رسمی زر کاغذی کا اجرا بند ہو جائے اور جسقدر زر زائد از ضرورت اجرا ہوچکا ہے وہ

چلن سے واپس لے لینا چاہیے ان تدابیر کے متعلق باہم ماہرین مین بہت اختلاف ہی ایک کثیر تعداد کی تو یہ رائے ہے کہ رسمی زر کاغذی کا اجرا ہونا ہی نہ چاہیے بعضون کی رائے ہے کہ ثمن کی کمی بیشی کے ساتھ رسمی زر کاغذی کے اجرا مین بھی کمی بیشی کی جائے، اس طریقہ کا عمل مین آنا غیر ممکن ہی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ رسمی زر کاغذی کا اجرا اسوقت تک ہونا چاہیے جبتک کہ سونے پر بڑہتی نہ لیجائے اور جسوقت سونے پر بڑہتی لی جانے لگے اور نرخ مبادلہ بڑہجائے تو گورنمنٹ کو چاہیے کہ رسمی زر کاغذی کا اجرا فوراً بند کردے اور جسقدر اجرا ہوچکا ہے اُسکی تعداد مین اسطرح کمی کرے کہ جو رسمی زر کاغذی خزانہ سرکار مین داخل ہون وہ فوراً ضائع کر دئے جائین اور جب تک کہ سونے پر بڑہتی لینا بند نہ ہوجائے اور نرخ مبادلہ برابر نہ ہوجائے ایک ہی ملک مین دو مختلف قیمتون کا ہونا ایک زر فلزاتی مین اور دوسرے رسمی زر کاغذی مین نہایت خطرناک ہے، یہ بحث بھی بہت طویل ہے ہم نے مختصر طور پر لکھدیا ہے۔

جسطرح رسمی زر کاغذی ہوتا ہے اسیطرح رسمی زر فلزاتی بھی ہوتا ہے اسکی مثال ہندوستان کا روپیہ ہے، رسمی زر کاغذی کاغذ پر چھپتا ہے روپیہ چاندی پر چھپتا ہے رسمی زر کاغذی کے بدلے مین زر فلزاتی نہین ملتا ہے، اسطرح روپیہ کے بدلے مین گورنمنٹ ہند سا درن دینے پر قانوناً مجبور نہین رسمی زر کاغذی کی قیمت کا انحصار اُسکی مقدار اجرا پر ہوتا ہے، روپیہ کی قیمت کا انحصار بھی معمولی حالتون مین اسکی تعداد اجرا پر ہوتا ہے جو بذریعہ سکہ سازی محدود گورنمنٹ ہند کو حاصل ہے، آج کل چاندی کی قیمت زیادہ ہوگئی ہے پیشتر ایک روپیہ دس آنے کا ہوتا تھا، اور سولہ آنے کو چلتا تھا وہی روپیہ اب سولہ آنے کا ہونے لگا ہے، ہم نے لکھا ہے کہ اعتباری زر کاغذی مین خوبیان زیادہ ہوتی ہین اور نقائص کم ہوتے ہین، اب ہم اسکی تفصیل کرتے ہین، اسمین بھی مثل دیگر اقسام زر کاغذی کے فوائد عام حاصل ہو سکتے ہین جنکو ہم پہلے لکھ چکے ہین بوجوہات ذیل یہ اور سب اقسام سے بہتر ہی

اعتباری زر کاغذی سے دولت مین اضافہ ہوتا ہے، یہ نیابتی زر کاغذی مین نہین ہوتا، نیابتی زر کاغذی کی ادائگی کے لئے ہر وقت رقم محفوظ بقدر مندرجہ نوٹ خزانے مین بیکار پڑی رہتی ہے اعتباری کاغذ کے بابت چونکہ بوقت مطالبہ فوراً ادائگی کا وعدہ ہوتا ہے اسلئے لوگون کو اجراکنندہ پر اعتماد ہوتا ہے اور دار دوستہ مین بغیر زر فلزاتی مین تبدیل کئے ہوئے برابر چلتا رہتا ہے، اسوجہ سے عرصہ کے بعد خزانہ یا بینک مین بغرض ادائگی پیش کیا جاتا ہے اور اسکی ادائگی کے لئے پوری رقم خزانے یا بینک مین نہین رکھی جاتی ہے، بلکہ تیس چالیس فیصدی کافی سمجھی جاتی ہے۔

رسمی زر کاغذی کی اجرا سے بھی دولت مین اضافہ ہوتا ہے مگر دیرپا نہین ہوتا، اسکی ادائگی کے واسطے نہ تو رقم محفوظ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اجرا مین کوئی رکاوٹ، اسلئے اسکی قیمت بہت جلد اور زیادہ گھٹتی ہے اور جسوقت قیمت گھٹتی ہے تو اضافہ بالکل غائب ہوجاتا ہے اور ملک مین پریشانی اور تباہی نظر آتی ہے اعتباری زر کاغذی زر فلزاتی مین ادائگی کا وعدہ بھی ہوتا ہے اور مناسب مقدار مین اسکی ادائگی کے واسطے رقم محفوظ بھی رکھی جاتی ہے اسلئے اسکی قیمت زیادہ نہین گھٹتی اور اضافہ دولت دیرپا ہوتا ہے، اعتباری زر کاغذی جسکی ادائگی نہایت یقینی ہوتی ہے (جیسے بنک آف انگلینڈ کے نوٹ) دیگر ممالک مین چند دنونکے لئے قبول کرلئے جاتے ہین مگر جلد واپس کردئے جاتے ہین، رسمی زر کاغذی کی وقعت ردّی کاغذ سے زیادہ نہین ہوتی ہے، اعتباری زر کاغذی کا اجرا یا تو سلطنت کرتی ہے یا بینک اسلئے ایک بحث یہ پیدا ہوگئی کہ کون اس خدمت کو اچھی طرح انجام دے سکتا ہے، گورنمنٹ کے اجرا کرنے پر حسب ذیل اعتراض کئے جاتے ہین۔

اول تو یہ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کے فرائض مین نوٹ کا اجرا داخل نہین ہے یہ بحث وسیع ہے، ہر شخص گورنمنٹ کے فرائض اپنے نقطہ نظر سے قرار دیتا ہے، اسلئے اس مسئلہ

مین کوئی مختتم رائے نہین قائم ہوسکتی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ گورنمنٹ نے زمانہ ماضی مین زرکاغذی بدل پذیر کو اپنی ضرورتون سے غیر بدل پذیر کردیا، اسلیئے اُسکو اجرا نہین کرنا چاہیئے اس اعتراض کی وقعت ضرور ہے

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ گورنمنٹ کے اجرا کرنے مین کوئی رُکاوٹ نہ ہوگی اور وہ زائد از ضرورت اجرا کردے گی، جس سے بہت نقصانات اُٹھانا پڑینگے بنیک ایسا نہین کرسکتا ہے بنک کی نگرانی ہر وقت سرکار کرسکتی ہے گورنمنٹ پر بوقت ضرورت ایسا اثر نہین ہوسکتا ہے کہ نوٹ کے اجرا سے باز رہے۔

سب سے قوی اعتراض یہ ہے کہ گورنمنٹ کے اجرا کرنے مین کاروبار کے لحاظ سے کمی بیشی اس عمدگی سے نہین ہوسکتی ہے جیسے بنک کے اجرا کرنے سے ہوسکتی ہے، بنک کو چونکہ ہر وقت کاروباری دنیا سے سابقہ رہتا ہے اسلیئے وہ آسانی سے اندازہ کرسکتا ہے کہ اعتباری زر کاغذی کے حجم مین کسوقت کمی ہونا چاہیئے اور کسوقت بیشی، عمال سرکار کو اسقدر تجربہ نہین ہوسکتا ہے بنک کے اجرا کرنے پر بھی یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ بنک کو اپنا فائدہ زیادہ مدنظر ہوگا اسلیئے وہ رعایا کے حقوق کا لحاظ نکریگا اسکی روک اسطرح پر ہوسکتی ہے کہ نوٹ اجرا کرنے کا حق بنک کو دیا جائے اور رعایا کے حقوق کی نگرانی سرکار کرے یہی طریقہ سب سے اچھا خیال کیا جاتا ہے۔

چک، ہنڈی، اور چھٹی کے متعلق ہم اس مضمون مین کچھ نہین لکھتے ہین یہ بحث بنک کے بیان مین ہونا چاہیئے۔

قیمت زر

قیمت کا لفظ اس سے پہلے بہت استعمال کیا جاچکا ہے، اب ہم اسکی تشریح کرتے ہین، قیمت زر کا مسئلہ بھی مثل دیگر اشیا کی قیمت کے ہے اشیا کی قیمت سے یہ مراد ہے کہ کس تعداد کی اشیا سے اسکا مبادلہ ہوگا

قیمت زر سے بھی یہ مراد ہے کہ (اسکا روپیہ) مبادلہ کس تعداد کی اشیاء سے ہوگا یعنی زر کی قیمت خرید کیا ہوگی، ہم پہلے اس غلط فہمی کو رفع کردینا چاہتے ہین جو قیمت زر کی بابتہ پھیلی ہوئی ہے تاجرون کے الفاظ مین قیمت زر سے وہ سود مراد ہے جو روپیہ پر ملتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے جو شخص رقم قرض دیتا ہے وہ صرف یہی نہین کرتا ہے کہ روپیہ اپنے پاس سے منتقل کردے بلکہ وہ اپنا حق بھی جو اسکو ملکی پیداوار کی قیمت پر سرمایہ لگانے کی وجہ سے حاصل تھا منتقل کر دیتا ہے درحقیقت وہ سرمایہ منتقل کرتا ہے روپیہ صرف آلہ مبادلہ ہے سرمایہ کی مقدار روپیہ مین گنی جاتی ہے اسوجہ سے سرمایہ کا قرض لینا روپیہ کے قرض لینے کے مترادف ہے ہمارا مفہوم قیمت زر سے اسکی قیمت مبادلہ اور روپیہ سے آلہ مبادلہ ہے۔

اب ہم اُن اسباب پر غور کرتے ہین جنپر قیمت زر کا انحصار ہے، ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ قیمت زر بھی مثل دیگر اشیاء کی قیمت کے ہے اسلئے روپیہ کی قیمت کی کمی بیشی بھی مثل دیگر اشیاء کی قیمت کی کمی بیشی کے اسکے رسد و طلب پر ہے، ہم روپیہ کی رسد و طلب کے مفہوم کو بھی صاف کردینا چاہتے ہین کسی چیز کی رسد سے وہ مقدار مراد ہے جو فروخت کے لئے پیش کی جاتی ہے روپیہ کی رسد سے بھی وہ مقدار مراد ہے جو فروخت کے لئے پیش کی جاتی ہے، روپیہ کا فروخت ہونا غیر مانوس لفظ ہے، یہ خیال ہوگا کہ روپیہ خود ہر چیز خرید سکتا ہے اسکی فروخت ہونے کے کیا معنی واقعہ یہ ہے کہ جو شخص غلہ، روئی وغیرہ فروخت کرتا ہے وہ روپیہ خرید کرتا ہے اور جو لوگ روپیہ کو غلہ یا روئی کی خریداری مین صرف کرتے ہین وہ روپیہ فروخت کرتے ہین اسلئے رسد سے وہ رقم زر مراد ہے جسکو لوگ کاروبار مین لگاتے ہین اسمین دو طرح سے کمی بیشی ہوتی ہے اول مقدار سے یعنی روپیہ کی تعداد مین اضافہ کرنے سے بڑھجاتی ہے اور کم کرنے سے کم ہوجاتی ہے۔

دوسرے سرعت گردش زر، اسکو یون سمجھنا چاہئے کہ اگر ایک سکہ ہفتہ مین دس بار

کار و بار مین لگے اور دوسرا اسکے بیس بار کار و بار مین منتقل ہو تو دوسرے سکہ کی سرعت گردش اول سے دوگنی ہوگی اور اسلئے اُسکی رسد زیادہ ہوگی۔

طلب یا مانگ | ہم پہلے لکھہ چکے ہین کہ ہر شخص جو اشیا فروخت کرتا ہے وہ روپیہ خرید کرتا ہے اسلئے روپیہ کی طلب یا مانگ اُن تمام اشیا پر مبنی ہوتی ہے جو فروخت کے واسطے بازار مین آئین، طلب کا انحصار ہر وقت اور ہر ملک مین اُن تمام چیزون کی مقدار پر ہوتا ہے جنکا تبادلہ روپیہ سے ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے کیونکہ کسی ملک کی پیداوار کا کچھہ حصہ تو بذریعہ تبادلہ جنس بالجنس ایک دوسرے کے پاس منتقل ہوتا ہے اور کچھہ حصہ خود پیدا کرنے والے براہ راست صرف کر ڈالتے ہین، بقیہ ملک کی دولت کی پیدائش کا حصہ روپیہ کے ذریعہ سے منتقل ہوتا ہے، اور روپیہ کی مانگ ایسے حصہ کی کمی و بیشی پر مبنی ہوتی ہے، اس مختصر بیان کے بعد اب ہم یہ لکھتے ہین کہ کن اسباب سے قیمت زر مین کمی اور بیشی ہوتی ہے نظریہ مقدار زر (............

Quantitative Theory) کی سادہ صورت یہ ہے کہ قیمت زر روپیہ کی مقدار کی کمی بیشی کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہے یہ صورت اس زمانہ مین صادق ہو سکتی ہے جب تمدن ابتدائی حالت مین ہو یعنی نہ تو روپیہ جمع کرنے کا شوق ہو، نہ تبادلہ جنس بالجنس بلکہ صرف زر فلزاتی کے ذریعہ سے مبادلہ ہوتا ہو، اور پیمانہ تجارت مین کسیطرح کی بیشی نہ ہوتی ہو اور روپیکا کوئی اور مصرف یا استعمال علاوہ آلہ مبادلہ ہونیکے نہ ہو، اسوقت بیشک یہ نظریہ ٹھیک ہوگا، لیکن موجودہ زمانہ مین جب یہ سب صورتین بدل گئین ہین یعنی روپیہ جمع کرنیکا شوق ہے تبادلہ جنس بالجنس بھی ہے پیمانہ تجارت روز افزون ترقی پر ہے، زر فلزاتی کا استعمال علاوہ آلہ مبادلہ ہونے کے اور بھی بہت صورتون مین ہوتا ہے (مثلاً گلا کر زیور بنانا وغیرہ) اور سب سے بڑا انقلاب یہ کہ بڑا حصہ ادائے زر کا ساکھہ اور اعتبار پر ہوتا ہے اور روپیہ کے بجائے چیک، نوٹ، ہنڈی وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے

یہ سادہ نظریہ موجودہ تمدن پر کسیطرح منطبق نہین ہوسکتا ہے، اس نظریہ کے ترقی شدہ صورت جو زمانہ حال کے تمدن پر چسپان ہوسکتی ہے اور ماہرین اقتصادیات نے بھی اسکو صحیح خیال کیا ہو یہ ہے کہ اگر اور اسباب یکسان ہون تو قیمت زر مین کمی واقع ہوگی اگر مقدار زر مین بیشی ہوگی اور قیمت زر مین بیشی ہوگی اگر مقدار زر مین کمی ہوگی، دیگر اسباب کا یکسان ہونا نہایت اہم شرط ہے ہم ان اسباب کو بھی تفصیل سے لکھتے ہین جنکو اس نظریہ کو کام مین لاتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

(۱) تجارت کے حجم مین کوئی کمی بیشی نہ ہو، تجارت کے حجم مین زیادتی سے روپیہ کی مانگ زیادہ ہوگی اگر ایسی صورت مین روپیہ کی مقدار اس امید پر بڑہجائیگی کہ قیمت اشیا بڑہجائے تو یہ نظریہ صادق نہ ہوگا بصورت دیگر اگر تجارت کے حجم مین کمی ہوگی تو روپیہ کی مانگ کم ہوجائے گی اور ایسی صورت مین اگر کچھ روپیہ چلن سے الگ کر لیا جائے گا تو بھی قیمت زر پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

(۲) تبادلہ جنس بالجنس کی تعداد بھی بجنسہ رہنا چاہئے، اگر زیادہ اشیا کا تبادلہ اس صورت مین ہوگا تو روپیہ کی مانگ کم ہوجائے گی اور جب مانگ کم ہوگی تو مقدار زر کم ہوجانے سے قیمت زر پر کوئی اثر نہ پڑے گا، بصورت دیگر اگر تبادلہ جنس بالجنس مین کمی ہوگی تو روپیہ کی مانگ زیادہ ہوگی اور اس سے زر کے چلن مین اضافہ کردینے سے بھی کوئی اثر قیمت زر پر نہ پڑیگا۔

(۳) ساکہ یا اعتبار پر جو کاروبار ہورہا ہو اسمین بھی کمی بیشی نہ ہونا چاہئے، اگر ساکہ کے کاروبار مین زیادتی ہوجائے گی تو کچھ روپیہ بیکار ہوجائے گا، اور اسوجہ سے روپیہ کی مانگ بھی کم ہوجائیگی ایسی صورت مین اگر کچھ روپیہ چلن سے الگ کر لیا جائے گا تو قیمت زر مین کوئی فرق نہ ہوگا اور یہ نظریہ منطبق نہ ہوگا دوسری صورت مین اگر ساکہ یا اعتبار کے کاروبار مین کمی واقع ہوجائیگی تو زیادہ روپیہ کی مانگ ہوگی اور ایسی صورت مین اگر روپیہ کی مقدار مین اضافہ کردیا جائے گا تو بھی قیمت زر پر کوئی اثر نہ پڑے گا اسلئے ضروری ہے کہ ساکھ اور اعتباری کاروبار کی مقدار

مین کمی بیشی نہ ہو بلکہ بدستور رہے۔

(۴) سرعت گردش زر بھی یکسان رہے اگر زر کے چلن کی سرعت زیادہ ہوگی تو روپیہ کی مانگ کم ہوجائیگی اس صورت مین روپیہ کی مقدار کم کردینے سے قیمت زر پر کوئی اثر نہ پڑے گا اگر زر کے چلن کی سرعت مین کمی ہوجائے گی تو روپیہ کی مانگ زیادہ ہوجائے گی، اس صورت مین اگر روپیہ کی مقدار مین اضافہ ہو تو بھی کوئی اثر قیمت زر پر نہ پڑے گا۔

اسکے علاوہ روپیہ کی اس تعداد مین بھی جو جمع کیجاتی ہے یا زیور وغیرہ بنانے کیواسطے گلائی جاتی ہے کمی بیشی نہ ہو تب نظریہ مقدار زر منطبق ہوگا۔

ہم پہلے لکھہ چکے ہین کہ قیمت زر مثل دیگر اشیا کی قیمت کے ہے، اشیا کی قیمت ماہرین اقتصادیات کے نزدیک مصارف پیدائش پر منحصر ہوتی ہے اور اگر کسی شے کے مصارف پیدائش مختلف ہون تو اسکی قیمت کا انحصار اس حصہ پر ہوگا جسکی پیدائش مین سب سے زیادہ صرف ہوا ہے دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ نظریہ بھی زر کے خاص حالت پر صادق آیا ہے۔

چاندی سونا ساخت زر مین علی العموم صرف ہوتا ہے جو کانون سے برآمد ہوتا ہے، مختلف کانون کے مصارف بھی مختلف ہوتے ہین، اسلئے جس کان کے مصارف سب سے زیادہ ہون اسکے نکلے ہوئے سونے چاندی کی قیمت پر قیمت زر کا انحصار ہونا چاہئے یہ حالت پیدا ہوگی مگر بدیر، اگر مقابلہ آزاد ہو اور مصارف کی ٹھیک تعداد معلوم ہو سکے مصارف پیدائش کا اثر رسد پر پڑے گا اور رسد کا قیمت پر، جیسا کہ جان اسٹورڈ مل نے اپنی کتاب جلد اول صفحہ ۵۰۴ مین لکھا ہے کہ "مخفی اثر جسکی وجہ سے قیمت اشیا عرصہ کے بعد مصارف پیدائش سے مطابقت کرے گی وہ فرق ہے جو بوجوہات دیگر اُس شے کی رسد مین واقع ہوتا ہے"

زر کی رسد کانون کی سالانہ پیداوار کے مقابلہ مین اسقدر زیادہ ہے کہ پیدائش کی کمی بیشی کا

اثر بہت عرصہ کے بعد محسوس ہوگا، اگر کانون سے سونے چاندی کی پیدائش روک دیجائے تو چند سال تک کوئی اثر بصورت افزائش قیمت زر نہوگا، اور اگر کانون سے سونا چاندی بکثرت نکلے تو بھی اسکا اثر بہت دیر مین ہوگا، اسلئے پیدائش کی کمی بیشی ابتداءً اور چند سال بعد تک محض قیمت زر کا مسئلہ رہتی ہے، قیمتی دھاتون کی (چاندی - سونا) دیرپائی کانون سے چاندی، سونا نکالنے مین جوا اور نئے کانون کی دریافت ہونیکی امید ایسے عناصر ہین جن سے مصارف پیدائش کا اثر قیمت زر کا عرصہ دراز کے بعد متیقن نہین ہوسکتا ہے، اسکے علاوہ ایک بات اور قابل لحاظ ہے کہ دیگر اشیاء کے مصارف پیدائش کی کمی اسکی قیمت کم کردیتی ہے، خواہ اسکی رسد کتنی ہی ہو، مگر قدر زر کی کمی بیشی بغیر مقدار زر کی کمی بیشی کے غیر ممکن ہے، بوجوہات بالا جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے، قیمت زر کا انحصار رسد وطلب پر ہوتا ہے، مصارف پیدائش کا اثر چونکہ بدیر متیقن نہین ہوسکتا ہے، اور ابتداءً تھوڑے عرصہ تک ہوتا نہین ہے، اسلئے خارج از بحث ہے،

قیمتِ زر کی کمی بیشی کے نتائج

قیمت زر کی تشریح کے بعد ہم مختصر طور پر ان نتائج کو بھی لکھتے ہین جو قیمت زر کی کمی بیشی کے باعث پیدا ہوتے ہین، قیمت زر کی کمی بیشی کے مفہوم کو ہم نے پہلے واضح کردیا ہے کہ اگر روپیہ کی قوت خرید زیادہ ہوتی ہے تو قیمت زر بڑھی ہوتی ہے، اور اگر قوت خرید کم ہوتی ہے تو قیمت گھٹی ہوتی ہے، جب کسی ملک مین رسد زر اسقدر زیادہ ہوتی ہے کہ قیمت اشیاء بڑھجاتی ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تعداد زر چلن کے لئے زیادہ ہے، اگر رسد زر بمقابلہ طلب زر اسقدر کم ہو کہ قیمت اشیاء گھٹ جائے، تو سمجھا جاتا ہے کہ تعداد زر چلن کے لئے کم ہے، اگر یہ کمی بیشی فلزات کی رسد پر مبنی ہوتی ہے، تو قدرتی کہلاتی ہے، اگر یہ بیشی سلطنت کے رسمی زر کاغذی کی اجراء یا کم قیمت فلزات کے ساتھ جاری کرنیکی وجہ سے ہوتی ہے تو مصنوعی کہلاتی ہے۔

قیمتی فلزات کی رسد مین کمی کانون کی خالی ہوجانے یا جنگ کی وجہ سے کانکنی رک جانے یا کانکنی مین بوجہ نہ ہونے حالات اقتصادی نقصان ہوتے یا دیگر ممالک مین ضروریات زر یا صنعت وحرفت مین ہونے کے زیادہ صرف ہونیکی وجہ سے ہوجاتی ہے،

قیمت زر مین بیشی علاوہ فلزات کی رسد کے دیگر وجوہ سے بھی ہوتی ہے، مقدار زر بجنسہ رہنے اور رسد اشیا بڑھنے، مقدار زر کم ہونے اور رسد اشیا بجنسہ رہنے، مقدار زر اور رسد اشیا بجنسہ رہنے اور اعتباری داد وستد و مبادلہ جنس بالجنس کم ہوجانے سے قیمت زر بڑھجاتی، قیمت زر مین کمی بھی دیگر وجوہ سے ہوتی ہے، مقدار زر بجنسہ رہنے اور رسد اشیا مین کمی ہونے (ایسا بہت کم ہوتا ہے) مقدار زر مین زیادتی ہونے اور رسد اشیا بجنسہ رہنے (ایسا اکثر ہوتا ہے) مقدار زر و رسد اشیا بجنسہ رہنے اور اعتباری داد وستد و تبادلہ جنس بالجنس کے زیادہ ہوجانے سے قیمت زر گھٹ جاتی ہے،

مصنوعی زیادتی کے نقائص ہم نے رسمی زر کاغذی کی بحث مین مفصل لکھدیے ہین، اسلئے اعادہ کی ضرورت نہین ہے، سب سے بڑا اسکا نقص یہ ہے کہ ممالک خارجہ کے تاجرون کو چونکہ رسمی زر کاغذی پر اعتماد نہین ہوتا ہے، اسلئے تجارت خارجہ پر بہت خراب اثر پڑتا ہے جو ہر ملک کی ترقی کی روح ہوتی ہے،

جب قیمت زر بڑھتی ہے اور قیمت اشیا گھٹتی ہے تو قرضدارون کو نقصان ہوتا ہے اور قرضخواہون کو فائدہ، اگرچہ قرضخواہون کو وہی تعداد زر جو انہون نے قرض دی تھی واپس ملتی ہے مگر قیمت بڑھ جانے سے وہ زیادہ تعداد اشیا روپیہ سے خرید سکتے ہین اسلئے انکو فائدہ ہوتا ہے، قرضدارون کو اسلئے نقصان ہوتا ہے کہ انکو زیادہ پیداوار اپنے قرض ادا کرنے کے لئے فروخت کرنا پڑتی ہے، لیکن قرضدارون کو کسیقدر تلافی شرح سود کم ہوجانے سے ہوجاتی ہے، محدود آمدنی والون

اور مزدورون کو بھی قیمت زر بڑھجانے سے فائدہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ بھی اپنی آمدنی سے زیادہ تعداد مین اشیا، خرید سکتے ہین، ترقی یافتہ ملک مین جسکی آبادی بڑھتی ہو اور مصارف پیدائش مین بوجہ نئی ایجادون و دیگر اصلاحات کی کمی ہوجاے تو آجر Entrepreneur سرمایہ دار Capitalist استعمال کرنیوالے Consumers اور مزدور سب فائدہ مین رہین گے، مصارف پیدائش کم ہوجانے سے نفع زیادہ ہوگا اسلئے فرقہ آجر کو فائدہ ہوگا، جب فائدہ ہوگا تو لوگون کو نئے کارخانہ قائم کرنیکی ترغیب ہوگی، اسوجہ سے سرمایہ کی زیادہ مانگ ہوگی، اور شرح سود بڑھجائیگی، اس طرح سرمایہ دارون کو فائدہ ہوگا، پیدا کرنیوالون مین باہم مقابلہ ہوگا، اسلئے قیمت اشیا کم کرینگے، اس طرح استعمال کرنے والون کو فائدہ ہوگا، جب کارخانے زیادہ ہونگے تو مزدورون کی طلب زیادہ ہوگی اسلئے انکی مزدوری بڑھجائیگی،

قیمت زر بڑھنے یعنی روپیہ کی قوت خرید زیادہ ہونے سے بہت خراب نتائج پیدا ہونگے اگر اس سے پیدائش مین کمی ہو اور بیکاری بڑھجائی تو اس حالت مین آجر، سرمایہ دار اور مزدورون کو نقصان ہوگا،

جب قیمت زر گھٹتی ہے اور ثمن اشیا بڑھتی ہے تو قرضدارون کو فائدہ ہوتا ہے اور قرضخواہون کو نقصان ہوتا ہے، اس حالت مین بھی قرضخواہون کو وہی تعداد زر واپس ملتی ہے جو وہ قرض دیتے ہین، مگر روپیہ کی قوت خرید کم ہوجانیکی وجہ سے وہ اسقدر اشیا نہین خرید سکتے ہین جسقدر کہ پہلے خرید سکتے تھے، قرضدارون کو ادائگی قرض کے لئے کم اشیا فروخت کرنا پڑتی ہین اسلئے انکو فائدہ ہوتا ہے، قرضخواہون کی بھی کسیقدر تلافی شرح سود بڑھجانے سے ہوجاتی ہے، قیمت اشیاء بڑھجانے سے کاروبار کرنے والون کو نفع ہوتا ہے، اسلئے دوسرون کو بھی ترغیب ہوتی ہے،

مصارف پیدائش اسقدر نہین بڑہتے ہین جسقدر ثمن اشیا بڑہتی ہے، اِسلئے پیدا کرنے والون کو بھی نفع ہوتا ہے، پروفیسر ایلی (Proff: Ely) کے نزدیک ثمن اشیاء بڑہجانی سے لوگون کو پیدائش کے نئے طریقہ آزمانے کا موقع ملتا ہے، اور نظام صنعت و حرفت و روایات و رسم و رواج کی پابندی سے اس حالت مین آزاد ہوجاتا ہے، ثمن اشیاء بڑہنے کا بہت بڑا نقص یہ ہے کہ جب قیمت اشیاء بڑہتی ہے تو پیدا کرنے والون کو نفع ہوتا ہے جسکی وجہ سے بڑا شروع ہوجاتا ہے، ناتجربہ کار اشخاص کو بھی کارخانہ جاری کرنیکا سودا ہوجاتا ہی، اور اکثر وہ قرض لیکر جو بآسانی ملجاتا ہے، کارخانہ جاری کردیتے ہین، یہ کارخانہ اکثر اچھے کاریگرون کے (مزدوری) کے نہ ملنے اور کثرت پیدائش ہوجانیکی وجہ سے ٹوٹ جاتے ہین، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کاروبار مین نازک حالت پیدا ہوجاتی ہے جس سے ملک پر نہایت خراب اثرات پڑتے ہین، محدود آمدنی والون کو بھی نقصان ہوتا ہے، قیمت زر چونکہ گھٹ جاتی ہے، اسلئے وہ اسقدر اشیاء نہین خرید سکتے ہین جسقدر کہ پہلے خرید سکتے تھے، اشیاء استعمال کرنیوالون کو بھی قیمت بڑہجانے سے نقصان ہوتا ہے، مزدوری پیشہ لوگ بہت خسارہ مین رہتے ہین چونکہ مزدوری ثمن اشیاء کی بڑہنے کے تناسب سے نہین بڑہتی ہے، وہ ضروریات زندگی نہین خرید سکتے ہین اِسلئے ان مین شورش پیدا ہوجاتی ہے جسکے نتائج بہت خراب ہوتے ہین،

قیمت زر کی کمی بیشی کے نتائج جو ہم نے لکھے ہین، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسمین خوبیان بھی ہین اور نقائص بھی ہین، بعض اصحاب کمی کو اچھا سمجھتے ہین اور بعض بیشی کو، لیکن اعتدال کی صورت سب سے زیادہ اچھی ہے، یعنی قیمت زر نہ بہت زیادہ نہ بہت کم بلکہ یکسان حالت مین رہے،

———•———

ایرانی تمدّن

(از مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین)

ایران نہایت قدیم ملک ہی لیکن اسکے حالات بہت کم معلوم ہین،

الہیات | قدماء ایران، دوسرے آریون کی طرح قواے فطرت اور منیرا (آفتاب) کی پرستش کرتے تھے، لیکن حکیم زرتشتر (زردشت) نے ایک جدید مذہب نکالا، جو مجوسیت کے نام سے تمام عالم مین مشہور ہے، اس نے کائنات کی اصل دو چیزون کو قرار دیا، اہرمزد جسکو نور اور اچھائی کا دیوتا کہتے ہین، اور اہرمن جسکو انگرامینو، دیو اور برائی کا دیوتا کہتے ہین، مجوسی اہرمزد کو خبیر، خالق، منور، عظیم، رحیم، کامل، ذکی، جمیل، اور طاہر مانتے ہین، اور اسکی طرف اچھی چیزون کو منسوب کرتے ہین، مثلاً آفتاب، نور، ستارے، زندگی، طہارت، عمل، حقیقت، اخلاق، شراب، پانی، اناج، سایہ دار درخت، پالتو جانور، مرغ، کتا اور روشنی مین رہنے والے پرندے، اس نے پیدا کئے ہین، اسکا ایک لشکر ہے جسمین ملائکہ طیبین (یازاستا) داخل ہین،

اہرمن یا انگرامینو (روح عذاب) کو رب الشر سمجھتے ہین اور اسکی طرف تمام بری چیزون کی خلقت کو منسوب کرتے ہین، مثلاً رات، سردی، میدان، زہریلی نباتات، موت، کسل، جھوٹ، گندگی، سانپ، بچھو، مینڈک، چوہے، چیونٹی، درندے، مچھر، مکھی، پسّو وغیرہ، اسکے لشکر مین شیاطین (دیو) کو مانتے ہین،

اہرمزد اور اہرمن مین ہمیشہ جنگ رہتی ہے، اور آخری زمانہ تک جسکی میعاد ۱۲۰۰۰ برس ہے، یہی حالت رہیگی، پھر اہرمزد غالب آجائیگا، یہ ژند و پاژند و اوستا کی روایت ہے، اور کتابون سے معلوم ہوتا ہے کہ مجوسی آفتاب و ماہتاب کی پرستش کرتے ہین[۱]، اور ۵ چیزون کو

[۱] ... الدار صفحہ ...

قدیم مانتے ہین جو حسب ذیل ہین، خدا، شیطان، ہیولیٰ، زمان، مکان[1]، اور وہ انبیاء کے بھی قائل ہین[2]۔

رب الخیر کی پرستش کرتے ہین، لیکن ہیکل، عبادتگاہ یا مذبح نہین بناتے اور اسکو کفران نعمت سمجھتے ہین، کیونکہ انکا یونانیون کی طرح یہ عقیدہ نہین ہے کہ خدا انسانون کی طرح کوئی صورت رکھتا ہے۔ ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق مجوسی جھوٹ کو باعث ننگ سمجھتے ہین، قرض کو اسلئے برا سمجھتے ہین کہ قرضدار کو ضرورتاً جھوٹ بولنا پڑتا ہے، شادی کرنے کا مقصد افزائش نسل سمجھتے ہین جسکی بدولت انسان موت سے جہاد کرنیکے قابل ہوتا ہے، چنانچہ ژند اوستا مین ہے کہ "وہ گھر سب سے برا ہے جو نسل اور اولاد سے محروم ہے"

مرنے کے بعد انسان کا جسم رب الشر کے پاس جاتا ہے اسلئے وہ اپنے مکان سے میت کو بہت جلد خالی کردیتے ہین، وہ مردون کو نہ جلاتے ہین، نہ دفن کرتے ہین، اور نہ ڈبوتے ہین، کیونکہ اس سے مکان، زمین، اور دریا ناپاک ہوجاتا ہے، بلکہ اسکو ایک بلند مقام پر رکھکر چلدیتے ہین، جہان کتے اور شکاری پرندے آکر اسکو نوچ ڈالتے ہین اور وہ بالکل پاک ہوجاتا ہے،

میت کی روح تیسرے دن شینواد (صراط) پر جاتی ہے جو جہنم سے گذرتا ہوا جنت کو گیا ہے، یہان اہرمزد اسکی زندگی کے حالات پوچھتا ہے، اگر اچھی روح ہوتی ہے تو کتون کی روحین اور پاک روحین اسکا ہاتھ پکڑکر صراط کو عبور کرادیتی ہین، اور وہ پردوس (فردوس) کو چلا جاتا ہے، اور اگر بری روح ہوتی ہے تو شیطان اسکو ڈھکیل دیتے ہین، اور وہ جہنم مین گرجاتا ہے جہان روح شر اسکو قعر ظلمات مین مقید کردیتی ہے،

مجوسیت کے ایک فرقہ کے نزدیک جسکا نام سیسانیہ ہے، آگ کی پوجا منع ہے، شراب

---

[1] طبقات الامم صفحہ ۲۶ [2] شہرستانی صفحہ ۸۰ جلد ۳،

حرام ہے، ماں، بیٹی، بہائی محرمات مین ہین، مردہ حرام ہے، اور آفتاب کو ایک گہنٹا ٹیک کر سجدہ مستحسن ہے[1]،

ثنویہ کے نزدیک نور وظلمت قدیم ہین، مانویہ کے نزدیک مال پر عشر ہے، چار وقت کی نماز فرض ہے، کذب، قتل، سرقہ، زنا، بخل، سحر، بت پرستی ممنوع ہے، انبیاء بنی اسرائیل (حضرت موسیٰ کے سوا) زردشت، پولس اور ہندوستان کے تمام رشی پیغمبر ہین[2]، مزدکیون کے نزدیک ارکان عالم تین ہین، پانی، آگ، زمین، انہین کی آمیزش سے مدبر خیر وشر پیدا ہوئے ہین، مخالفت، بغض، اور لڑائی منع ہے، عورتین سب کے لئے حلال ہین، اور مال مین سب کا حق ہے، دیصانیہ کے نزدیک نور وظلمت کی متحدہ علیحدہ جنسین ہین، نور کی سمع، بصر اور حواس ایک ہین، اسکی سمع ہی بصر ہے، بصر ہی سمع ہے، اور بصر ہی حواس ہے، کینویہ، اور صیامیہ کے نزدیک آگ کی عبادت ضروری ہے، نکاح اور ذبیحہ حرام ہے، تجرد شرط ہے اور عمدہ کہانے مکروہ ہین[3]،

فلکیات قدیم دستور کے مطابق مسلمانون نے علم الفلک مین اہل فارس کے بہت سے کارنامے بیان کئے ہین اور لکہا ہے کہ انکے حرکاتِ کواکب مین بہت سے مذہب تھے، جنمین سے ایک قدمار کا مذہب ہے، جسکے مطابق ابو معشر نے زیچ کبیر تیار کی ہے[4]، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اہل فارس کا کوئی مستقل مذہب نہین ہے، ایران کی سب سے قدیم زیچ زیکِ شترایار (زیچ شہریار) ہے، لیکن اسکے اکثر اصول وقواعد سوریہ سدہانت سے ماخوذ ہین جو مسیح سے ۵۰۰ برس پہلے ہندوستان مین تصنیف ہوئی تھی، مثال کے طور پر ادوار ہزارات کو لیجئے، اسمین عالم کی مدت ۳۰ لاکہہ ۶۰ ہزار سال بتلائی جاتی ہے، اس مدت کے ابتداء وساطِ کواکب، راس حمل مین جمع

---

[1] شہرستانی صفحہ ۸۰ [2] ایضاً صفحہ ۸۶، [3] ایضاً صفحہ ۱۹ جلد ۳ [4] طبقات الامم صفحہ ۴۲،

ہوجاتے ہین، لیکن انکے اوجات اور جوزہرات نہین جمع ہوتے[۵] ۴۳ لاکھ ۲۰ ہزار سال ۴ ارب ۳۲ کرور کا ۱۰۰۰ وان حصہ ہے جسکو برہمسپھٹ سدہانت مین اصل حساب قرار دیا گیا ہے۔

جس طرح آریہ بہٹ نے آسانی کے لئے کلپ کی معیاد کو چند یگون مین تقسیم کرلیا ہے، اسی طرح ایرانیون نے بھی اسکو ہزارات مین بانٹ لیا ہے، البتہ اوجات اور جوزہرات کے اجتماع مین انہون نے اختلاف کیا ہے لیکن اسکی وجہ یہ ہے کہ انھون نے اہل بابل کی تقلید کی ہے، چنانچہ بروسوس بابلی (Berosos) نے جو مسیح سے ۲۷۵ برس پہلے موجود تھا، اس قسم کے بڑے قرانون کے متعلق اپنے بزرگون کا ایک مذہب نقل کیا ہے جو سینیکا لاطینی (Seneca) کی کتاب "سوالات فطری" (Naturales Quaestiones) مین درج ہے، اسکا ماحصل یہ ہے کہ جب آفتاب، ماہتاب، اور کواکب خمسۂ متحیرہ، برج جدی مین جمع ہوجاتے ہین تو طوفان آجاتا ہے اور جب برج سرطان مین جمع ہوتے ہین تو آتشزدگی ہوتی ہے"، اسمین اوجات اور جوزہرات کا کوئی ذکر نہین ہے،

اسی طرح زیچ حاکمی مین ابن یونس مصری المتوفی ۳۹۹ھ نے جو یہ نقل کیا ہے کہ ۶۳۰ھ مین فارسیون نے رصد سے معلوم کیا تھا کہ اول حمل مین اوج شمس کا طول ۸۰ درجہ ہے" وہ کوئی نیا خیال نہین بلکہ زیچ شہریار سے مطابقت رکہتا ہے، جو تقریباً انہین سنون مین لکھی گئی تھی اور یہ وہ خیال ہے جو خود سوریہ سدہانت مین موجود ہے، اس قسم کی موافقت اور ادوار ہزارات کے استعمال کو دیکھکر پروفیسر السینیو رکرلونلینو لکھتے ہین،

ان وضع الزیج الفارسی بنی علی قواعد ... یہ فارسی زیچ ایسے اصول وقواعد پر مبنی ہے جو زیادہ تر واصول اغلبہا ھندیۃ .... ہندوستان کے ہین،

---

[۵] طبقات الامم صفحہ ۲۰،

ہم اس سے بیخبر نہین ہین کہ تعدیل کواکب مین ایران کا ایک جدا طریقہ تھا جو ہندوستان اور بابل سے بالکل مختلف تھا[۱] تاہم یہ فروعات ہین اور ہمکو اصول سے بحث ہے،

زیچ شہریار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایران کے علماے فلک دن کی ابتدا آدھی رات سے کرتے تھے، حالانکہ عموماً فلکی علما دوپہر سے کرتے ہین، (الآثار الباقیہ للبیرونی صفحہ ۶)

طبیعیات | کیومرثیہ کے نزدیک کائنات ایک انسان (کیومرث) اور ایک حیوان بیل سے پیدا ہوئی ہے، اور قدیم آبادی جو یزدان واہرمن کی صلح سے پہلے تھی فنا ہوگئی ہے،[۲] زروانیہ کے نزدیک آسمان ایک ٹھوس چیز ہے، جسکو چیر کر اہرمن ادہر گیا تھا۔ (شہرستانی صفحہ ۵۷)

عمرانیات | ڈاکٹر مرزا مہدی خان ایرانی کے تحقیق کے مطابق دارا نے ڈاک کا محکمہ ایجاد کیا، لشکر کے ٹکڑے کئے، ہر صوبہ مین دو حاکم مقرر کئے، ایک کے متعلق شہر کا انتظام اور دوسرے کے متعلق فوج کا اہتمام تھا، یہ دونون ایک دوسرے کے جاسوس ہوتے تھے اور ہر ہفتہ دارا کے پاس ایک رپورٹ بھیجا کرتے تھے،

سوس اور برسوپولیس (اصطخر) مین دارا کے شاہی عمارات کے کچھ آثار باقی ہین، جن سے اس زمانہ کی صنعتی ترقیون کا پتہ چلتا ہے، فارسیون کا طرز عمارت اشوریون سے بہت مشابہ ہے، وہ محل پر پتھر کے شیر بناتے تھے، انھون نے سب سے پہلے رخام کو اینٹون کی جگہ استعمال کیا، منقش لکڑی کی چھتین بنائین اور پتلے ستون ایجاد کئے،[۳]

علوم وفنون | طب اور نجوم پر فارسیون نے خاص توجہ کی تھی اور نوشیروان نے جندیسابور (شاہاباد) مین بہت سے طبی مدارس قائم کئے تھے،[۴] نجوم کی تحقیقات کیلئے زمانہ قدیم سے رصدخانے قائم تھے تاہم ایرانیون نے نہ صرف نجوم بلکہ تمام علوم مین کوئی خاص ترقی نہین کی بلکہ وہ قدماء ایران، بابل، یونان، روم، سریان اور ہندوستان کے علوم کے صرف مقلد اور محافظ رہے،

[۱] تاریخ الحکما قفطی صفحہ ۲۷۰، [۲] شہرستانی صفحہ ۵۴، جلد ۲، [۳] تاریخ الحضارۃ صفحہ ۷۰، [۴] علم الفلک صفحہ ۱۸۰ -

مترجمات

فلسفۂ امن

موسیو پال رچرڈ ایک فرنچ فلسفی ہین جو تمام دنیا کی سیاحت کر چکے ہین، اور قدیم ہند و فلسفہ سے خاص شغف رکھتے ہین، وہ ایک مدت سے ہندوستان کے نامور صوفی و فلسفی اربندو گھوش کی صحبت مین رہتے ہین، سنہ ۱۷ء مین جبکہ جنگ یورپ اپنے شباب پر تھی انھون نے فرنچ زبان مین ایک کتاب شایع کی جسکا انگریزی ایڈیشن حال مین (To the nation) کے عنوان سے رابندر ونا تھ ٹیگور کے مقدمہ کے ساتھ شایع ہوا ہے کتاب اردو کے قالب مین بھی مولوی عبد الماجد صاحب کی وساطت سے مع ایک مبسوط و مفصل مقدمۂ مترجم کے اضافہ کے آرہی ہے ذیل مین اسکے مباحث کا خلاصہ جو مسٹر گاندھی نے تیار کیا ہے درج کیا جاتا ہے،

وہ زمانہ آرہا ہے، جبکہ انسان بھیڑ بکری کی طرح بآسانی ذبح ہوجانے سے تنگ آکر اپنے تئین ارباب حق کی رہنمائی مین دیدینگے کہ عدل حقیقی کا یہ فرمان صادر ہوچکا ہے، کائنات کی شکل ایک حلقہ کی ہے، جزا و معاوضہ کا قانون ہرجگہ جاری ہے، ہر فعل اپنے فاعل کے لئے ایک ثمرہ رکھتا ہے، کوئی شئے ضایع نہین ہوتی، ہر شئے محفوظ و مجتمع ہوتی رہتی ہے، قوت اپنی جانب قوت کی کشش کرتی ہے، جیسے رعد کو رعد سے میل ہوتا ہے، یہی سبب ہے کہ آج یورپ اس آفت مین مبتلا ہے جو خود وہ بارہا دوسرون پر نازل کرچکا ہے، یہانتک کہ آج جو بالکل بیگناہ معلوم ہورہے مین وہ بھی حقیقۃً ایسے نہین ہین، ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ دوسرون کے پنجہ سے مظلومون کو آزاد کرائے لیکن درحقیقت تمام فریق ایک دوسرے کو ہلاک کرکے کل مظلومون کو آزادی دلا رہے ہین -

بڑی بڑی قومون کی بربادی ضروری تھی، نہ اسلئے کہ دنیا کو فلان فلان ظالم حکومت سے آزادی حاصل ہو، بلکہ اسلئے کہ جو لعنیت دنیا پر غالب تھی، اس سے اُسے نجات دلائے، آج دنیا اس طلسم مین گرفتار ہے کہ ہر فریق اپنے تئین "فاتح" سمجھتا ہے، درآنحالیکہ اس جنگ مین جو ہر فریق کی تباہی و بربادی کے مرادف ہے، "فتح و کامیابی" کے کوئی معنی ہی نہین، ابھی معلوم نہین کتنی فتوحات ہر فریق کو حاصل ہونگی، جب جاکر ہر فریق کی شکست تکمیل کو پہنچ سکیگی، چنانچہ یہ جو فتوحات کامیابیان مونی دکھائی دے رہی ہین، یہ وہ نہین جنکی فریق کامیاب کو آرزو تھی بلکہ یہ فریقین کی تباہی و بربادی کے وہ مدارج ہین جنکے بغیر انسانی ترقی ممکن نہ تھی،

خود فریبیون کا طلسم ٹوٹ چکا، صلح ہو نیوالی ہے، وہ خود غرضانہ توقعات کو پورا نہین کرنے کی، اسلئے کہ دول یورپ کا باہمی جنگ وہ جنگ ہے، جو سب سے بڑی طاقت ان سب کے خلاف کر رہی ہے، ہان اسلئے کہ یہ جنگ کسی نہ کسی صورت مین برابر جاری رہیگی تاآنکہ جوہر انسانیت کو پامال کرنے والا دیوتا جو اسوقت نظام عالم کو درہم و برہم کرنے مین مشغول ہے، رحم کی التجا کرنے لگے تاآنکہ آیندہ نظام عالم کی عمارت بجاے باہمی منافرت و عناد کے باہمی معاونت و اتحاد پر قائم ہو، خانہ جنگی کا بازار ابھی تو یورپ ہی مین گرم ہے، لیکن اگر ضرورت باقی رہی تو کوئی دن جاتا ہے کہ یورپ کے ہر ملک مین یہی آگ شعلہ زن ہوگی،

بہترین کا وجود ہمیشہ بدترین سے ہوتا ہے، لیکن بدترین مرتبہ تک ابھی ہم پہنچے کب ہین؟ اسقدر تو بہرحال یقینی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ دوسرے محاربات کی طرح نہین ہوگا، اس جنگ کے خاتمہ کی صرف یہی صورت ہے کہ موجودہ نظامات کی زندگی ختم ہوجائے،

یہ کہنا تو دشوار ہے کہ چھوٹی قومین خود یورپ مین غلامی کی حالت مین ہین، انہین یہ جنگ اتنی جلد آزادی دلادیگی، تاہم یہ یقینی ہے کہ افریقہ و ایشیا کی بڑی بڑی قومون کی رہائی و خلاصی کا

وقت روز بروز قریب آرہا ہے۔ یہ قومین خواہ باہم کتنی ہی مختلف ہون، تاہم اشتراک مظلومیت نے سب کو یکدل بنا دیا ہے۔ اب صرف ایک ہی روح ہے جو ان سب کے قالبون مین ہے، یعنی اپنے ماضی کی عظمت اور مستقبل کی حریت کا احساس، جو ان قومون کو اب معلوم ہو جائیگا کہ ضعیف العمر قومون کے ساتھ ظلم و تحقیر اور شیرخوار قومون کے ساتھ بیدردی و شقاوت کا برتاؤ آیندہ نہین چل سکتا کانگو مین بلجیم کے مظالم کا اعادہ اب نہ ہوگا، بھلا یہ کسی طرح ممکن تھا کہ یورپ کے غلام ساری دنیا مین تو پھیلے ہوئے تھے اور یورپ مین نہ ہوتے! قدیم غلام نہ تھے ہی جدید غلام خود انکے وطن مین پیدا ہو گئے، زمانہ کی نیرنگیان دیکھو کہ اس جنگ حریت نے خود یورپ مین ان قومون کو طوق غلامی پہنا دیا جو کل تک آزاد تھین، کل اس صبح سعادت کا طلوع یقینی ہے، جب یہ قدیم و جدید غلام سب آزاد ہونگے، اور یورپ کی کل قومین عام اس سے کہ حاکم ہون یا محکوم اس بڑے موذی دشمن کو زیر کر چکی ہونگی جس نے انکے باطن کو غلام بنا رکھا ہے،

یورپ کے اکثر ممالک مین انقلابات ہونگے، یہ قول ہر زبان پر ہے اور یہ توقع ہر دماغ مین ہے یورپ کی تلوار کو خود یورپ پر برابر چلتی رہنا چاہیئے، یہانتک کہ وہ ہر قوم کے قلب کے آر پار ہو جائے، اور جو عنصریت اسکے اندر سکونت رکھتا ہے وہ ہلاک ہو جائے،

حکومتین بجائے خود وہ امراض نہین جنمین اقوام مبتلا ہین، تاہم ان امراض کا ظہور، اور انکی تشکیل حکومتون ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے، حکومتین گویا انکا مجسمہ ہوتی ہین، اور قوم کی آواز حکمرانین ہی کے اعمال کی وساطت سے ظاہر ہوتی ہے، لیکن جب قوم کو تنبہ ہوتا ہے اور وہ تلافی مافات کرنا چاہتی ہے تو عہد سابق کی ہر یادگار کو پامال کر ڈالتی ہے، اس انقلاب کے وقت وہ ان بتون کو توڑنے لگتی ہے، جن بیچارون کا کوئی قصور نہین ہوتا، تاہم یہ بت توڑے ضرور جاتے ہین،

اس انتقام کی زد سے حکومتون کے محفوظ رہنے کا طریقہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی پیشتر سے

رعایا کی ہم آہنگ ہوجائین، لیکن کیا یورپ کی کوئی حکومت اسکے لئے آمادہ ومستعد ہے؟ ہر حکومت دوسری حکومتون سے جو سازد باز اور تعلقات رکہتی ہے، وہ خود ہی اس راہ مین سب سے زیادہ مانع ہونگی، اسلئے اس باب مین اقوام یورپ ہی کو اقدام کرنا چاہیئے، ورنہ وہ قومین جنہین یورپ اسوقت جانورون کی طرح ہانکتا چلا جارہا ہے، ایک دن یقیناً پلٹ کر خود اسی پر حملہ کردینگی، اور یورپین حکومتون کو پہاڑ کہائینگی، ایک روز ان سب مفتوحہ قومون کا قومی خود غرضی کے اس مردار خوار عقاب کے ہلاک کرنے پر متحد ومتفق ہوجانا یقینی ہے جواسوقت انکو اپنا طعمہ بنائے ہوئے ہے،

یہ جنگ در اصل ہجوم مادیات کے عقب مین غیر مادیات کی جنگ ہے، یہ نظارہ بھی قابل دید ہے کہ یورپ کی صدیون کی عظمت وکامرانی کے بعد آج وہان کی قومون کو اپنی ناانصافیون کی قیمت ادا کرنی پڑی ہے، قتل وہلاکت کی لعنت ان پر برابر مسلط رہیگی، تاآنکہ انکے نفوس مین حیات انسانی کا شرف واحترام پیدا ہو، تاآنکہ وہ ایک جدید فلسفۂ زندگی کو قبول کرین، جب تک اشیار مین تغیر ہوگا اشخاص مین تغیر پیدا کرنا بے نتیجہ ہے، اور جب تک اشخاص مین تغیر ہو محض اشیار کی اصلاح لاحاصل ہے، اصل نکتہ یہ ہے کہ اشیار واشخاص دونون کی رُوح (اسپرٹ) مین اصلاح ہو، مقصود یہ ہے کہ ہر قوم اپنی روح کے اندر انقلاب پیدا کرے، مدعا یہ ہے کہ کائنات جدید کا احساس ہر نفس مین پیدا ہو،

ہر قوم مین کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہین جنکا تعلق کسی مخصوص قوم سے نہین ہوتا بلکہ وہ خدمت خلائق کے لئے پیدا ہوتے ہین، وہ ملک کی خدمت سے بڑھکر انسانیت کی خدمت کو اپنا فرض جانتے ہین، یہی وہ افراد ہین جنکی جانب نوع انسان کی آنکھین اسوقت لگی ہوئی ہین، یہی وہ افراد ہین جن سے عالم انسانیت کو اپنی مظلومیت کی دادرسی کی توقع ہے، ان اشخاص کا فرض ہے کہ اب اٹھین اور دنیا مین عدل وانصاف کی منادی کردین،

اخلاق کا قانون، افراد و اقوام دونون کے لئے ایک ہی ہے، ہر قوم کو اپنے تئین اسی ضابطہ اخلاق کا پابند سمجھنا چاہیئے جسکی پابندی وہ افراد پر عاید کرتی ہے، جس فعل کا ارتکاب ایک فرد کیلئے جرم ہے، اسکا ارتکاب قوم کے لئے بھی جرم قرار پانا چاہیئے، اگر فرد کے لئے ضعیف و کمزور پر ہاتھ اٹھانا، اور اسکی تذلیل کرنا جرم ہے تو ملک و قوم کے لئے بھی یہ افعال جرائم ہین،

سچا محب وطن وہ ہے جو ان افعال کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے جو دوسرون مین فخاری و تعلی کے جذبات پیدا کر دیتے ہین، سچا وطن پرست وہ ہے جو وطن کے لئے ناجائز ذرایع سے حاصل کی ہوئی دولت پر ماتم کرتا ہے، اسلئے ان طریقون سے ایک حقیقی محب وطن کے دل مین وطن کی دولت و عظمت کا نہین بلکہ افلاس و ناداری کا نقش بیٹھتا جاتا ہے، اور اسکی نظر مین وطن کی یہ صورت پھرنے لگتی ہے کہ وہ حقیقۃً حسن و لباس سے بالکل معرّیٰ ہے۔ اور اسکے بجاے بداخلاقی و بدکرداری کے ملبوسات زیب تن کئے ہوے ہے،

فرد و قوم کی حقیقی عظمت کا معیار یہ امر ہے کہ اسکا نصب العین کتنا بلند ہے، اور اسکے مطابق اسکا عمل کس حد تک ہے، عمل کی شرط لازمی ہے، اسلئے کہ نصب العین عموماً عملی زندگی کے بالکل مخالف رکھا جاتا ہے، خود وہ دنیا جو اسوقت فنا ہو رہی ہے، اسکا نصب العین کیا تھا؟ جہانتک زبان و الفاظ کا تعلق ہے، اس سے بہتر و بلند تر نصب العین شاید کسی کو نہ نصیب ہوا ہو، یعنی حریت عدل، سائنس، ترقی، تمدن، وقس علی ہذا۔ لیکن اگر عملی حیثیت سے نظر کیجئے تو اس سے عمیق تر قعر مذلت کی نظیر بھی نہ ملیگی۔

ابتک قومون کا "نصب العین" اقتدار رہا ہے، اور وہ بھی مادی، ہر شے جب تک شمار و عدد مین نہ آسکتی ہو کسی شمار و قطار مین نہ تھی، تلقین و تعلیم کا ماحصل یہ تھا کہ "حاصل کرو اور تسخیر کرو" چنانچہ اس نظام عمل پر پوری طرح عمل بھی ہوتا رہا۔ یہانتک کہ روے زمین کو انھون نے باہم

تقسیم کرلیا، اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے تہا،

وہ دنیا جو اسوقت فنا ہورہی ہے، اس نے کائنات مادی پر پورا تسلط و تصرف کرلیا تھا یہانتک مضائقہ نہ تہا، لیکن چونکہ اس نے اپنی زندگی تمامتر مادیات مین محدود رکہی، بالآخر مادہ سے ٹکرا کر پارہ پارہ ہورہی ہے،

قومی عظمت کا صحیح معیار رقبہ نہین ہے، حقیقی عظمت قابل پیمائش شے نہین، ہر قوم کا نصب العین بیشک نمو اور پہیلاؤ ہونا چاہیئے، مگر وہ پہیلاؤ سطح ارض کے طول و عرض کا نہین، بلکہ اپنی قد و قامت کی بلندی کا، سب سے زیادہ معزز ملک وہ ہے جسمین انسانیت اپنے منتہاے بالیدگی پر پہنچ چکی ہوتی ہے،

قوم متمول وہ ہے جس نے کوئی جدید شاہراہ ترقی دریافت کی ہے، جس نے کوئی اعلیٰ اصول سیاست پیش کیا ہے، قوم کی شوکت و اقتدار کا اصلی معیار صرف یہ ہے کہ اُس نے دنیامین روشنی کہانتک پہیلائی، قوم صرف اسی وقت زندہ رہ سکتی ہے، جب تک وہ نوع انسان کی خدمت کرتی رہتی ہے، اور جونہی وہ اپنی خدمتگزاری سے دستکش ہونے لگتی ہے، وہ قوت جسکے بل پر اسکی زندگی قائم تہی اس سے منفک ہوجاتی ہے، اسی وقت سے قوم بھی گرنے لگتی ہے، تاآنکہ اسکا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے، اسلئے کہ اب اسکا وجود، انسانیت کے حق مین غیر مفید رہجاتا ہے،

روے ارض جو سو ملکون مین تقسیم ہے، حقیقتہً یہ سو مختلف ممالک نہین، بلکہ ایک ملک ارض کے سو صوبے ہین، اور سو قومین جو ان مین آباد ہین وہ نسل انسانی کے سو خاندان ہین، لیکن کوئی قوم اس رشتہ کو نہین تسلیم کرتی، ہر قوم اپنا مستقل بالذات وجود سمجھتی ہے، اور اکثر ایک دوسرے کے وجود سے بالکل بے التفات رہتی ہین، اور انکو کبھی آپس مین مل جل کر رہنے کا

خیال تک نہین آتا۔

لیکن چند قومین ایسی بھی ہین جو دوسرون کے وجود سے بیخبر نہین، بلکہ جو دوسرون کی کافی خبر رکھتی ہین، ان قومون کی خود غرضی جامد و ساکن نہین، انکو تمام دنیا کی خبر رہتی ہے، اسلئے کہ اُنکے اغراض سب سے وابستہ ہین، یہ قومین بیشک جماعت بنا کر رہتی ہین، مگر ایسی جماعت جو صرف "دول عظمی" سے مرکب ہوتی ہے، انکے نزدیک "ترقی" کا مفہوم یہ ہے کہ انہین اپنے اعمال حرص و ہوس مین کامیابی ہوتی رہے،

انکی اصطلاح مین بربریت و وحشت کا اطلاق اس حالت مین ہوتا ہے، جبکہ اسلحہ جدید ترین طرز کے ہون، اور تمدن کی اصلی شناخت یہ ہے کہ اسلحہ کی طاقت سے امن قائم رہے، لیکن اگر کمزورون پر جنگ ہوتی ہے تو کچھ مضائقہ نہین، اور سب سے بڑھکر یہ کہ روز بروز زیادہ مہلک و برباد کن آلات تیار ہوتے رہتے ہین،

دنیا کے ہر میدان جنگ مین غالب یا مغلوب کی حیثیت سے انہون نے اپنی مشترک زندگی اور مشترک موت کا ثبوت دیا ہے، اور اپنا خون بہا بہا کر ایک ناخوشگوار حلقۂ اخوت قائم کیا ہے، لیکن بالآخر ایک روز یہ خود باہمی منافرت سے نفرت کرنے لگین گے،

جو درجہ قوم مین فرد کا ہوتا ہے وہی قوم کا نوع انسانی مین ہونا چاہیئے، فرد کی طرح ہر قوم کے جیسے فرائض ہین ویسے ہی حقوق بھی ہین، وقت آگیا ہے کہ افراد کے لئے جن فطری حقوق کے منادی کرنے کا شرف اولیت فرانس کو حاصل ہے، یعنی حریت، مساوات و اخوت، انہین حقوق کی اشاعت باشندگان ارض کے لئے بھی کیجائے، ہر قوم کو خواہ بڑی ہو یا چھوٹی، اپنی زندگی اور اپنی بالیدگی کے لئے پوری آزادی ملنا چاہیئے، کہ ہر قوم اپنے مذاق و مزاج کے مطابق اپنا نشو و نما کرسکے، حق کے سامنے تمام اقوام مساوی ہین، پس نوع انسان کے پارلیمنٹ مین چند منتخب اقوام کی مخصوص

مداخلت کا کوئی حق نہین، بلکہ اسپر تمام اقوام کا یکسان حق ہے، تمام اقوام ایک دوسرے کے بھائی بہن ہین، اور سب کے سب مادرگیتی کی اولاد ہین، وہ دن دور نہین جب ہر شخص روے زمین کے تمام ممالک کو اپنا وطن سمجھنے لگیگا، اور جس ملک مین قدم رکھیگا اسے خاندان انسانی کا مسکن پائیگا۔

کیا یہ نصب العین ضرورت سے زاید بلند ہے؟ کیا اسپر عملدرآمد کی توقع موہوم ہے؟ کیا اقوام سے یہ توقع رکھنا موہوم ہے کہ وہ متمدن اقوام بن کر رہین، متمدن افراد کے اصول اخلاق پر عامل رہین، اور اس طرح شقاوت و بربریت کا جوا جو ان سب کے لئے بارگردن ہو رہا ہے اس سے ایک دوسرے کو نجات دلائین،

اگر حریت، مساوات و اخوت کا سررشتۂ اصول قابل قبول نہین، تو اقوام موجودہ کے لئے مستقبل مین بجز جنگ، بربادی اور غلامی کے کوئی حصہ نہین، انکا اختیار ہے کہ وہ خواہ جنگ اور قتل کی آہنی زنجیرون مین بندھا ہوا اتحاد قبول کرین یا امن و آشتی کے آزادانہ برکات اتحاد سے فائدہ اٹھائین،

امن و صلح، من و سلوی کی طرح آسمان سے اُترنے والی چیز نہین، یہ انسانیت کا معلول و ثمرہ ہے لیکن خود انسانیت سے ابھی تک قلب انسانی ناآشنا تھا، امن کبھی قوت اور زبردستی کی بنا پر نہین پیدا ہوسکتا، جس طرح لینت و ملاطفت کی تخلیق کبھی ظلم و جبر سے نہین ہوسکتی، پس جنگ کی قوت سے قیام امن ناممکن ہے، لیکن ساتھ ہی دوسری طرف فرقۂ مخالفین جنگ کی کمزوریان بھی قیام امن مین بے بس ہین، اس فرقہ کی کوششین باوجود اسقدر امید افزا دعادی کے جتنی ابکی ناکام رہی ہین شاید پہلے کبھی نہین رہین، امن کا مندر تعمیر کیا گیا، لیکن اسی وقت سے دنیا کی ہولناک ترین جنگ شروع ہوگئی، لیکن آخر اس یورپین کوشش انسداد جنگ کی ناکامی

سبب ؟ سبب صرف یہ ہے کہ اسکا دائرہ صرف یورپ تک محدود رکھا گیا، اس کوشش کا مقصد یہ نہ تھا کہ ساری دنیا، ساری دنیا کے ساتھ مصالحت رکھے بلکہ محض یہ خود غرضانہ خیال تھا کہ خود صلح و امن سے بسر کر سکیں، اس وہم باطل کے لئے ناکامی یقینی تھی. قیام امن کی کوشش خارجی ذرایع سے کیگئی، حالانکہ صلح و امن کسی خارجی علت کے معلول نہین ہو سکتے، اسکی بنیادین خود نفس انسانی کے اندر ہین، جنگ کی آفرینش نفس انسانی کے اندر ہوتی ہے، جب وہ انسانیت کی تحقیر کرنے لگتا ہے، امن کی آفرینش بھی نفس انسانی کے اندر ہی ہوسکتی ہے،

قتل و خون ریزی کو ہر حالت مین اور ہر موقع پر حرام قرار دیدینا چاہیئے یہی ایک صورت دنیا سے خاتمۂ جنگ کی ہوسکتی ہے ......

کوئی شخص اسوقت تک انسان نہین کہا جا سکتا جب تک اسمین انسانیت کی روح نہ موجود ہو، یہ انسانیت محض ایک مجرد تصور نہین بلکہ ایک زندہ ہستی ہے، جسکا ایک زندہ جسم ہے اور جسکے اعضا و جوارح اقوام عالم ہین،

وقت آگیا ہے کہ اس زندہ جسم کے لئے سوچنے والے دماغ کی آفرینش کیجائے، اور اسکے لیے ضرورت ہے کہ ہر قوم کے ارباب فکر یکجا ہون .....

تلخیص و تبصرہ

مسیحی دنیا کا ایک عجیب عقیدہ

افسانہ و اساطیر ہر قوم کے خمیر مین داخل ہوتے ہین، اور قصص الانبیا، و عجائب القصص کا وجود مشرق کے لئے مخصوص نہین، بلکہ "روشن خیال" مغربی اقوام مین بھی عوام کا سرمایۂ ذوق اسی قسم کے مذہبی افسانے ہین،

اس نوعیت کی ایک روایت جسپر صدیون تک یورپ کے اعلیٰ حلقون کا ایمان رہا، اور آج بھی عام مذہبی طبقون مین شایع ہے، اسے ایک یورپین مضمون نگار مسٹر ہنری اورم نے رسالہ تھیاسوفسٹ کے دسمبر نمبر مین مختلف طریقون سے نقل کیا ہے،

سب سے زیادہ مشہور صورت روایت مذکور کی یہ ہے کہ جب حضرت مسیح کو سولی کا حکم سنایا جاچکا تو یہ خبر سنکر ایک یہودی موچی نے جس کا مکان راستہ ہی مین پڑتا تھا، یہ خیال کیا کہ مسیح اسکے مکان کے سامنے سے گذرینگے، اس خیال سے وہ جھٹ پٹ مکان دوڑ آیا اور اپنی بیوی اور بچہ کو لیکر دروازہ پر کھڑا ہوگیا تاکہ اس "خادع و مکار" کی شکل دیکھے، حضرت مسیح جب وزنی صلیب سے گرانبار کشان کشان ادہر گذرے تو ذرا دم لینے کے لئے اس موچی کے مکان کے سامنے کھڑے ہوگئے، مگر اس یہودی نے جس کا نام اہسورلیس تھا، فرط تعصب و لبغض سے اور نیز اپنے ہمجنسون مین ناموری حاصل کرنے کے خیال سے فوراً للکار کر کہا کہ اپنی راہ لو، یہان کھڑے ہونے کا کام نہین" اسپر حضرت مسیح نے اسکی طرف دیکھکر کہا کہ "مین کھڑے ہوکر دم لونگا، لیکن تیرے نصیب مین قیامت تک گردش رہیگی،" ان الفاظ کے ادا ہوتے ہی یہودی معاً بچہ کو اپنی گود

تاکہ حضرت مسیح کے پیچھے ہولیا اور انکے مصلوب ہونے کا پورا نظارہ دیکھتا رہا، اسکے بعد بجائے اسکے کہ اپنے گھر مین اپنے اہل وعیال کے پاس واپس آتا، اسکو یہ ذہن سوار ہوئی کہ بلاد غیر کی خاک نوردی کرنا چاہیئے، چنانچہ اسوقت سے لیکر آج تک وہ برابر گردش مین مصروف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اسے سکون وآرام نصیب نہین۔

دوسری روایت مین یون مذکور ہے کہ اس واقعہ کے وقت اسکی عمر ۳۰ سال کی تھی اسکے بعد سے جب اسکی عمر ۱۰۰ سال تک پہنچ جاتی ہے تو پھر از سرنو اسکی زندگی شروع ہوتی ہے اور یہ دور مسلسل برابر قائم رہتا ہے

اس شخص کا وجود محض موہوم و مفروض نہین بلکہ یورپ کے بعض ثقات نے اس سے اپنی ملاقات کا حال بھی بیان کیا ہے، پہلی بار اسکا ظہور شاید سنہ ۱۲۲۸ء مین ہوا تھا، پھر سنہ ۱۲۴۲ء اور اسکے بعد پندرہوین صدی کے آغاز تک برابر اسکا ذکر آتا رہتا ہے، سنہ ۱۵۴۲ء کے موسم سرما کا ذکر ہے کہ ایک ہمبرگ مین جس وقت پادری آئیزن گرجا مین وعظ کہہ رہے تھے، انھون نے دیکھا کہ ایک طویل القامت شخص جسکے بال شانون تک لٹک رہے تھے، برہنہ پا نہایت ادب وتعظیم کے ساتھ دوران وعظ مین برابر کھڑا رہا، اور حضرت مسیح کا نام جب کبھی آیا وہ اپنی گردن انتہائی عقیدت واحترام سے برابر خم کرتا رہا، خاتمہ وعظ کے بعد استفسار حال پر اس نے اپنے تئین یہودی، اپنا نام اہسورس اپنا پیشہ کفش دوزی، اپنا وطن یروشلم بتایا، اور حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کے وقت اپنا موجود ہونا بیان کیا، اور اپنی گفتگو مین اس نے بیسیون تاریخی واقعات بیان کئے۔

اسی طرح اٹھارہوین صدی کے آغاز مین پھر اس شخص کا ظہور ہوا، اور ایکبار لندن مین ہوا، علما نے اس مرتبہ اس سے بے اعتنائی کی لیکن عوام کی گرویدگی برابر بڑھتی رہی اور کیونکر نہ بڑھتی وہ بتاتا تھا کہ حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کی جزئی کیفیات، اور حواریون کے شکل وشمائل

وضع و لباس وغیرہ کے جزئیات جزئیات بیان کرتا تھا، ساتھ ہی مختلف زبانون اور غیر ممالک سے پوری ذاتی واقفیت رکھتا تھا، چنانچہ آکسفورڈ و کیمبرج کے اساتذہ جب اسکی زباندانی وصحت معلومات کا امتحان لینے آئے تو اسکی ذاتی واقفیت سے خود دنگ رہ گئے،

غرض مسیحی دنیا کے عام عقیدہ کے مطابق یہ شخص دو ہزار سال سے زندہ ہے اور قیامت تک دائمی گردش کے ساتھ زندہ رہیگا، تمام دنیا مین اسی طرح برابر چکر لگاتا رہیگا اور اطمینان و آرام کی ایک گھڑی بھی اسے نصیب نہو گی۔

علم الاساطیر کے محققین کا دعوی ہے کہ کوئی افسانہ سرے سے بے بنیاد نہین ہوتا، معلوم نہین اس افسانہ مین واقعیت کا حصہ کس حد تک شامل ہے۔

اعلی تعلیم اور طریق املا

طلبہ کو املا یا لکچر دینے کا طریقہ ابتدا سے موجود ہے، اور اب تو اعلی تعلیم کا ایک غیر منفک جزو بنگیا ہے، یونیورسٹیون اور کالجون مین بجز سائنس کے عملی حصون کے تقریباً ساری تعلیم اسی طریقہ پر دیجاتی ہے، حال مین "ٹائمز ایجوکیشنل سپلیمنٹ" نے "لکچرون کے مقصد" کے زیر عنوان ایک پرمغز مضمون مین اس عام طریقہ پر نظر انتقاد ڈالی ہے،

وہ لکھتا ہے کہ بیشتر لکچر ایسے ہوتے ہین جو بجز اسکے کہ لکچر دینے والے کے لئے وسیلۂ معاش ہین اور کسی کے لئے مفید نہین ہوتے، ان غیر مفید و بیہودہ لکچرون کی دو قسمین ہین،

پہلی قسم مین وہ لکچر داخل ہین جبکہ سامعین کو بجائے لکچر سننے کے اسی مسئلہ سے متعلق کتاب دیکھ لینے سے زیادہ معلومات حاصل ہو سکتے ہون، ایسے لکچر وہ اساتذہ دیتے رہتے ہین جو ممکن ہے کہ اپنے فن مین کامل ہون، لیکن لکچر دینے کے فن سے ناواقف ہوتے ہین اور اس مخصوص فن کے سیکھنے مین

اپنی کسر شان سمجھتے ہین، یہ لوگ گہرے مضامین کی صورت مین لکچر لکھکر لاتے ہین اور طلبہ کے سامنے کتاب کی طرح اُنہین بھی پڑھ دیتے ہین، اس قسم کے ناقص لکچرون کی مثالین موجودہ یونیورسٹیون مین بکثرت ملتی ہین، اور انکے جاری رہنے کا سبب صرف یہ ہے کہ انکا دستور مدت سے چلا آتا ہے اور کبھی اُنکے حسن و قبح پر غور نہین کیا گیا،

دوسری قسم مین ان لکچر دینے والون کے لکچر داخل ہین جو مسائل فن سے ناواقف ہوتے ہین اور جنکی ساری کائنات اتنی ہوتی ہے کہ وہ سامعین مین دلچسپی پیدا کرنے کے چند گر جانتے ہوتے ہین، لکچرون کو دلچسپ بنانے کا سامان یہ لوگ کبھی تصاویر کو بناتے ہین اور کبھی میجک لینٹرن (فانوس طلسمی) کو، لیکن ایسے لکچرون مین تضیع وقت کرنے سے یہ بدرجہا بہتر بلکہ اور زیادہ پرلطف ہے کہ انسان اپنا وقت بائسکوپ دیکھنے مین صرف کرے،

لکچر دینے والے کے لئے لازمی ہے کہ خصوصیات ذیل کا جامع ہو:-

(۱) مسائل فن پر اسے عبور کامل ہونا چاہیئے، اسکے معلومات کم از کم اتنے تو ہون کہ جو کچھ وہ لکچر مین بیان کرتا ہے اسکا دس گنا اسکے دماغ مین محفوظ ہو، جن لوگون کی کائنات کل اتنی ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ لکچرون مین بیان کردیتے ہین، اس سے زیادہ خود انکے ذہن مین بھی نہین ہوتا وہ قطعاً اس منصب کی اہلیت نہین رکھتے،

(۲) اسے لکچر دینے کے اصول و طریقہ سے واقف ہونا چاہیئے، ایک کامیاب لکچرر کے لئے محض وسعتِ نظر و کمال فن کافی نہین بلکہ اسکے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سامعین مین موضوع سے متعلق ذوق بھی پیدا کرسکے، بے شبہہ استاد کا یہ فرض نہین ہوتا کہ وہ لکچر کو سامعین کے لئے سامان تفریح و تفنن طبع بنانے کی کوشش کرے، تاہم اسکا یہ فرض ضرور ہے کہ وہ لکچر کو اس خوش اسلوبی سے دے کہ سامعین کے دلون مین مسائل متعلقہ سے مزید تحقیقات و حصول معلومات کا شوق پیدا ہوجائے،

آخر مین ٹائمز لکھتا ہے کہ

"ایک لکچر کے مقابلہ مین لکچروں کا سلسلہ بدرجہا مفید تر ہوتا ہے اور بہترین صورت یہ ہوتی ہے کہ لکچر ختم ہونے کے بعد حاضرین مزید سوالات کرین اور انکے شکوک رفع کئے جائین، اس طریقہ سے استاد و تلامذہ دونون ایک دوسرے سے مانوس اور مزاج شناس ہوجائینگے نیز اس طریقہ سے تحصیل علم ایک خوشگوار محنت بنجائیگی، سب سے بڑھکر یہ کہ اس ذریعہ سے خود لکچرر کو اسکا اندازہ ہوتا رہیگا کہ اسکے معلومات کن حیثیات سے ناقص ہین اور کہان کہان مزید وضاحت خیال کی ضرورت ہے، اور یون روز بروز وہ اپنے فن مین ترقی کرتا رہیگا، اسمین مستفید و مستفاد دونون کی حیثیات جمع رہین گی اور اسکا کام کبھی خشک و بیمزہ نہوگا، لیکن مقدم شرط یہی ہے کہ وہ لکچر دینے کے اصول اور مسائل فن دونون پر عبور رکھتا ہو"

ٹائمز نے نااہل لکچر دینے والون کی مثال مین آکسفرڈ و کیمبرج یونیورسٹی کے اساتذہ کو پیش کیا ہے لیکن وہان سے کہین زیادہ موزون اور کثیر التعداد مثالین ہندوستان کی تعلیم گاہون مین مل سکتی ہین،

اخبارِ علمیہ

اسوقت شہر لندن کے ابتدائی مدارس مین تقریباً بارہ سو طلبہ ایسے ہین جنکی زبان مین لکنت ہے اور ظاہر ہے کہ امتحانات مین کامیاب ہونے کے بعد بھی ملازمت وغیرہ کے ہر شعبہ مین بمقابلہ ان مریض طلبہ کے ان امیدوارون کو ترجیح دیجاتی ہے جنکی زبانین صاف ہوتی ہین، حال مین لندن کے خدامِ تعلیم کی توجہ انکی اس فطری بدقسمتی کی جانب مبذول ہوئی ہے، اور انھون نے اس غرض کے لئے وقتی شہر لندن کے مختلف حصون مین مخصوص مدارس (اسپشل کلاسز) قائم کئے ہین، ان مدارس تک آمد و رفت کے مصارف ان طلبہ کو سرکار سے عطا ہونگے، اور وہان مرض لکنت کا خاص اہتمام سے علاج کیا جائیگا، تاکہ اگر شفاے کامل نہ حاصل ہو سکے تو کم از کم نمایان افاقہ تو یقیناً ہو جائے اور یہ ہونہار طلبہ میدان مقابلہ مین اپنے خوش قسمت رفقا سے زیادہ پیچھے نہ رہ سکین،

ابتک مادی اجسام سے جسقدر بھی کام لیا جاتا تھا وہ انکے مکسرات کے ذریعہ سے لیا جاتا تھا مثلاً آگ روشن کرنے کے معنی یہ ہوتے تھے کہ کوئلہ کے مکسرات (molecules) مین ایک خاص درجہ کا انتشار پیدا کر دیا گیا، مکسرات کے علاوہ سالمات (Atoms) سے ابتک نہ کوئی کام لیا گیا اور نہ کسی قسم کے کام کی قابلیت ان مین سمجھی جاتی تھی، لیکن حال مین یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ سالمات جنہین ابتک ناقابل تجزی سمجھا جاتا تھا اور اسی بنا پر انکا نام سالمات پڑا تھا، بجائے خود بیشمار ذرات کہربائی (Electrons) کا مجموعہ ہوتے ہین، اور اس لحاظ سے ہر سالمہ گویا غیر محدود برقی قوت کا خزانہ ہوتا ہے، اب علماے سائنس اس فکر مین ہین کہ سالمات سے دنیا کے

ممات عمل مین کام لینا چاہیئے، چنانچہ خیال یہ ہے کہ چند سال کے بعد ریلوے انجن، جہاز و طیارہ سب کی حرکت ایک ایک سالمہ کے اشارہ پر ہونے لگیگی، قوت سالمی کے انہین عجائب و غرائب کو پیش نظر رکہکر مشہور سائنس دان ناول نویس، ایچ، جی، ویلز نے افسانہ کی صورت مین یہ پیشنگوئی کی ہے کہ ۱۹۳۵ء تک ایسے حیرت انگیز آلات و سامان حرب اسی سالمی قوت کے ذریعہ سے طیار ہونے لگین گے، جنکے سامنے موجودہ ایجادات جنگ بالکل بے حقیقت ہوجائین گے، اسوقت گذشتہ جنگ سے کہین زاید ہولناک ایک محشر کشت و خون، قتل و ہلاکت برپا ہوگا، اور انسان سطح ارض کو اپنی ہوس ملک گیری اور جذبات طمع کے لئے ناکافی پاکر اجرام فلکی کی جانب بلند پروازی کریگا، اور اسی صدی کے خاتمہ تک کیا عجب ہے کہ کرۂ ارض اور باشندگان مریخ وغیرہ سے وہ مہیب و ہولناک جنگ چھڑ جائے جسکے شدائد اسوقت ہمارے وہم اور تصور سے بھی بالاتر ہین،

کئی سال ہوئے ایک جرمنی ماہر امراض چشم کوؔن نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ قصر النظر (مایوپیا) یعنی وہ مرض جسمین انسان کو صرف قریب کی اشیاء نظر آتی ہین اور فاصلہ کی چیزین دھندلی معلوم ہوتی ہین، زیادہ تر اسکولون کی تعلیم کا نتیجہ ہوتا ہے، جہان طلبہ کو اکثر اوقات اپنی نظر قریب ہی کی چیزون پر جمائے رکہنا ہوتی ہے، اور اس طرح بالآخر ضعف بصر راسخ ہوجاتا ہے، ڈاکٹر کوؔن کا یہ نظریہ تمام یورپ مین مقبول و شائع ہوگیا، چنانچہ لندن مین بھی متعدد مدارس ایسے کہولے گئے ہین جسمین اس قسم کے مریض چشم طلبہ کی ضروریات کو خاص طور پر ملحوظ رکہا گیا، لیکن تازہ ترین تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ مرض کچھ مدرسہ جانے والے طلبہ ہی کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ بعض ایسی قومون کے چھوٹے بچون مین بھی پایا جاتا ہے، جنہین مدارس کی تعلیم سے کوئی واسطہ ہی

نہین، مثلاً عرب کے اہل بادیہ ملک جرمنی، اور یہودی قوم مین یہ مرض بہت عام ہے، اب محققین کا خیال یہ ہے کہ بعض نسلون اور قومون سے اس مرض کو خاص تعلق ہے، چنانچہ جن قومون مین قریب کے اعزہ مین ازدواج کا زیادہ رواج ہے انہین مین یہ مرض بھی زیادہ شائع ہے، اگرچہ اسمین شک نہین کہ عرصہ تک قریب کی چیزون پر نظر جمائے رکھنا اس مرض مین معین ضرور ہوتا ہے -

---

یورپ کے ایک محقق نے حال مین اسکا اندازہ کیا ہے کہ یورپ مین کس ملک کے باشندے اپنی طویل العمری کے لحاظ سے ممتاز ہین، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس باب مین سرویا کا مرتبہ سب سے بڑھا ہے جسمین سو سو برس کی عمر کے باشندون کی تعداد سب سے زیادہ ہے، اعداد ذیل سے معلوم ہوگا کہ ہر ملک کی آبادی کی کتنی تعداد مین ایک ایک شخص سو برس کی عمر کا پایا جاتا ہے،

سرویا	ہر	۲۲۶۰	اشخاص مین ایک صد سالہ شخص
آیرلینڈ		۸۱۳۰	" "
اسپین		۴۳۰۰۰	" "
ناروے		۹۶۰۰۰	" "
برطانیہ		۱۷۷۰۰۰	" "
فرانس		۱۸۰۷۵۰	" "
سویڈن		۲۵۰۰۰۰	" "
جرمنی		۷۰۲۰۰۰	" "
ڈنمارک		۱۰۰۰۰۰۰	" "

پروفیسر آسبرن کی تازہ تحقیقات کے موافق ابتداءً گھوڑے اور ہاتھی کی جسامت بہت ہی مختصر ہوتی تھی، مگر بعد کو بہت زیادہ بڑھ گئی، اسکے بعد پھر انحطاط شروع ہوا، اور انکا موجودہ قدوقامت گویا افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال ہے، پروفیسر موصوف کی یہی تحقیقات جسم انسانی سے متعلق بھی ہے، انکا دعوی ہے کہ ابتداءً انسان کا قد ۴ فٹ سے زاید نہین ہوتا تھا اور اسکے کاسۂ سر کا حجم ۵۴ مکعب انچ ہوتا تھا، لیکن آج سے تقریبًا ڈہائی لاکھ سال گذرے کہ بڑھتے بڑھتے انسان دیوہیکل ہوگیا، اسی دور مین اسکا قد ۹ - ۱۰ فٹ تک پہنچگیا، اور اسکے کاسۂ سر کا حجم ۱۰۰ مکعب انچ ہوگیا، اسکے بعد تیسرے دور کو شروع ہوے تقریبًا ۵۷ ہزار سال گذرے ہین جب سے اسکے قدوقامت مین پھر انحطاط شروع ہوا ہے، چنانچہ آج جن لوگون کو دراز قد سمجھا جاتا ہے وہ بھی ۶ فٹ سے زاید نہین ہوتے، اور کاسۂ سر کا حجم ۵۷ مکعب انچ ہے،

پچھلے ۳۸ سال کے اندر برٹش انڈیا مین مطابع و مطبوعات کی رفتار ترقی کا اندازہ اعداد ذیل سے ہوگا :-

سال	مطابع	اخبارات	رسایل	کتب (السنہ مغربی)	کتب (السنہ مشرقی)
۱۸۸۰ء	۷۵۱	۳۲۸	۳۲۲	۵۲۳	۴۳۴۶
۱۸۹۰ء	۱۴۶۵	۵۲۶	۳۰۲	۹۱۷	۸۴۶۱
۱۹۰۰ء	۲۱۵۳	۶۷۵	۴۶۵	۱۱۶۴	۶۷۲۴
۱۹۱۰ء	۲۷۳۶	۷۳۶	۸۲۹	۲۱۱۲	۹۹۳۴
۱۹۱۱ء	۲۷۵۱	۶۵۸	۱۹۰۲	۱۵۷۸	۱۰۰۶۳
۱۲ء	۲۷۸۰	۶۵۶	۲۲۶۸	۱۵۹۶	۹۹۸۸

سنہ ۱۳	۲۸۲۸	۶۷۳	۲۳۹۵	۱۶۶۲	۱۶۵۱
سنہ ۱۴	۳۰۲۰	۸۲۶	۲۸۴۸	۱۴۷۷	۱۰۷۱۲
سنہ ۱۵	۳۱۰۲	۸۴۷	۲۹۸۸	۱۶۰۲	۱۱۴۷۷
سنہ ۱۶	۳۲۳۷	۸۵۷	۲۹۲۷	۱۵۴۱	۱۰۶۵۸
سنہ ۱۷	۳۱۰۱	۸۰۵	۱۹۰۰	۱۹۱۹	۱۱۱۴۹
سنہ ۱۸	۳۱۵۵	۸۳۸	۱۹۹۷	۱۹۱۶	۱۰۷۷۲

ان اعداد سے معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۸ء رسائل کے حق مین غیر معمولی طور پر منحوس ثابت ہوا ہے، اور اس نحوست کا اثر کسیقدر اخبارات و مطابع پر بھی پڑا

سنہ ۱۸ء مین تصنیفی حیثیت سے مدراس، ہندوستان کے سب صوبون سے ممتاز رہا کہ اسکے یہان ۲۶۴۱ مطبوعات شایع ہوے، بنگال مین ۲۶۱۲، صوبۂ متحدہ مین ۲۱۴۳، بمبئی مین ۱۹۲۱، اور پنجاب مین ۱۴۳۶ مطبوعات شایع ہوئے،

اخباری حیثیت سے بھی سنہ ۱۸ء مین مدراس کا نمبر اول رہا، بمبئی کا دوسرا، بنگال کا تیسرا، اور صوبۂ متحدہ کا چوتھا، سنہ ۱۷ء کے مقابلہ مین سنہ ۱۸ء مین اکثر صوبون مین اخبارات کی تعداد کم رہی البتہ صوبۂ مدراس مین انکی تعداد مین اٹھارہ کا، پنجاب مین تین کا، اور صوبجات بہار اور برہما مین ایک ایک کا اضافہ ہوا،

سنہ ۱۸ء کے مطبوعات کو اگر مضمون وار تقسیم کیا جاے تو ہر عنوان کے تحت مین اعداد ذیل آئینگے:-

مذہب و شریعت	۲۳۱۲	شاعری و ڈراما،	۲۳۳۳
ادب و لسانیات،	۱۸۴۷	قصص و افسانہ	۸۵۸
تاریخ، سیرت، و جغرافیہ	۷۰۰	طبیات (مغربی و مشرقی)	۴۲۰
قانون	۳۳۲	ریاضیات و علم الالات	۳۲۰
فلسفہ و متعلقات فلسفہ،	۱۷۱		

انہیں مطبوعات کو اگر زبانون کے لحاظ سے تقسیم کیاجائے تو ہر عنوان کے حصہ مین تعداد ذیل آتی ہے

انگریزی	۲۶۴۶	اڑیا (اڑیسہ)	۵۷۴
ہندی	۱۸۳۳	سنسکرت	۴۲۳
بنگالی	۱۸۳۱	سندہی	۲۰۶
اردو	۱۲۴۶	ملایالم (مدراس)	۱۰۸
تامل (مدراس)	۱۱۸۲	برہمی	۱۰۰
گجراتی	۱۰۶۳	کناڑی (دکن)	۹۷
تیلیگو (مدراس)	۷۸۶	عربی	۶۶
مرہٹی	۷۴۸	آسامی	۶۵
پنجابی	۵۵۰	فارسی	۴۰
پالی	۳۶		

کلکتہ یونیورسٹی کو سر راش بہاری گھوش کے گرانقدر عطیہ کے علاوہ جسکا ذکر شذرات مین

آچکا ہے، ایک دوسرا عطیہ حال ہی مین ایک دوسرے ہندو بزرگ سے ساڑھے چار لاکھ کا موصول ہوا ہے،

جنوری کے دوسرے ہفتہ مین انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن کا دوسرا اجلاس پنجاب یونیورسٹی کے ہال مین منعقد ہوا، اور دو روز تک جاری رہا، مسٹر شارپ، سکریٹری صیغۂ تعلیمات حکومت ہند صدر نشین تھے، اور حاضرین مین لفٹنٹ گورنر پنجاب، اور کلکتہ الہ آباد اور لاہور کے بعض علما تاریخ بھی موجود تھے، ہز آنر و صدر مجلس کی تقریرون کے بعد مشہور مورخ پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے اپنا لکچر پڑھا جسمین یہ بتایا گیا تھا کہ سنہ ۱۷۳۹ء سے سنہ ۱۸۰۳ء تک سلطنت مغلیہ کی تاریخ کے لئے پورا اور مستند مواد نہین ملتا، دوسرا لکچر مسٹر ظفر حسن کا ہوا جسمین اورنگ زیب کے خطوط موسومہ شاہ ایران پر، جو حال مین دستیاب ہوئے ہین، بحث تھی، اسکے بعد حاضرین تاریخی نمائشگاہ مین گئے جہان بعض نادر فرامین، مکاتیب و تصاویر کا ذخیرہ فراہم تھا جسمین ڈیوک آف ولنگٹن، لارڈ ڈلہوزی، راجہ رام موہن رائے، وکیشب چندر سین کے ہاتھ کے لکھے ہوے خطوط اور بہادر شاہ کا قلمی مجموعہ اشعار خاص طور پر قابل ذکر ہین، دوسرے روز کمیشن کے اجلاس مین قدیم کاغذات اور مواد تاریخی کے تحفظ پر سرگرم مباحثہ رہا، اور پنڈت دیا کرشن کول اور مسٹر ڈاڈول نے انہین عنوانات پر لکچر دیئے۔

کیمبرج یونیورسٹی کی جانب سے تاریخ عصر جدید (ماڈرن ہسٹری) اور تاریخ قرون وسطی (مڈیول ہسٹری) کا سلسلہ مدت ہوئی شائع ہو چکا ہے، اب یونیورسٹی مذکور اسی وسیع پیمانہ پر تاریخ عصر قدیم شائع کر رہی ہے، اس سلسلہ مین بڑی تقطیع پر آٹھ ضخیم مجلدات ہونگے، اور مورخین کی ایک جماعت اس کام کو انجام دے رہی ہین، جسکی افسری اور عام ترتیب و نگرانی کے فرائض تین مشہور ماہرین فن تاریخ کے ہاتھون مین ہے،

اس کتاب مین مصر، بابل، اسیریا، ایران، یونان و روما کی ابتدائی تاریخ سے لیکر ۲۲ئہ تک بحث ہوگی؛

کسی پچھلے معارف مین یہ خبر درج ہوچکی ہے کہ سر چارلس لایل، عمر بن قمیہ کے دیوان کی ترتیب و انگریزی ترجمہ مین مصروف ہین، آخر دسمبر مین دیوان مذکور کیمبرج یونیورسٹی پریس کی جانب سے شائع ہوگیا ہے، یہ شاعر قبیلہ بکر بن وائل کی شاخ قیس بن ثعلبہ کا ایک رکن تہا، اور اسکا زمانہ بقول سر چارلس، اوائل اسلام کا زمانہ تہا، دیوان کی قیمت ۱۰ شلنگ ہے،

حسب اعلان سابق انڈین سائنس کانگرس کا سالانہ اجلاس وسط جنوری مین بمقام ناگپور منعقد ہوا، شرکاء کی تعداد معقول تھی، مشہور ماہر کیمیا سر پی سی، رائے کا خطبۂ صدارت مبسوط و مدلل تہا مگر علمی و نظری مباحث سے بالکل خالی تہا، البتہ صنعت و حرفت و تعلیمات وغیرہ کے علمی مسائل حاضرہ پر پرقوت تبصرہ تہا، ابتدائی نشست کے بعد کانگرس متعدد شعبون مین تقسیم ہوگئی اور ہر شعبہ وار اجلاس مین شعبۂ متعلقہ کی کاروائی ہوتی رہی، مضامین جو پڑہے گئے اور جنپر بحث رہی انکی مجموعی تعداد سنو سے متجاوز تھی، مہمات مضامین کی تقسیم ہر شعبہ مین حسب ذیل رہی،

شعبۂ طب	۱۹	مضامین
شعبۂ حیوانیات	۱۷	"
شعبۂ طبعیات و ریاضیات	۱۳	"
شعبۂ نباتات	۱۱	"
شعبۂ ارضیات	۸	"
شعبۂ کیمیا	۱۹	"

آثارِ علمیہ ادبیہ

نامۂ سرسید

اس آخری دور میں مولانا عنایت رسول مرحوم چریاکوٹی اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے علماء متقدمین کے ایک نمونہ تھے، سرسید مرحوم آپکا بہت احترام کرتے تھے، توراۃ و انجیل پر جب کچھ لکھتے تھے تو اسکے متعلق ہمیشہ مولانا مرحوم سے معلومات حاصل کیا کرتے تھے یہ خط اس واقعہ کا ثبوت ہے،

علیگڈھ
۱۸ جون ۱۸۹۵ء

جناب مولانا مخدوم مکرم من مولوی عنایت رسول صاحب

آپکا عنایت نامہ پہنچا جسمین کتاب بشری کی نقل روح کے بارہ مین ہے اور اسکے اوپر لفظ تتمہ لکھا ہوا ہے۔ میرے پاس آپکے بھیجے ہوے صرف دو کاغذ پہنچے۔ ایک تو وہ ہے کہ جسمین آپ نے نسبت اعجاز قرآن کے بہت لمبا مضمون لکھا ہے، اور مولوی مہدیعلی کی تحریر پر کچھ تعریض کی ہے، اور دوسرا یہ حال کا عنایت نامہ ہے۔ روح کے معاملہ مین جسپر لفظ تتمہ درج ہے اسکے .. اسے کوئی کاغذ آپکا مرسلہ میرے پاس نہین پہنچا۔ حال مین جو عنایت نامہ آیا ہے اور جس کے مضمون پر تتمہ لکھا ہوا ہے اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آپ نے اور بھی کوئی کاغذ بھیجا ہے جسکا یہ تتمہ ہے، مگر وہ کاغذ میرے پاس نہین پہنچا، اگر وہ کاغذ ضایع ہوگیا ہو تو نہایت ہی افسوس ہے امید کہ آپ مطلع فرمائیے کہ سواے ان دو کاغذون کے اور کوئی کاغذ آپ نے بھیجا تھا یا نہین۔

بارش شروع ہوگئی ہے اس موسم مین آپکا ارادہ یہان تشریف لانیکا ہے یا نہین اگر ہو تو مجھکو اطلاع فرماوین تاکہ مین ایک ملازم آپ پاس بھیجدون تاکہ وہ آپکو ساتھ لیکر یہان آجاوے،

خاکسار
سید احمد

مطبوعات جدیدہ

مذہب وعقلیات، مولانا عبدالباری صاحب ندوی پروفیسر احمد آباد کالج دارالعلوم ندوۃ العلما کے مایۂ ناز فرزندون مین ہین، دارالعلوم کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ یہان سے ایسے علما پیدا ہون جو مشرقی و مغربی علوم و فنون کے جامع ہون، مولانا موصوف کی ذات دارالعلوم کی کامیابی کا مجسم نمونہ ہے، آپ نے گذشتہ اجلاس آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ سورت کے موقع پر ایک فاضلانہ علمی خطبہ دیا تھا، موضوع بحث یہ تھا کہ مذہب وعقلیات بالکل دو جداگانہ چیز ہین ان مین کسی طرح کشمکش و آویزش ہو ہی نہین سکتی اور آج تک معرکۂ مذہب و سائنس پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ انسانی فہم کی غلط کاریون کا تعجب انگیز نمونہ ہے، چنانچہ مولانا ایک موقع پر فرماتے ہین،

مذہب و سائنس کے بے تعلقی کو پوری طرح سمجھنے کے لئے پہلے انکے باہمی فرق اور بعد حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے، ریل کی دو گاڑیان ٹکرا سکتی ہین اور ٹکراتی ہین، لیکن ریل گاڑی اور جہاز مین تصادم ناممکن ہے، اسلئے کہ ریل سمندر مین چل ہی نہین سکتی ہے اور نہ جہاز خشکی پر، بعینہ یہی حال سائنس اور مذہب کا ہے، سائنس کا مذہب کی حد مین داخل ہونا اس سے زیادہ محال ہے جتنا ریل کا پانی یا جہاز کا خشکی پر چلنا ہے، مذہب جہان سے شروع ہوتا ہے، سائنس کی رسائی وہان ختم ہوجاتی ہے، سائنس کا جو منتہائے پرواز ہے مذہب کا وہ نقطۂ آغاز ہے، سائنس کی بحث و تحقیق کا تعلق تمامتر فطرت (نیچر) کے واقعات، مشاہدات اور تجربات سے ہے، مذہب کی بنا یکسر فوق الفطرۃ اور تجربہ و

مشاہدہ کی دسترس سے ماورا چیزون پر ہے، مثلاً خدا روح حشر و نشر وغیرہ"

پوری تقریر علٰحدہ رسالہ کی صورت مین شائع کیگئی ہے، یہ موضوع اپنی جدت اور خطیب کے وسعت اپنے محکم دلائل کے لحاظ سے حامیان مذہب اور ارباب سائنس دونون کی توجہ کے مستحق ہین، ایک بات خاص طور سے قابل عرض ہے کہ فاضل خطیب نے علم کلام کو ایک زیاںکار ایجاد کے نام سے یاد کیا ہے اور انکی راے مین اسکا تمام دفتر بے معنی جلا دیئے جانے کے قابل ہے وہ متکلمین کو مذہب کے نادان دوست اور انکو کشتنی و گردن زدنی قرار دیتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی راے مین فن کلام کی کوئی حقیقت نہین اور متکلم ایک غلط وصف ہے، اگر یہ صحیح ہے تو وہ اپنی اس راے کی نسبت کیا فیصلہ کرینگے کہ "علامہ شبلی رحمہ اللہ ایک متکلم مورخ تھے" پورا خطبہ ہر طرح مرتب، مسلسل اور پر زور ہے، طرز بیان نہایت صاف اور سلجھا ہوا ہے، ہر شخص بآسانی متکلم کا مفہوم سمجھ سکتا ہے، البتہ شان خطابت جسکا نام ہے وہ کم ہے، صفحے ۴۲، لکھائی چھپائی عمدہ، صدر دفتر کانفرنس علیگڈہ سے طلب کیجئے۔

سلسلۂ منتخبات نظم اردو، عمدہ اور منتخب ابیات کی اشاعت ترقی زبان کا بہترین ذریعہ ہے، ابتک اردو مین کوئی ایسا مرتب سلسلہ موجود نہ تھا جسمین ہر موضوع کی عمدہ اور منتخب نظمین جمع کیگئی ہون، بہی خواہان اردو کو جناب محمد الیاس برنی کا ممنون ہونا چاہیئے جنھون نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا، اس سلسلہ کے تین حصے ہین جسمین تمام اصناف سخن کو احاطہ کرنیکی کوشش کیگئی ہے، مناظر قدرت جسمین اوقات، مقامات اور واقعات پر مشتمل نظمین ہین، معارف ملت جسمین حمد و نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظمین جمع کیگئی ہین جذبات فطرت، جو بقول جناب مرتب مرزا غالب کے اس شعر کی تفسیر ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہے

عام طور پر ترتیب اچھی ہے، انتخاب بھی برا نہیں، یہ ضرور ہے کہ ابھی اس سلسلہ میں مزید کاوش و محنت اور تلاش و جستجو کی ضرورت ہے، ہمارے خیال میں ایک بات کی سخت ضرورت تھی وہ یہ کہ قدما کے کلام میں بہت سے ایسے الفاظ آتے ہیں جو فصحا کے نزدیک متروک ہیں مگر بعض اطراف ہند میں وہ اب تک زبان زد خاص و عام ہیں، ان سب لفظوں پر نوٹ دیکر حاشیہ میں اسکی تصریح کر دینا چاہئے تاکہ زبان آموز غلطی میں نہ پڑیں، زبان کی صفائی اور اسکے معیار فصاحت کو بلند تر کرنے کے لئے اسکی سخت ضرورت ہے، ایک امر اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض نومشق شعراء کے یہاں بعض الفاظ غلط استعمال ہو گئے ہیں، شاید سہو کتابت ہو، یا نوٹ دیکر اسکی تصحیح کر دینا چاہئے تھی، مثلاً جناب نظم گیلانی کی نظم جام شہادت میں ترس جو برس کا ہموزن ہے، ترس (بسکون را) استعمال کیا گیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ سفید، ہر حصہ کے صفحے ۱۵۰ تقطیع چھوٹی قیمت ہر حصہ کی ۱۲؁، جناب مؤلف یا جناب مقتدیٰ خاں صاحب شروانی، علیگڈھ سے طلب کیجئے۔

موؤدہ، مصنفہ جناب مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی، صفحے ۶۴ کاغذ سفید، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۸؍ ملنے کا پتہ: مینیجر کارخانہ مدنی انجیات پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات۔

افسانہ نگاری کے لئے مولوی صاحب موصوف کا قلم خاص شہرت رکھتا ہے، آپکے نام کے بعد مزید تعارف کی ضرورت نہیں، یہ کتاب ایک معاشرتی افسانہ پر مشتمل ہے جسمیں اس رسم قبیح کے نتائج دکھلائے گئے ہیں کہ بعض نافہم اشخاص دولت و جائداد کی تقسیم کے خوف سے لڑکیوں کی ہستی کو نفرت انگیز نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انکو محروم الارث کرنیکی تدبیریں اختیار کرتے ہیں، حالانکہ شریعت اسلام نے اس جاہلانہ رسم کی بیخ کنی کر دی تھی اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ عدل و انصاف کی بہترین تعلیم دی تھی، کتاب بہت دلچسپ اور قابل دید ہے۔

مجلد ششم | ماہ ذیقعدہ سنہ ۳۸ھ مطابق اگست سنہ ۲۰ء | عدد دوم

مضامین

شذرات

جنگ کے اثرات نے یورپ مین شوہرون کا قحط پیدا کر دیا ہے، فرانس مین اسوقت تقریبًا بیس لاکھ لڑکیان قابل ازدواج عمر کی ہین، جنہین شوہر دستیاب نہین ہوتے، اور کل یورپ مین اس قسم کی غیر منکوح خواتین کی تعداد بمقابلہ مردون کے ڈیڑہ کرور تا بدہ ہے! مردوا اور عورتون کی آبادی کے اس عظیم الشان عدم تناسب کی صورت مین ایک مشرقی دماغ دوہی راستہ کہلے ہوئے نظر آسکتے ہین، یعنی یا تو تعدد ازدواج کو رواج دیا جاسے، اور یا یورپ خواتین کو باہر والون کے حبالۂ عقد مین دیا جانے لگے، لیکن مہذب و متمدن، روشن خیال و جدت مغربی دماغون کے لئے یہ دونون صورتین قطعًا نا قابل قبول ہین، مغرب کی خود داری و علو نفس کے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنے ہان کی کسی "شمع بزم" کو دوسرون کے ہان بطور "چراغ خا کے دیکہہ سکے، علیٰ ہذا اسکی تہذیب و شائستگی، تعدد ازدواج کی جاہلانہ و وحشیانہ رسم کا نام سننے کے لئے ایک لمحہ کی بھی روادار نہین ہو سکتی -

---

ڈاکٹر کا رنو ایک فرنچ محقق ہین، انھون نے پیرس کے ایک طبی رسالہ مین اس دشوار علاج اپنے ملک کے لئے یہ تجویز کیا ہے کہ سرے سے رسم نکاح کو اڑا دیا جائے، اسلئے فریضۂ امومت ادا کرنے کے لئے ہر طرح کے قیود و رسوم سے بالکل آزاد کر دیا جاسے اس لئے

عورت کا مقدم ترین فرض افزائش نسل ہے، جسکو مراسم نکاح سے مقید کرنا بے معنی ہے، اور ان غیر منکوح ماؤن سے جو اولادین پیدا ہون، انکی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری حکومت کے سر ہو، اور ان کا انتساب ابوت بجاے افراد کے قوم و سلطنت کی جانب کیا جائے۔

جو قومین نکاح کو محض ایک رسم اور اتحاد مادی و جسمانی سمجھتی ہین، ان کا اس نتیجہ تک پہنچنا بالکل قدرتی ہے، لیکن جن ممالک مین یہ رسم وصال حقیقی کا پرتو، اور اتحاد روحانی کا عکس سمجھی گئی ہے، وہان کے باشندے قبل اسکے کہ جادۂ تہذیب پر تیز گامی شروع کرین، بہتر ہوگا کہ رہبر و رہزن کے فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کرلین۔

لندن مین رشنلسٹ ایسوسی ایشن (انجمن عقلیئین) کے نام سے آزاد خیالون کی ایک نامور انجمن سنہ ۱۸۹۹ء سے قائم ہے، جسکا مقصد یہ ہے کہ معتقدات مذہبی کو مٹا کر عقل پرستی کی ترویج کیجائے، اسکا ماہوار رسالہ (لٹریری گائڈ) دلچسپ معلومات، اور عام فہم علمی مضامین کا خزانہ ہوتا ہے، اور اسکی بیشتر سالانہ مطبوعات، مستند و بلند پایہ، سلیس و عام فہم ہونے کے ساتھ قیمت مین بھی غیر معمولی طور پر ارزان ہوتی ہین، اسکی شاخین دنیا کے ہر ملک مین قائم ہین، اور اسکا سالانہ چندہ رکنیت بھی بہت قلیل ہے، ان حالات کے ساتھ اسکی گذشتہ سالانہ رپورٹ دیکھکر حیرت ہوئی کہ ابتک اسکے ارکان کی مجموعی تعداد ۲۷۸۹ ہے، جسمین سے برطانوی ارکان کا شمار کل ۱۰۰۰ ہے! برطانیہ کی آبادی تقریباً ۴½ کرور ہے، جسکا بیشتر حصہ تعلیم یافتہ ہے، اور مسیحیت کی جانب سے جو عام بے التفاتی ہے، وہ بھی ظاہر ہے، با این ہمہ بست سالہ کوششون کے بعد بھی اتنی وسیع آبادی مین اتنی قلیل تعداد کا شریعت عقل پر ایمان لانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اگرچہ عملاً یورپ مین مذہب الحاد ہی کا دور دورہ ہے، تاہم کسی ایسی تحریک کو

مقبولیت وہان مشکل ہی سے حاصل ہوسکتی ہے، جمیین الحاد کو علم وسنجیدگی کی روشنی مین جبیل کی کوشش کیجائے، سچ یہ ہے کہ جن لوگون نے مال و دولت، جاہ و منصب، عیش و عشرت کو اپنا معبود بنالیا ہے، ان سے علم وحکمت کی پرستش ہونا بھی ناممکن ہے، اُنکے لئے جس طرح موسیٰ وعیسیٰ کے الہامات ناقابل التفات ہین، اسی طرح مل واسپنسر کے مقالات، اور ہکسلے وٹنڈل کے خطبات بھی بے اثر ہین،

اخبارات مین یہ خبر کئی مہینہ ہوے شائع ہوئی تھی کہ مملکت آصفیہ مین قدیم ونادرالوجود کتابون کی تصحیح، تہذیب واشاعت کے ایک جدید محکمہ کے قیام، اور آسکے مصارف کے لئے ایک لاکھہ سالانہ کی رقم کی منظوری صادر ہوئی ہے، پچھلے مہینہ دفتر معارف مین جو سرکاری اطلاع موصول ہوئی، اُس سے معلوم ہوا کہ اس سررشتہ کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد کیا گیا ہی جسکے صدر نواب عماد الملک بہادر (مولوی سید حسین بلگرامی) ہین جنکا علم وفضل محتاج تعارف نہین، اور جن سے موزون تر انتخاب اس خدمت کے لئے ناممکن تھا، دائرۃ المعارف جو تیس سال کی مدت سے عربی کتابون کی خدمت نیم سرکاری حیثیت سے کر رہا تھا اب سرکاری صیغہ کی حیثیت سے اسی جدید سررشتہ مین ضم کر دیا گیا ہے، بہتر ہوگا، اگر اس سررشتہ کا دائرہ عمل کتب عربی تک محدود نرہے، بلکہ اُردو کی قدیم ونادر تالیفات کی تہذیب واشاعت بھی یہ اپنے ذمہ رکھے، اُمید ہے کہ صدر الصدور مذہبی دولت آصفیہ مولانا مولوی حبیب الرحمن خان شروانی کے فضل وکمال سے بھی یہ شعبہ پورا فائدہ اُٹھائیگا۔

مولانا سید سلیمان ندوی اپنے تازہ عنایت نامہ مین تحریر فرماتے ہین "چند روز ہوے

شکسپیر ہٹ" میں جہان ہندی طلبہ کا مسکن ہے، پیامبر امن ٹیگور کی زیارت ہوئی، طلبہ نے اُن کے اعزاز میں جلسہ کیا تھا، جسوقت وہ جلسہ میں آئے تو میرے سامنے عمر خیام کی صورت کھینچ گئی، دراز قد، لمبی داڑھی، بڑا زرد کرتہ، ژولیدہ مو، ایک سیاہ گول بڑی ٹوپی، پورے جلسہ بھر فرش پر سر نیچے کئے بیٹھے رہے، آخر میں لوگون نے تقریر پر اصرار کیا، تو نہایت متانت کے لہجہ میں آنکھیں نیچے کئے چند منٹ تک بیٹھے بیٹھے باتیں کیں جس میں یہ اظہار تھا کہ میں شہرت کو جو بدنصیبی سے مجھے حاصل ہو گئی ہے، اپنا دشمن جانتا ہون، میں ایک زاویہ پسند عزلت نشین آدمی تھا، عزت کی جگہون سے بھاگتا ہون، شور وغل کو ناپسند کرتا ہون"

مولانا نے اسکے آگے یہ نہ لکھا کہ فضاے مغرب کے شور محشر میں اس نغمہ سکون و راحت کے چند اصوات کا کیا اثر ہوا۔

مولانا ایک دوسرے عنایت نامہ میں فرماتے ہیں:۔ "کل ایک کتب فروش کی دوکان میں گیا تھا، اسکی وسعت کو دیکھکر حیران ہو گیا، یہ برٹش میوزیم کے محلہ میں واقع ہے، ہر موضوع، ہر مبحث کی کتابون کا الگ صیغہ اور الگ عملہ تھا، مشرقی زبانون اور کتابون کا الگ، نقشون کا الگ، تاریخ کا الگ، غرض ایک ایک علم و فن کا الگ"

انگریزی لٹریچر کی وسعت و ترقی کا ایک بڑا سبب اسکے ناشرین اور کتب فروشون کی حوصلہ مندی ہے، اردو زبان کے ناشرین (پبلشرز) وکتب فروش جب تک اسی اہتمام، باقاعدگی، خوش سلیقگی و جامعیت سے کام لینا نہ سیکھیں گے، تنہا مصنفین و مولفین کی کوششیں قیامت تک بارور نہیں ہو سکتیں۔

مقالات

حقیقت علم

(نمبر۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان فلاسفہ نے نفس انسانی کی اس خاصیت کو نظر انداز کردیا ہے کہ جب ایک قسم کی چند مثالین انسان کی نگاہ کے سامنے گذرتی ہین تو وہ انکی جزئی شخصیتونکو حذف کرکے ان سے ایک مفہوم کلی پیدا کرلیتا ہے جسکو ہم کلیت سے تعبیر کرتے ہین اسیطرح نفس انسانی کی یہ دوسری خاصیت بھی فلاسفہ نظر انداز کرگئے ہین کہ جب ایک قسم کے واقعات بار بار انسان کی نگاہ کے سامنے سے گذرتے ہین تو بار بار ان واقعات کے گذرنیسے اسکے ذہن مین عالمگیر نظام عالم کا تصور پیدا ہوتا ہے جو اسکے ذہن مین یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ اس قسم کا واقعہ آیندہ بھی اسی طرح ظہور پذیر ہوگا اسی کو ہم وجوب سے تعبیر کرتے ہین اس سے معلوم ہوا کہ فلاسفہ نے وجوب وکلیت کے متعلق اپنا یہ خیال قائم کرتے وقت نفس انسانی کی چند دقیق اصول کو نظر انداز کردیا ہے لیکن چونکہ کلیت ووجوب کے ان اوراکات سے بحث کرنا ہمارے موضوع کی حد سے خارج ہے اوران مباحث اصل جگہ استقراء کی حقیقت اور اوسکی نفسانی اہمیت کے بیانات ہین اسلیے ہم یہان مفصل بحث سے گریز کرتے ہین۔ غرض مذکورہ بالا مثالون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے جتنے عام تر کلیات ایسے ہین جو بظاہر حیات سے بے نیاز نظر آتے ہین اگر تحلیل

تو نظر آئیگا کہ انکی انتہا بھی حسیات پر ہوتی ہے اور بغیر ان احساسات کے یہ کلیے کسی طرح قائم نہین ہو سکتے تھے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کا کوئی علم بھی بلا حسیات کی وساطت کے حاصل نہین ہو سکتا ہے،

(۲) لیکن اس دلیل کے علاوہ ہمارے پاس اپنے دعوی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب قوت ہمارے حواس مین سے کسی حاسہ مین کوئی نقص پیدا ہوتا ہے تو اس حاسہ کی قوت مین کمزوری پیدا ہو جانے کے باعث انسان ان تمام ادراکات سے بھی محروم ہو جاتا ہے جو اس حاسہ سے پیدا ہوتے ہین ایک اندھے کو دیکھو کہ اوسکو اون چیزونکا ادراک نہین ہوتا جو حاسہ بصر سے ادراک کیجاتی ہین اور اسی لیے کبھی اوسکے ذہن مین اون چیزونکے تصور کا بھی گذر نہین ہوتا جنکی بصارت سے وہ محروم رہا ہے۔ اگر بطلیموس اور کوپرنیکس حواس ظاہری سے محروم ہوتے، تو مجسطی اور پرنسپیا کی تحقیقات سے کبھی دوسرونکو باخبر نہ کر سکتے، اور اونکے ذہن مین کبھی اجرام فلکیہ کا تصور نہ پیدا ہوتا۔ افلاطون نے اپنی کتاب ریپبلک (جمہوریت) کے چھٹے باب مین تعلیم و تربیت کے اثرات کی توضیح کی غرض سے یہ ایک فرضی مثال ذکر کی ہے کہ اگر کچھ لوگ زمین کے آخری طبقہ کے کسی حصہ مین اپنی پیدایش کے وقت سے بند کر دیے جائین تو اونکو دنیا کی کسی بات کا علم نہ ہوگا اور اگر وہ ایک مدت کے بعد زمین پر لائے جائین تو وہ دنیا کی ہر چیز کو تعجب کی نگاہ سے دیکھینگے، ہر چیز سے مبہوت ہونگے، اور آفتاب کو روشنی اور حیات کا منبع پاکر یہ خیال کرنے لگین گے کہ آفتاب ہی عالم کا خالق ہے، گو افلاطون نے اس خیال کا اظہار ایک فرضی مثال کی بناء پر کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ عزلت گزینی اختیار کرتے ہین اونکے خیالات نہایت تنگ اور انکا دماغ نہایت چھوٹا ہوتا ہے انکے خیالات

و تصورات مین وسعت نہین ہوتی اور چونکہ انکی روزانہ زندگی مین انکو بہت سی چیزون کا تجربہ حسی نہین ہوتا اسلیے وہ ان چیزونکے تصورات سے بہی خالی الذہن ہوتے ہین غرض یہ ایک عام کلیہ ہے کہ حواس کی کمزوری اور نقص یا حسیات کے محدود ہونے کے باعث انسان کے تصورات مین بہی وسعت نہین پیدا ہوتی۔ پھر یہ کلیہ محسوسات ہی کے ساتھ خاص نہین ہے بلکہ محسوسات کی طرح جذبات کا بھی یہی حال ہے کہ جس شخص کو اپنی روزانہ زندگی مین کسی خاص جذبہ کا تجربہ حسی نہین ہوتا وہ اس جذبہ کے تصور سے بہی عاری ہوتا ہے مثلاً ایک وہ شخص جسکی ساری زندگی خود غرضی پر عمل کرنے مین بسر ہوئی ہے وہ ہرگز اپنے ذہن مین اس بات کا تصور نہین کرسکتا ہے کہ ایثار کے ساتھ کسی طرح زندگی بسر کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک حلیم شخص کبھی غصہ کی اس حالت کا اندازہ نہین کرسکتا جو انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے غرض زندگی کے یہ تمام تجربے ہمکو اس بات کا یقین دلاتے ہین کہ انسان کو جن باتون کا تجربہ حسی اپنی زندگی مین نہین ہوتا ان کا تصور بہی اسکے ذہن مین نہین پیدا ہوسکتا ہے۔

(۳) ان دلائل کے علاوہ اپنے دعوی کی تیسری دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ حسیات کی ترقی سے معلومات انسانی مین نمایان اضافہ ہوتا ہے شیر خوار بچے چونکہ تمام حسیات سے محروم ہوتے ہین اسلیے وہ تمام معلومات سے بہی محروم ہوتے ہین لیکن جون جون انکے حسیات مین مقتضیات عمر سے ترقی ہوتی جاتی ہے انکے معلومات مین بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے مرکب تصورات کی پیدائش بچونکے ذہن مین نہین ہوتی کیونکہ ابھی انکے ذہن مین مرکب احساسات کا گذر نہین ہوتا یہی وجہ ہے کہ جو حسیات انسان کے ذہن مین ابتدا عمر مین پیدا ہوجاتے ہین انکے تصورات بھی اسکے ذہن مین اسقدر رسوخ حاصل کرلیتے ہین کہ ان تصورات کو

اسکے ذہن سے نکالنا سخت مشکل ہوتا ہے پس انسان کے دماغ کو تعصب سے محفوظ رکھنے اور اسکو صحیح غور و فکر کا عادی بنانے کی ترکیب اس سے بہتر کوئی نہین ہے کہ خارجی محسوسات کے ذریعہ سے اسکے خیالات و ادراکات مین وسعت پیدا کیجائے اور ابتدا سے اسکے ذہن پر ان مرکب تصورات کا بار نہ ڈالا جائے جنکا تجربۂ حسی اوسکو اپنی روزانہ زندگی مین ابتک نہین ہوا ہے لیکن اگر کبھی بچہ کا ذہن ان مرکب اور پیچیدہ تصورات کے بار سے دبا دیا جاتا ہے تو اوسکے دماغ کے ان حصون مین جو مرکز تصور ہین اختلال پیدا ہوجاتا ہے غلط اور صحیح فکر کی تمیز جاتی رہتی ہے اور حسیات سے تصور کے اخذ کرنے کی فطری قوت معدوم ہوجاتی ہے اب اسکے پاس اس قسم کا کوئی ذریعہ نہین رہتا جس سے وہ اپنے تصورات کی صحت و غلطی کا اندازہ کرسکے کیونکہ تصورات کی صحت کا مدار حسیات پر تھا لیکن اب اسکا تصور اسکے حواس کے قبضہ سے نکلکر مطلق العنان ہوگیا اور جو تصورات حس کے راستہ سے نہین آتے ہین انکی صحت و غلطی بھی حس کے ذریعہ سے نہین جانچی جاسکتی ہے غرض حسیات کے اضافہ سے معلومات کے اضافہ کا یہ بدیہی تجربہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تصورات کی پیدائش کا ذریعہ محض حسیات ہین،

(۴) لیکن ان سب دلائل سے بڑھکر اس بات کا قطعی ثبوت کہ انسان کے ذہن مین کوئی تصور اوسوقت تک پیدا نہین ہوسکتا تاوقتیکہ اسکا تجربۂ حسی انسان کو اپنی روزانہ زندگی مین نہ ہوگیا ہو خود انسان کے ضمیر اور اوسکے باطن کی شہادت ہے اور نفسانی مباحث مین خود نفس کی اپنی شہادت سے زیادہ اور کوئی شہادت قطعی اور مسلم الثبوت نہین ہوسکتی، مین خود اپنی ذاتی تجربہ کے بناء پر کہتا ہون کہ میرا ذہن ان اشیاء کا تصور کرنے سے قاصر ہے جنکا خود یا انکی نظیر کا تجربۂ حسی اپنی روزانہ زندگی مین مجھے نہین ہوا مین اسکا

انکار نہین کرتا کہ دنیا مین اس قسم کے لوگ نہین پائے جاتے لیکن مین اپنی ذہنی تجربہ کی بنا پر کہتا ہون کہ مجھے اسکے خلاف کبھی تجربہ نہین ہوا ہے اور اپنے اس دعوی پر جتنے دلائل مین نے اوپر پیش کیے ہین انکے متعلق مین اپنے ذاتی تجربہ سے قطع نظر کرکے دوسرے لوگون سے یہ فتوی طلب کرتا ہون کہ ان دلائل کی صحت کے متعلق دوسرونکا نفسانی تجربہ کس بات کی شہادت دیتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا مین ان لوگون کی مثالین بکثرت موجود ہین جو قوت بصارت سے محروم تھے لیکن جنکا کمال علمی زمانہ کے نزدیک مسلم تہا ہومر کو دیکھو کہ وہ پیدائشی نابینا تہا مگر اوسکی الیڈ اور اڈیسی مین بکثرت ایسے واقعات مذکور ہین جنکے تصور تک کسی بینا اور شنوا کی بھی رسائی نہین ہوئی اور فسانہ نگاری کے کمالات کے علاوہ اسنے ان نظمون مین فطرت انسانی کا وہ مکمل مرقع کھینچا ہے جسکے تصور سے بینا اور شنوا لوگون کی عقلین قاصر ہین اسی طرح مسلمانون مین ایک فلسفی ابو العلا معری نامی ہوا ہے جو اپنے وقت کا نہایت مشہور و معروف حکیم تہا اسنے اپنی نظمون مین مسائل فلسفہ جس خوبی سے حل کیے ہین کیا کوئی دوسری کتاب اسکی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ لیکن باینہمہ فضل و کمال وہ پیدائشی نابینا تہا اور اسی نابینائی کی حالت مین وہ الٰہیات اور طبعیات وغیرہ تمام علوم مین بہرہ وافر رکھتا تہا اسکی منظوم کتابین مثلاً سقط الزند رسالۃ الغفران، لزوم ما لا یلزم وغیرہ ایک ساتھ خیال نابینا فلسفی کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہین حاصل یہ کہ دنیا مین بکثرت مثالین ان لوگونکی موجود ہین جو فقدان حواس کے باوجود علم و فضل مین مشہور و معروف ہوئے ہین؛

بے شبہہ یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن جسمانی اور نفسانی حقائق کے متعلق کوئی کلیہ قائم کرتے وقت یہ خیال کرنا چاہیے کہ دنیا مین کوئی قانون ایسا نہین پایا جاتا جو کچھ مستثنیات نہ رکھتا ہو کارخانۂ قدرت باوجودیکہ نہایت منتظم اور کامل ہے مگر باوجود اس کے

جتنے فطری واقعات روزانہ پیش آتے رہتے ہین انکی بنا پر کوئی شخص کبھی یقین سے یہ نہین کہہ سکتا کہ ہمنے جو اصول مقرر کیا ہے اسکے خلاف کبھی کوئی واقعہ نہ پیش آئیگا پس اسی بنا پر ہم ان مستثنیات کی وجہ سے جنکا شمار انگلیون پر ہوسکتا ہے اپنے اس اغلبی کلیہ مین کبھی ترمیم نہین کرسکتے ہین کہ انسان کے تصورات اسکے حسیات پر موقوف رہتے ہین اور کسی ایسی چیز کا تصور ذہن انسانی مین نہین پیدا ہوسکتا جو انسان کے تجربہ حسی مین کبھی نہ آئی ہو۔ یہ ایک نفسانی حقیقت ہے جو ہمارے نزدیک مسلم ہے اور اسکے خلاف جتنی شہادتین ہین انکو ہم مستثنیات مین شمار کرتے ہین[1]،

(۳۰) علوم فطریہ اولیہ کی حقیقت | پس اب اگر انسان کے کسی خیال یا انسان کے کسی قائم کردہ کلیہ کی بنا دریافت کرنا ہو یا اسکی صحت و غلطی کے متعلق فیصلہ کرنا ہو تو پہلے یہ بات دریافت کرنا چاہیے کہ خیال انسان کے ذہن مین کس احساس کی بنا پر پیدا ہوا ہے، اور صحت و غلطی کے اعتبار سے اس احساس کا کیا درجہ ہے اگر اس احساس کے متعلق یہ باتین دریافت کرلین تو اس تصور کی حقیقت بھی بآسانی ہم دریافت کرلینگے تصورات کی صحت و غلطی کے جانچنے کا عام اصول ہے جو ہمارے بیانات سابقہ سے مستنبط ہوتا ہے لیکن فلاسفہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ انسان کے بہت سے خیالات و تصورات ایسے ہوتے ہین جو کسی سابق احساس پر مبنی نہین ہوتے بلکہ ذہن مین انکا حصول الہام فطری کے ذریعہ سے ہوتا ہے ان علوم کو علوم فطریہ کہتے ہین ان فلاسفہ کا خیال ہے کہ احساس کو انسان کے ہر خیال اور ہر تصور کی بنا قرار دینا سعی لاحاصل ہے لیکن جب ہم ان فلاسفہ سے یہ

[1] تصورات کے حدود کے متعلق دیکھو اسپنسر کی کتاب "اصول اولیہ" کا چوتھا باب اور اسکی دوسری کتاب "اصول علم نفس" نیز اس موضوع پر کانٹ نے اپنی کتاب "نقد النظر" مین اور سر ولیم ہملٹن نے اپنے مضمون (فلسفہ مطلق الشی) مین نہایت دلچسپ بحث کی ہے،

دریافت کرتے ہین کہ وہ کونسے علوم ہین جو اپنی پیدائش مین سابق احساس کے نہین بلکہ الہام فطرت کے محتاج ہوتے ہین تو وہ یہ جواب دیتے ہین کہ مثلاً خیال علت ہی ایک فطری تصور ہے جو کسی سابق احساس سے نہین بلکہ الہام فطرت کی بنا پر پیدا ہوا ہے اسی طرح مثلاً اقلیدس کے علوم متعارفہ ہین کہ انکی پیدائش سابق احساس سے نہین بلکہ محض الہام فطرت کی بنا پر ہوئی ہے پھر سب سے آخر مین خدا کی ذات وصفات کے عقیدہ کو دیکھو خدا کی ذات و صفات محسوس نہین ہوتے اور اس لیے اس عقیدہ کی پیدائش کسی سابق احساس سے نہین ہوسکتی؟ غرض خدا کا عقیدہ الہام فطری کی ایک بین مثال ہے جس سے کوئی انکار نہین کرسکتا اسیطرح اور بہت سے عقائد عامہ ہین جو نوع انسان مین مشترک ہین اور انکی صحت پر کبھی احساس سابق سے استدلال نہین کیا جاسکتا،

لیکن پھر اگر ہم ان فلاسفہ سے یہ پوچھتے ہین کہ علوم فطریہ کی علامت کیا ہے اور تم علوم فطری کو علوم غیر فطری سے کس طرح ممتاز کرسکتے ہو تو وہ اس سوال کا جواب یہ دیتے ہین کہ علوم فطری کی دو علامتین ہین کلیت اور وجوب یعنے یہ کہ انسان کے جتنے تصورات کلیت اور وجوب پر مشتمل ہوتے ہین وہ سب کے سب فطری ہوتے ہین اور انکی پیدائش مین احساسات سابقہ کو دخل نہین ہوتا،

ہم الہام فکری کے منکر نہین اگر کسی تصور کے متعلق یہ ثابت ہوجائے کہ اس کی پیدائش احساس سابق سے نہین بلکہ الہام فطری سے ہوئی ہے تو ہم مان لینگے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمکو دراصل اس طول طویل فہرست کے جزئیات سے اختلاف ہے جو فلاسفہ نے مرتب کی ہے ہم یہان اس مسئلہ سے مفصل بحث کرنا نہین چاہتے ہمنے اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ اپنے دوسرے مضمون "وحدت وثنویت" مین تحریر کیا ہے

البتہ ہم یہان صرف یہ سوال کرنے کا استحقاق رکھتے ہین کہ علوم فطری سے کیا مراد ہے لیکن یہ ایک ایسا مشکل ترین سوال ہے کہ اسکا ٹھیک جواب فلاسفہ کی جانب سے ابتک کوئی نہین دیا گیا حالانکہ در اصل اسی سوال کے حل پر ساری بحث کا دارومدار ہے۔ ہیوم نے اس بحث کا جو فیصلہ کیا ہے وہ ایک حد تک ہمکو نہایت پسند ہے ہمکو اختصار کا پہلو جو مدنظر ہے اوسکے لحاظ سے ہم ہیوم کے فیصلہ کو نقل کرنا کافی سمجھتے ہین۔ ہیوم کہتا ہے کہ۔

جن لوگون نے علوم اولیہ فطریہ کا انکار کیا ہے انکا مطلب اس انکار سے بجز اسکے کچھ نہین ہے کہ انسان کے تمام تصورات کی پیدائش کسی نہ کسی سابق احساس سے ہوتی ہے اور اس بنا پر وہ علوم فطریہ کی صنف کو بے معنی سمجھتے ہین اس بحث کے متعلق درحقیقت فیصلہ کن سوال یہ ہے کہ علوم فطریہ سے مراد کیا ہے؟ اگر علوم فطریہ سے یہ مراد ہے کہ جو فطرت کے جانب سے ودیعت کیے گئے ہین تو ظاہر ہے کہ یہ معنی بہت وسیع ہین اور اس معنی مین فطری کا لفظ کبھی مصنوعی کے مقابل مین استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی خرق عادت کے مقابل مین لیکن بہرصورت اس معنے کے لحاظ سے تصورات کے علاوہ دیگر کوائف نفسانی یعنے حسیات جذبات اور ارادہ وغیرہ کو بھی فطری قرار دینا پڑیگا اور اگر فطری سے مراد یہ ہے کہ وہ علوم جنکی پیدائش ولادت کے وقت بلکہ اس سے بھی پیشتر ہوتی ہے تو اس معنے کے لحاظ سے گویا اس بحث کا ماحصل یہ ہوگا کہ انسان کی کیفیات نفسیہ کی پیدائش کے وقت کی تحقیق کیجاے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بحث کسیقدر فضول ہے پھر اسکے علاوہ بڑی مشکل یہ ہے کہ لاک وغیرہ کی تحریرات مین لفظ تصور مختلف مواقع کے لیے استعمال کیا گیا ہے لاک نے تصور کا اطلاق ایک موقع پر حسیات پر کیا ہے دوسری جگہ جذبات پر، اور تیسری جگہ تخیلات و تصورات پر، پس اگر ان مختلف

استعمالات کو مدنظر رکھا جائے تو اس صورت مین صرف تخیلات کے ساتھ علوم فطریہ کی تخصیص کی کوئی وجہ معلوم نہین ہوتی اور اس صورت مین تصورات کی طرح جذبات وغیرہ کے متعلق بھی فطری ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر ان معنون سے قطع نظر کرکے لفظ فطری کی تشریح اسطرح کیجائے کہ علوم فطریہ وہ علوم ہین جو کسی سابق احساس سے پیدا ہوے ہون تو اسی معنی کے لحاظ سے اس بحث کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ احساسات بیشک الہام فطرت سے پیدا ہوتے ہین یعنے یہ کہ انکی پیدائش سابق احساسات سے نہین ہوتی لیکن تصورات سب کے سب غیر فطری ہین یعنے تصورات کی پیدائش الہام فطرت سے نہین بلکہ سابق احساسات سے ہوتی ہے[1]،

یہ ہیوم کا فیصلہ ہے اور اسی فیصلہ کو ہم یہان اس بحث کے لیے کافی سمجھتے ہین گو اس عمومیت کے ساتھ ہم علوم اولیہ کے انکار مین ہیوم کے مؤید نہین ہین،

اعمال تصور کی تحدید (۳) لیکن جب یہ ثابت ہو گیا کہ تصور اپنی زبردست طاقت کے باوجود حسیات کے حدود مین مقید رہتا ہے، اور کوئی تصور حسیات کے دائرہ سے باہر نہین جا سکتا تو اب یہان پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر تصور کی وسعت حدود کے کیا معنی ہین اور اگر تصور محض حسیات کی حد کے اندر محدود ہے تو پھر ہمارے ذہن مین وہ تصورات کیون پیدا ہوتے ہین جنکا وجود خارج مین نہین ہوتا یہ کہنا صحیح ہے کہ ایسے تصورات ہمارے ذہن مین پیدا نہین ہوتے کیونکہ تصور کی یہی زبردست طاقت ہے جو لٹریچر مین تشبیہات اور استعارات کا مواد فراہم کرتی ہے آتش سیال کا مشاہدہ خارج مین کسنے کیا ہے؟ عنقا کو دنیا مین کس نے دیکھا ہے؟ سنہرے پہاڑ کا حال دنیا مین ابتک کس کو معلوم ہوا ہے؟

---

[1] مضمون "حقیقت علم انسانی" از ہیوم صفحہ ۳۲-۱۲

آب حیات کی جستجو اور تلاش مین کون کامیاب ہوا ہے؟ غرض ہر زبان کا لٹریچر ایسے الفاظ سے پُر ہے جنکے مصداقات خارج مین موجود نہین ہوتے ہین لیکن انکا تصور ذہن مین ہو سکتا ہے اور حقیقت مین یہ تصور ہی کی کرشمہ سازی ہے جو استعارہ طرازی، تمثیل بیانی، اور تشبیہ کے پردون مین ظاہر ہو کر انسان کے خیالات مین وسعت اور زبان مین مختلف اسالیب بیان پیدا کرتی ہے،

اس سوال کا جواب دینے کی غرض سے ہمین تصور کی اس تعریف کی جانب رجوع کرنا چاہیے جو ہمنے اوپر بیان کی ہے ہماری تعریف کا ماحصل یہ تھا کہ تصور وہ دماغی قوت ہے جو ان غیر مرئی اشیار کو ہمارے پیش نظر کر دیتی ہے جنکا حس ہمین حواس کے ذریعہ سے پہلے ہو چکا ہے اس تعریف سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ گو تصور کے ذریعہ سے غیر مرئی اشیار ہماری نگاہ کے سامنے محسوس ہو کر آتی ہین لیکن ان غیر مرئی اشیار کا مواد سابقہ احساسات سے فراہم ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تصور کی تعریف سے احساسات سابقہ کی قید نکال ڈالنا تصور کی طاقت کا بیجا اور مبالغہ آمیز خیال قائم کرنا ہے تصور کی طاقت اس معنی مین بیشک وسیع ہے کہ انسان کے حواس سے اوسکو خدمت لینے کی حاجت نہین ہوتی لیکن اسکے یہ معنی نہین ہین کہ تصور نئی چیزونکو پیدا کر سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ تصور کی حالت ایک صناع کی ایسی ہے جسطرح ایک صناع ایک میز تیار کرتے وقت ان چیزون سے میز کا مصالحہ فراہم کرتا ہے جو قدرتاً میز بنانے کے کام آسکتی ہین اسیطرح تصور بھی ایک نئی چیز پیدا کرتے وقت انہی احساسات سے کام لیتا ہے جو پہلے سے اس کام مین آنے کی قابلیت رکھتے ہین اور جس طرح صناع کی قدرت سے یہ باہر ہے کہ وہ لکڑی اور لوہے اور دیگر چیزونکو نئے سرے سے خود پیدا کرے بلکہ اسکا کام صرف اسقدر ہوتا ہے

کہ وہ لکڑی اور لوہے وغیرہ چیزون کو جو قدرت کی جانب سے بنی بنائی موجود ہین فراہم کرے اور انکو ایک مناسب وضع قطع مین ترتیب دیکر ایک میز تیار کرلے بعینہ اسی طرح تصور کی طاقت سے یہ باہر ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کا ادراک کرے جس کا حس ابتک انسان کو نہین ہوسکا ہے ہان البتہ تصور یہ کرسکتا ہے کہ جو مواد ہمارے حواس نے فراہم کیا ہے انکو ملا کر انسے کسی نئی چیز کو ترتیب دے یا انہین سے بعض احساسات کو الگ کرکے نئی چیز پیدا کرے یا بعض خاص احساسات مین کسی دوسرے قسم کے احساس کا اضافہ کرکے ایک نیا مرکب تیار کرے حاصل یہ کہ تصور کا کام ایک صناع کی طرح صرف اسقدر ہے کہ وہ حواس کے جمع کردہ نظری مواد کو اکٹھا کرکے انسے نئی نئی چیزین پیدا کرتا رہے،

لیکن اگر اس سے زیادہ تصور کی وضاحت درکار ہو تو دوسرے طریقہ پر تصور کی حالت کو یون سمجھو کہ جس طرح ایک کیمیا دان کبھی بعض مرکب چیزونکو لیکر انہین سے مفرد عناصر کو الگ کرتا ہے کبھی وہ بعض متجانس عناصر کو لیکر انکو باہم ترتیب دیتا اور ان سے ایک نیا مرکب پیدا کرلیتا ہے اور کبھی بعض مخالف عناصر کو جمع کرکے انکا مزاج قائم کرتا اور مزاج قائم کرنے کے بعد ایک مناسب شکل مین انکو ترتیب دیتا ہے بعینہ اسی طرح تصور کا کام صرف اسقدر ہے کہ کبھی وہ بعض مرکب احساسات کو جمع کرکے انکی تحلیل کرتا ہے کبھی وہ متجانس احساسات کو فراہم کرکے انسے ایک نیا مرکب پیدا کرتا ہے کبھی وہ بعض مخالف احساسات کی تلاش کرکے انکے درمیان ایک فرضی رابطہ پیدا کرتا اور اسکے بعد انکو ایک نئی شکل مین ترتیب دیتا ہے اور کبھی وہ کیمیا دان کیطرح چند مفرد عناصر کو لیکر انکی روح کو ایک مفہوم کلی کی صورت مین کھینچ لیتا ہے غرض ایک عمل کیمیادی کی طرح تصور کے اعمال بھی چار قسم کے ہوتے ہین،

(۱) تحلیل، یعنے مرکب محسوسات یا احساسات کو فراہم کرکے انسے مفرد احساسات کو الگ کرنا
(۲) ترکیب، یعنے متخالف احساسات یا محسوسات کو جمع کرکے ان سے ایک نیا مرکب پیدا کرنا،
(۳) تخلیط، یعنی متخالف احساسات یا محسوسات کو فراہم کرکے انکے درمیان ایک فرضی رابطہ پیدا کرنا اور اسکے بعد انکو ایک نئی شکل مین ترتیب دینا،
(۴) تجرید، یعنی بسیط احساسات یا محسوسات فراہم کرکے انسے ایک مفہوم کلی اخذ کرنا،

اعمال تصور کے ان چارون اقسام کی مثالین واضح ہین البتہ عمل تخلیط کی حقیقت کسی قدر غیر واضح ہے اس لیے ہم اسکی حقیقت کو ذیل کی مثالون سے واضح کرتے ہین،

عمل تخلیط کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ مثلاً ہمنے مختلف اقسام کے جانور اونٹ، بکری گائے، بھیڑ، وغیرہ کا الگ الگ مشاہدہ کیا ان سب کے جسمون کے الگ الگ حصے تھے انکا بھی مشاہدہ کیا لیکن اب مشاہدہ کرنے کے بعد فرض کرو کہ ہمنے ان جانورون کی اصل صورتکو نظر انداز کردیا اور ایک ایک جانور کے جسم کے ایک ایک حصہ کا ملاکر تصور شروع کیا اونٹ کی گردن لیلی، بکری کے پاؤن اور اسیطرح جتنے جانور ونکا مشاہدہ ہم کرچکے ہین اونکے جسم کا ایک ایک حصہ لیا اور ان سب کو ترتیب دیکر ذہن مین ایک نئی چیز کا تصور پیدا کرلیا تو اگرچہ اس صورت مین ایک نئی چیز ہمارے تصور مین پیدا ہوگئی ہے لیکن درحقیقت یہ نئی نہین ہے بلکہ قبل کے احساسات کا نتیجہ ہے اسی طرح فرض کرو کہ ہم اسوقت سونے کے پہاڑ کا تصور کررہے ہین ظاہر ہے کہ ہمنے سونے کا پہاڑ کبھی نہین دیکھا ہمنے کیا کسی نے نہ دیکھا ہوگا مگر اسکا تصور ہمارے ذہن مین پیدا اسطرح ہوا کہ سونے کا مشاہدہ ہم کرچکے تھے اور پہاڑ بھی ہمنے دیکھا تھا اب ہمنے یہ کیا کہ اپنے ذہن مین ان دو احساسات کو جو علیحدہ علیحدہ تھے اور

مختلف اوقات مین ہمکو حاصل ہوے تھے یکجا کرکے اُنسے ایک نیا تصور ایک نئی چیز کا پیدا کرلیا جو اپنی موجودہ حالت مین غیر مرئی اور غیر مشاہد ہے لیکن اس مرکب تصور کے مفردات ہمارے مشاہدہ مین آچکے تھے۔ پس عمل تخلیط کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عمل تخلیط کی بنا ہمیشہ اس خاص رابطہ پر ہوا کرتی ہے جو دو متخالف چیزون کے درمیان ذہن پیدا کرلیتا ہے اور عموماً یہ رابطہ مصنوعی اور فرضی ہوا کرتا ہے مساوات اور مماثلت کے تصورات کو بھی ترکیب اور تخلیط ہی کے نتائج عمل سمجھنا چاہیے لیکن مساوات و مماثلت حقیقی اور مساوات و مماثلت غیر حقیقی کے درمیان فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اگر وہ رابطۂ مساوات و مماثلت یقینی اور واقعی ہے تو اوسکو ہم استقرا، تام کی بنا قرار دیسکتے ہین لیکن اگر وہ مصنوعی اور غیر واقعی ہے تو وہ تمثیل، تشبیہ، اور استعارہ کے کام آتا ہے وہ لوگ جنکی قوت عقلی کمزور ہوتی ہے عموماً اس قسم کا فرضی رابطہ اپنے ذہن مین جلد پیدا کرلیتے ہین غرض یہی چار اعمال تصور ہین جو انسان کے تمام ادراکات و تصورات کی بنا ہین تجرید و تحلیل سے نئے بسیط تصورات حاصل کیے جاتے ہین اور ترکیب و تخلیط سے مرکب علوم و تصورات۔ اشیاء کی مماثلتون کا دریافت کرنا اور اونکے اختلافات کی تحقیق کرنا تمام مرکب علوم انسانی کا ماحصل ہے استقرا، قیاس، تمثیل، جو فکر و نظر کی مختلف صورتین ہین وہ انہی دو مختلف اعمال تصور ترکیب و تخلیط سے اپنا مواد فراہم کرتی ہین لیکن چونکہ ان چارون اعمال مین سے عمل تجرید کو بسیط علوم کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور عمل تجرید کی حقیقت کی ناواقفیت اکثر فلسفیانہ غلط فہمیون کی باعث ہوئی ہے اس لیے ہم کیفیت تصور کی تشریح کے بعد اپنے وعدہ کے مطابق تجرید ذہنی سے ابھی بحث کرینگے البتہ عمل ترکیب و عمل تخلیط سے بحث کرنا ہمارے فرض مین داخل نہین ہے کیونکہ وہان سے مرکب تصورات و ادراکات کی سرحد

شروع ہوتی ہے حالانکہ ہم اس مضمون مین صرف علم بسیط کی حقیقت سے بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہین ہان البتہ تصور کی ترکیب وارتقار کے قوانین نفسی بتاے دیتے ہین جنکے مطابق تصورات کی ترقی وترکیب عمل مین آتی ہے لیکن ہم ان قوانین سے بھی اسی حد تک بحث کرینگے جس حد تک کہ انکا تعلق علم بسیط اور کیفیت تصور کی فصاحت وتشریح کے ساتھ وابستہ رہے،

(۳۲) تصور کی ترکیب وارتقار کے قوانین نفسی

اتنی بات ہر شخص جانتا ہے اور اس بات کا تجربہ ہر شخص کو اپنی زندگی مین ہوتا ہے کہ انسان کے ذہن مین اسکی زندگی کے اکثر لمحون مین تصورات کا ایک لگاتار سلسلہ جاری رہتا ہے حالت خواب مین جب قواے دماغی پر اسفل مراکز عصبی کا غلبہ ہوتا ہے اسوقت اس سلسلہ مین اور ترقی ہوجاتی ہے نیز اسکے ساتھ ہر شخص کا یہ بھی تجربہ ہے کہ یہ لاتمناہی تصورات بلاکسی خاص تعلق کے نہین پیدا ہوتے ہین بلکہ ان تصورات مین باہم کسی نہ کسی قسم کا علاقہ ضرور ہوتا ہے جسکے باعث ذہن انسانی مین بسیط تصورات سے لیکر مرکب اور مرکب در مرکب تصورات کی پیدائش برابر ہوا کرتی ہے بلکہ مرکب تصورات کے علاوہ ہم ان تصورات مین بھی باہم کوئی نہ کوئی علاقہ ضرور پاتے ہین جو بظاہر ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق نظر آتے ہین بیداری کے عالم کے علاوہ حالت خواب مین بھی ہمپر جن تصورات کا استیلا ہوتا ہے وہ بھی گو بظاہر باہم بے تعلق نظر آتے ہین لیکن درحقیقت انین بھی باہم کوئی نہ کوئی دقیق ربط و علاقہ ضرور ہوتا ہے اسیطرح یہ بھی عجیب بات ہے کہ بعض اوقات دو مختلف زبانون کے بعض ہم معانی الفاظ مین ایک خاص مشابہت پائی جاتی ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ مختلف تصورات مین باہم کوئی نہ کوئی علاقہ ضرور ہوتا ہے جسکی بنا پر ایک تصور سے

پیدا ہوتے ہی دوسرا تصور بھی ذہن مین پیدا ہو جاتا ہے نفس ذہنی کا یہی قانون ہے جسکو اصطلاح مین قانون ائتلاف ذہنی کہتے ہین، اس قانون کا منشاء یہ ہے کہ بعض دو یا زائد تصورات مین باہم ایک ایسا گہرا تخصیصی تعلق ہوتا ہے کہ جب انمین سے ایک تصور ذہن مین پیدا ہوتا ہے تو دوسرا تصور بھی ضرور پیدا ہو جاتا ہے یہی قانون ہے جو ذہن مین تصورات کی ترکیب و ارتقار کا باعث ہوتا ہے،

لیکن سوال یہ ہے کہ اس قسم کے تخصیصی تعلقات کی تحدید کیا ہے؟ یعنی یہ کہ وہ کونسے تعلقات ہوتے ہین جنکی بنا پر قانون ائتلاف ذہنی تصورات انسانی پر عامل ہوتا ہے؟ بالفاظ دیگر اس قانون کی فعلیت کی کتنی صورتین ہین؟

متقدمین فلاسفۂ حال مین سے ہیوم نے اس قانون کی فعلیت کی تین صورتین بتائی ہین جو اسکے اوراق سے حسب ذیل ہین،

(۱) **علاقۂ علیت**۔ یعنی جو دو چیزین باہم علت و معلول ہوتی ہین انمین سے ایک کا تصور ذہن مین جب پیدا ہوتا ہے تو معًا دوسری چیز کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے مثلاً اگر ہم کسی وقت زخم کا تصور کرتے ہین تو فورًا ہمارے ذہن مین اس تکلیف اور اذیت کا تصور بھی پیدا ہوتا ہے جو اس زخم کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوا تھا،

(۲) **علاقۂ مقارنت زمانی یا مکانی**۔ یعنے جب دو یا زائد چیزین ہم مکان یا ہم زمان ہوتی ہین تو ہمارے ذہن مین جب انمین سے کسی ایک کا تصور پیدا ہوتا ہے تو فورًا دوسری چیز کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے مثلاً اگر ہم کسی عمارت کے ایک حصہ کا صرف تصور کرین تو خواہ مخواہ ہمارے ذہن مین اس عمارت کے دوسرے حصون کا بھی تصور پیدا ہو جائیگا،

(۳) **علاقۂ مماثلت**۔ یعنی جب دو یا زائد چیزون مین باہم مماثلت ہوتی ہے تو مثل کے

تصور کے ہمارے ذہن مین پیدا ہوتے ہی اصل کا تصور خواہ مخواہ پیدا ہوجاتا ہے مثلاً اگر ہم کسی شئے کی تصویر یا فوٹو کا تصور اپنے ذہن مین کرین تو فوٹو کے تصور سے خواہ مخواہ ہمارے ذہن مین اسکی اصل کا بھی تصور پیدا ہوجائیگا۔

یہ ہیوم کی تحدید ہے جو اسنے بتائی ہے لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تحدید ناقص ہے کیونکہ قانون ایتلاف ذہنی کی فعلیت کی ایک صورت علاقۂ تضاد بھی ہے جسکو ہیوم نے مذکورہ بالا صورتون مین سے کسی صورت مین داخل نہین کیا ہے، ہیوم نے خود اس شبہہ کا ازالہ کیا ہے وہ کہتا ہے:

"ان تین صورتون کے علاوہ اس قانون کی فعلیت کی ایک صورت علاقۂ تضاد ہے لیکن علاقۂ تضاد درحقیقت علاقۂ علیت، اور علاقۂ مماثلت کے مجموعہ کا نام ہے یہ ظاہر ہے کہ جب دو چیزون مین تضاد ہوتا ہے تو انمین سے ایک چیز دوسری چیز کی فنا اور زوال کا باعث ہوتی ہے اور یہی علیت کی شان ہے پھر اسکے فنا کے تصور سے ذہن مین اسکے سابق وجود کا تصور پیدا ہوتا ہے اور یہ علاقۂ مماثلت کی شان ہے پس درحقیقت علاقۂ تضاد کوئی نیا علاقہ نہین بلکہ علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت کے مجموعہ کا نام[1] ہے"

لیکن ہیوم کی تحدید اب بھی ہمارے نزدیک ناقص ہے علاقۂ تضاد کو جس بنا پر اسنے علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت دونون کا مجموعہ فرض کیا ہے وہ ہمارے نزدیک بے اصل بات ہے جب دو چیزون مین علاقۂ تضاد پایا جائیگا تو دونون مین مثلیت کہان سے آئیگی دو چیزون مین مثلیت کے باوجود تضاد کا پایا جانا صریحی تناقض نہین تو اور کیا ہے؟

---

[1] مضمون حقیقت علم انسانی، ص ۳۲، ۱۲

علاوہ برین اگر علاقۂ تضاد کو علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت کا مجموعہ فرض کیا جاسکتا ہے تو کم از کم علاقۂ مقارنت زمانی کو تو علاقۂ علیت مین شمار کرنا زیادہ مناسب ہوگا خاصکر ہیوم سے تو تعجب ہے کہ اسنے علاقۂ تضاد کو علاقۂ علیت اور علاقۂ مماثلت کا مجموعہ فرض کیا لیکن علاقۂ علیت کو علاقۂ مقارنت مین شمار نہین کیا حالانکہ علت کے متعلق تو خود ہیوم کا یہ خیال ہے کہ علت و معلول مین کوئی ذاتی علاقہ باعثہ نہین ہوتا بلکہ محض دو چیزونکی باہمی زمانی مقارنت کو دیکھکر ہم عادتًا دونون کے درمیان ایک خاص علاقہ پیدا کرلیا کرتے ہین جسکو ہیوم علاقۂ عادی کہتا ہے پس ہیوم کے اس خیال کی بناء پر علت و معلول مین باہم درحقیقت علاقۂ مقارنت کے علاوہ کوئی دوسرا علاقہ ہی نہین ہوتا اور اسی لیے ہیوم نے علت کی تعریف مین مقارنت زمانی کے علاوہ اور کسی قید کا لحاظ ہی نہین کیا ہے حاصل یہ کہ ہیوم نے علت کی جو تھیوری بتائی ہے اسکی بناء پر علاقۂ علیت کا علاقۂ مقارنت مین شمار کرنا زیادہ مناسب ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ علیت علاقۂ مقارنت ہی کی ایک شکل کا نام ہے البتہ بعض لوگونکے نزدیک علاقۂ مقارنت اور علاقۂ علیت مین فرق صرف اسقدر ہوتا ہے کہ انکے نزدیک علت و معلول مین مقارنت زمانی کے علاوہ ایک بات اور پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ علت مین ایک ایسی قوت ہوتی ہے جسکی بناء پر معلول کا صدور علت سے ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علت سے معلول کا صدور گو نہین ہوتا مگر دونون باہم لازم ملزوم ہوا کرتے ہین اور مقارنت زمانی اسوقت بھی دونون مین پائی جاتی ہے پس درحقیقت لزوم اور تعلیل یہ دونون علاقے بھی علاقۂ مقارنت کے اندر شامل ہین اور اس لیے ہمارے نزدیک علاقۂ تضاد کو علاقۂ مماثلت اور علاقۂ علیت کا مجموعہ فرض کرنے کے بجاے اسکو ایک مستقل علاقہ

قرار دینا چاہیے اور علیت اور لزوم کو علاقۂ مقارنت زمانی مین شمار کرنا چاہیے پس اس اصول کی بنا پر ہمارے نزدیک قانون ایتلاف ذہنی کی تین صورتین ہین جو ہیوم کی بیان کردہ صورتون سے تھوڑا سا مختلف ہین،

(۱) علاقۂ مقارنت۔ یعنے جب دو یا زائد چیزون مین مکانی یا زمانی حیثیت سے نفس ذہن قرب یا اتصال محسوس کرتا ہے تو جب انمین سے کسی ایک چیز کا تصور ذہن مین پیدا ہوتا ہے تو دوسری مقارن شئے کا تصور بھی خواہ مخواہ اسکے ساتھ پیدا ہوجاتا ہے مثلاً جب ہم دھوین کا تصور کرتے ہین تو دھوین کے ساتھ ساتھ آگ کا تصور بھی ہمکو فوراً ہوتا ہے کیونکہ آگ اور دھوان ہمارے ذہن مین مقارنت کے سبب سے اس طرح باہم لازم ملزوم ہوگئے ہین کہ نفس دھوین اور آگ کے تصور مین انفصال کو قبول نہین کرتا اور چار و ناچار ایک تصور کے ساتھ دوسرا تصور بھی پیدا ہوجاتا ہے یا اسی طرح مثلاً اگر ہم کسی عمارت کے ایک حصہ کا صرف تصور کرین تو اس عمارت کے دوسرے حصونکا تصور بھی ہمارے ذہن مین ضرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن علاقۂ مقارنت کی تین صورتین ہین؛

(۱) وہ دو چیزین جو ساتھ ساتھ پائی جارہی ہین باہم علت و معلول ہون یعنی یا یہ کہ انمین سے ایک چیز کا وجود دوسری چیز کی وجہ سے ہوا ہو اور یا یہ کہ ان دو چیزون کے درمیان بار بار کے تجربہ کی بنا پر خود نفس ذہنی نے ایک عادی رابطہ علیت و معلولیت کا پیدا کرلیا ہو تو جب ان دو چیزون مین سے کسی ایک چیز کا تصور ہم کرتے ہین تو دوسری چیز کا تصور بھی ہمارے ذہن مین ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم کسی زخم یا پھوڑے کا تصور کرتے ہین تو ہمین ساتھ ساتھ اس اذیت اور تکلیف کا بھی تصور ہوتا ہے جو اس زخم سے ہمکو محسوس ہوئی تھی۔ یا مثلاً جب ہم کسی مصنوع چیز کا تصور کرتے ہین تو اسکے

صانع کی جانب بھی ہمارا خیال ضرور جاتا ہے،

(۲) وہ دو چیزین جو ساتھ ساتھ پائی جاتی ہین باہم علت و معلول تو نہون لیکن انہین رابطۂ لزوم پایا جاتا ہو، اس صورت مین بھی لازم کے تصور سے ملزوم اور ملزوم کے تصور سے لازم کا تصور ہوتا ہے،

(۳) وہ دو چیزین جو ساتھ ساتھ پائی جاتی ہین انہین باہم نہ رابطۂ علیت ہو اور نہ علاقۂ لزوم بلکہ محض ویسی مقارنت ہو جیسی دن اور رات مین پائی جاتی ہے مثلاً جب ہم کسی خاص شخص کا تصور کرتے ہین تو اسکے ان تمام تشخصات خارجی کا بھی تصور ہوتا ہے کہ اسکی داڑھی طویل اور گھنی ہے اور اسکا سر منڈا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ،

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو واقعات اتفاقیہ ساتھ ساتھ وقوع پذیر ہوتے ہین انکی یہ اتفاقی مقارنت زمانی نفس مین کچھ اسطرح منتقش اور مرتسم ہو جاتی ہے کہ اب ایکبار کی مقارنت ہمیشہ کے لیے ذہنی ایتلاف کی باعث ہو جایا کرتی ہے مثلاً اگر کبھی کھانا کھاتے وقت ہمارے مربہ مین مکھی گر پڑی اور ہمین اس مربہ سے نفرت پیدا ہوئی تو اب ان دونون واقعون کی مقارنت زمانی ہمارے ذہن مین کچھ ایسی مرتسم ہو جاتی ہے کہ مربہ کا تصور کرتے ہی ہمارے ذہن مین مکھی کے گرنے کا تصور بھی پیدا ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی محض اس تصور کی بنا پر ہماری طبیعت مالش بھی کرنے لگتی ہے،

(۴) **علاقہ مماثلت**، یعنی جب دو یا زائد چیزین باہم مشابہ ہوتی ہین تو جب انہین سے ایک چیز کا تصور ہمارے ذہن مین پیدا ہوتا ہے تو دوسری چیز کا تصور بھی ذہن مین فوراً پیدا ہو جاتا ہے مثلاً کسی شے کی تصویر یا اسکے فوٹو کا جب ہم تصور کرتے ہین تو فوراً اسکی اصل کا خیال بھی ہمارے ذہن مین ضرور ہوتا ہے،

(۳) علاقہ تضاد، یعنی جب دو یا زائد چیزون مین تضاد ہوتا ہے تو ان مین سے کسی ایک چیز کے ہمارے ذہن مین آتے ہی دوسری چیز کا تصور بہی معًا ہمارے ذہن مین پیدا ہوجاتا ہے مثلاً یہ ہم جانتے ہین کہ دن اور رات مین تضاد ہے اب جب کبھی ہم دن کا تصور کرتے ہین تو رات کا خیال بھی ساتھ ساتھ ہمارے ذہن مین آتا ہے،

مصریون کی مذہبی حالت

(۱)

(از مولوی عبدالرزاق ندوی)

جس طرح ہر ملک اور قوم کے افراد مین تین طبقے ہوتے ہین، اعلیٰ، متوسط، اور ادنیٰ اور ان مین سے ہر ایک اپنے اخلاق، عادات، رسم و رواج، طرز معاشرت اور معتقدات و اعمال مذہبی مین ایک حد تک نمایان فرق و امتیاز رکھتا ہے، اسی طرح مصر مین بھی یہ تینون طبقے مع اپنی خصوصیات اور جداگانہ حیثیت کے موجود ہین، اور چونکہ اس ملک مین قومیت اور خاندانی شرافت کو چندان اہمیت حاصل نہین ہے، اور معیشت کے گران ہونیکی وجہ سے اچھی زندگی بسر کرنے کے لئے کثیر مصارف کی ضرورت ہوتی ہے، اسلئے وہان خاندانی تقسیم و تحدید دولت، ثروت کے اعتبار سے کیجاتی ہے، چنانچہ دولت مند لوگ شرفا، یا اعلیٰ طبقہ مین سمجھے جاتے ہین، اور غریب و نادار ادنیٰ مین، اور متوسط الحال، طبقہ متوسطہ مین۔

مصر کے اعلیٰ و ادنیٰ طبقون کو تو جانے ہی دو، کیونکہ ان دونون کی حالت از حد زبون ہے، نہ ان کے اخلاق و عادات ہی درست ہین، اور نہ اُن مین صحیح معنی انسانیت ہی پائی جاتی ہے، ادنیٰ طبقہ جہالت کے دیوتا پر بھینٹ چڑھ گیا ہے، اور اعلیٰ شہوات نفسانی اور تمدن مغربی کا شکار ہو گیا ہی، رہا متوسط طبقہ تو وہ خیر الامور اوسطہا کے مطابق ان دونون سے بہتر حالت مین ہے، اور اسمین کچھ کچھ روحانیت اور مذہبی زندگی پائی جاتی ہے، مجھسے ایک مرتبہ ایک روشن خیال مصری نے سوال کیا کہ مسلمانان ہند اور مسلمانان مصر مین مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے کیا فرق ہے، اسکا جواب مین نے یہ دیا تھا کہ نمایان فرق صرف ادنیٰ طبقہ مین ہے، ہندوستان

میں جو مسلمان اپنی قومیت کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ میں شمار کئے جاتے ہین، وہ مصری مسلمانون سے کہین بہتر حالت مین ہین بلکہ بعض حیثیتون سے تو انہین کو اوس درجہ کے مسلمان تصور کرنا چاہئے سب اعلیٰ اور متوسط درجہ کے مسلمان تو انکی حالت دونون ملکون مین تقریباً یکسان ہے، اگرچہ متوسط درجہ کے ہندوستانی مسلمان مصریون سے بہتر ہین -

ہندوستانیون اور مصریون کے مذہبی نقطہ نظر مین بڑا فرق ہے (اگرچہ وہ بتدریج کم ہو رہا ہے) ہندوستان کے مسلمان اسلام کو اتبک صرف ایک مذہب اور روحانی ہدایت کی حیثیت سے دیکھتے اور جو کچھ کرتے ہین، اسی خیال کی بنا پر کرتے ہین، برخلاف اُنکے مصری اُسے زیادہ تر سیاسی اہمیت دیتے ہین، اور اسکے لئے اسی وقت جوش وخروش اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہین، جب سیاسی نقطۂ نظر سے اسکی ضرورت محسوس کرتے ہین، چنانچہ ہم اپنے اس خیال کی تائید مین بکثرت واقعات پیش کرسکتے ہین، ہندوستان مین ایک مسجد ڈہا دیجاتی ہے، تو یہ قربانی روک دیجاتی ہے، یا اسلامی پیشواؤن کی نسبت توہین آمیز کلمات استعمال کئے جاتے ہین، کیا ہوتا ہے؟ پشاور سے سیلون تک اور کلکتہ سے بمبئی تک تمام اسلامی آبادی مین ایک بے چینی پہیل جاتی ہے، اور جوش وخروش کے دریا موجین مارتے نظر آتے ہین، لیکن یہ سچی بے چینی سیاسی موقعون پر ظاہر نہین ہوتی، (اگرچہ اب بہت کچھ تغیر ہو رہا ہے) برعکس اسکے مصر مین [illegible] علی الاعلان ڈہا دیجاتی ہین، (جیسے جامع متبولی وغیرہ) یا ان مین انگریزی مسیحی فوجین [illegible] کو سنڈاس بناتی اور دالانون مین سور ذبح کرتی ہین، (مثلاً جامع الملک الظاہر، [illegible] واقعات کی تفصیل سفرنامہ مین مذکور رہے) مگر مصریون کے کان پر جون تک نہین رینگتی، غیرت اسلامی مین کوئی جنبش نہین پیدا ہوتی، لیکن اگر کوئی اسلامی سیاسی حادثہ واقع ہوجاتا ہے تو ان کے جوش کی کوئی حد نہین رہتی، خوب شوروغل کرتے اور دل کہول کر مالی مدد کے لئے

تیار ہو جاتے ہین، جیسا کہ واقعہ دنشوائی، جنگ طرابلس، جنگ بلقان، گذشتہ جنگ عظیم، التوا ے جنگ کے بعد آزادی کی جدوجہد، اور قاہرہ مین انگریزی فوجون کے داخلہ کے موقع پر ظاہر ہو چکا ہے،

پس ایسی حالت مین یہ بالکل بیجا ہے کہ ہم مصریون کو تقدس و تقوی کے لباس مین قائم اللیل وصائم النہار، کم گو، کم خوراک، اور صحابہ کے رنگ مین رنگا ہوا دیکھنے کی خواہش کرین، بلکہ جتنی بھی روحانیت اور مذہبیت اُنسے ظاہر ہو، اسی کو غنیمت سمجھنا اور اُسپر خدا کا شکر بجالانا چاہیئے، کیونکہ اول تو ان کا مذہبی نقطۂ نظر ہم سے جدا ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، اور دوسرے وہ ایک ایسے مرکز پر واقع ہوئے ہین جہان کمزور مشرق اور زبردست مغرب کا سنگم ہوتا ہے، جہان ہمہ وقت مختلف خیالات اور متضاد واقعات کا ظہور ہوتا رہتا ہے، اور جہان عرصہ دراز سے قدیم وجدید خیالات مین محاربۂ عظیم برپا ہے، جسمین ابتک کسی نے اپنی شکست تسلیم نہین کی ہے پس ایسی صورت مین کسی قوم کا اپنی قدیم روایات اور معتقدات کا بجنسہ برقرار رکھنا اگر ناممکن نہین تو سخت دشوار ضرور ہے، مصری پھر بھی قابل ستائش ہین کہ باوجود ان تمام مشکلات کے ابتک انھون نے بہت کچھ اپنی مذہبیت کی محافظت کی ہے، اور اب بھی ان مین جذبۂ اسلامی کی وہ چنگاری موجود ہے، جسے اگر ہوا دیجائے تو جلد انگارہ بن سکتی، اور پھر آتش سوزان کی شکل اختیار کر سکتی ہے، چنانچہ اگر مسجدون کو جا کر دیکھیے کہ جنکی تعداد قاہرہ مین بہت ہی تو وہ نمازیون سے بھری پڑی نظر آئینگی، جنمین صرف جبہ و دستار ہی نہین بلکہ کوٹ پتلون بھی دکھائی دینگے، ہندوستان کی طرح نہین کہ جس نے انگریزی پائجامہ ٹانگون پر چڑھا لیا اسکے لئے مسجد مین داخل ہونا یا نماز پڑھنا باعث ننگ و عار ہو گیا!

مصری اپنی نمازون مین صرف ٹکرین ہی نہین لگاتے بلکہ ایک حد تک خضوع وخشوع

بھی رکھتے ہین، جو ہم ہندوستانیون کی نمازون مین عموماً مفقود ہوتا ہے جسکی وجہ میرے نزدیک یہ ہی کہ عربی انکی مادری زبان ہے، جو اگر یہ غیر فصیح ہے تاہم وہ قرآن مجید اور اپنی مناجاتون کو بہت کچھ سمجھتے اور اُن سے متاثر ہوتے ہین، انکا تاثر اسوقت قابل دید ہوتا ہے، جب امام خطبۂ جمعہ مین مسلمانون کے موجودہ تنزل و انحطاط، جنگ کے مصائب و آلام اور مجرمون پر اللہ تعالی کے قہر و عتاب کا تذکرہ کرتا ہے، بہتون کی آنکھین اشکبار ہوتی ہین، اور بہتیرے تضرع الی ہولی دبی آواز مین اللہ اللہ اللھم احفظنا اللھم احفظنا کہتے ہوئے سنائی دیتے ہین، خصوصاً اسوقت انکی حالت اور بھی عجیب ہوتی ہے جب خطیب اپنے نرالے انداز اور عربی لہجہ مین یہ دعا شروع کرتا ہی اللھم نصر من نصر دین محمد! واخذل من خذل دین محمد! اللھم نصر عبدک وابن عبدک الخاضع لجلالک و مجدک، من ید تہ بعنایتک وحفظتہ بعین رعایتک، امیرالمؤمنین سلطاننا سلطان المسلمین السلطان وحید الدین محمد السادس اعزہ اللہ اللھم نصر عساکرہ"، تو اس دعا کے ہر ہر بند پر آمین! آمین! کے شور سے جو گونج اٹھتی ہے اور نازک آوازین در و دیوار سے نکل کر عجب ہیبت اور عجب سمان پیدا کردیتی ہین، اسی بنا پر مین مصریون کے مذہبی مستقبل سے مایوس نہین ہون، کیونکہ ایمان و اتقار کی پہلی شرط یعنی "تاثر" اُن مین بدرجۂ اتم موجود ہے اور وہ قبول اصلاح کی پوری صلاحیت رکھتے ہین، اور یہ باشندے ہر مفید صدا پر لبیک کہنے کو آمادہ ہوتے ہین، لیکن وائے بر حال مسلمانان! کوئی بندۂ خدا ہو بھی تو جو نعرۂ حق بلند کرے! علما اور "انبیا" کو حلوے مانڈے سے کہان فرصت کہ وہ اپنے اس فرض کی جانب متوجہ ہون ... اللھم ارحم! علمائے ہند، علمائے مصر کی حالت پر متاسف ہون، کیونکہ انکی بھی بے ... مسئلہ خلافت مین انکی سرگرمی ضرور قابل تعریف ہے، بشرطیکہ وہ دنیاوی آلائشون سے ... اور دائمی صورت اختیار کرے، لیکن مجھے شبہہ ہے کہ اس مقدس جماعت مین بڑی تعداد ایسے حضرات کی ہے جو مصلحت وقت کو اکثر پس پشت ڈال کر بیشتر ذاتی مصلحتون کو

دیکھتی، اور کانفرنسون مین جاکر سب سے پہلے اُسکی نظر "باورچیخانہ" پر پڑتی ہے، خدا کرے کہ میرا یہ شبہہ غلط ہو!

مصریون مین ایک بڑی صفت مذہبی بے تعصبی کی ہے، یہ دیکھکر از حد مسرت ہوتی ہے کہ ایک ہی مسجد اور ایک ہی امام کے اقتدار مین حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سب ہی بے تکلف نماز ادا کرتے ہین، کوئی زیر ناف ہاتھہ باندھے ہوئے ہے، کوئی سینہ پر، اور کوئی بالکل چھوڑے کھڑا ہے (مالکی) کوئی "آمین" باواز بلند کہتا ہے، اور کوئی آہستہ سے، مگر کسی کو کسی پر کوئی اعتراض نہین ہوتا، اور نہ ہندوستان کی طرح جوتیون مین دال بٹنے لگتی ہے، مصر مین اگرچہ چارون ائمہ کے پیرو موجود ہین، لیکن کوئی بھی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علحدہ قائم نہین کرتا، بیشک بڑی مسجدون مین چارون مصلے موجود ہین، جنمین یکے بعد دیگرے پنجوقتہ نمازین بھی ہوتی ہین، مگر یہ کبھی نہین دیکھا گیا کہ کسی نے دوسرے فرقہ کے امام کی اقتدار مین نماز پڑھنے سے گریز کیا ہو، بلکہ جسے جو جماعت ملجاتی ہے وہ اسمین بلا پس و پیش شریک ہوجاتا ہے، کیا ہم ہندوستان مین بھی ایسی ہی رواداری دیکھنے کے متمنی ہوسکتے ہین؟ کم از کم نصف صدی تک تو نہین،

افسوس ہے کہ مسلمانان مصر زکوۃ کی جانب سے عموماً بے توجہی برتتے ہین، صرف غیر مذہبی ہی نہین بلکہ متدین اور پرہیزگار بھی، جسکی ذمہ داری میرے خیال مین سراسر علماء ازہر کے سر ہے جنھون نے اُنکو یہ لٹکہ بتا کر گمراہ کردیا ہے، کہ حولان حول ہونے سے پیشتر ہی مال کو کسی اور کے نام منتقل کردو، اور جب اس شخص پر زکوۃ واجب ہونے لگے تو پھر مال کو اپنے نام واپس کرلو، اسی طرح کبھی مملوکہ مال پر پورا سال نہ گذریگا، اور نہ زکوۃ دینا پڑیگی،

چنانچہ لوگون کا اسی پر عملدرآمد ہے، شوہر کبھی بیوی کو "زبانی ہبہ" کردیتا ہے، اور کبھی بیوی شوہر کو، لیکن برخلاف زکوۃ کے مصری حج کرنے بکثرت جاتے ہین، ہندوستانیون کی طرح

کاسۂ گدائی ہاتھ مین لئے ہوئے نہین بلکہ اطمینان و فراغت کے ساتھ،

بدعات

مصریون کی مذہبی حالت پر جب ایک خالص عقیدہ رکھنے والا مسلمان نظر ڈالتا ہے تو یہ دیکھکر اسکا کلیجہ شق ہو جاتا ہے کہ انھون نے بدعات و خرافات کو جزو اسلام بنا رکھا ہے، حتی کہ ان کے تقریبًا تمام مذہبی اعمال مین انکی آمیزش ہے، میرے نزدیک انکی اس افسوسناک حالت کے ذمہ وار سلاطین دولت فاطمیہ ہین، جنکی سیاست کا اقتضا یہی تھا کہ مسلمانون کے عقاید بگڑ جائین، پھر انکے بعد ذمہ داری ان علما، پر عاید ہوتی ہے، جنھون نے محض اپنے ذاتی فواید اور دنیاے دون کی خاطر ان بدعات کو قائم رکھا، بلکہ انہین اور تقویت دی، ذیل کے بیان سے اس اندوہناک حالت کا اندازہ ہو سکیگا،

اذان، جو شعائر اسلام مین نہایت اہمیت رکھتی ہے وہ بھی بدعت کی دست اندازی سے نہ بچ سکی، فجر کے وقت موذن منارون پر چڑھکر اذان سے پہلے "قصیدہ بردۃ" کے بہت سے اشعار خوش الحانی اور بلند آہنگی سے پڑھتے اور پھر اذان شروع کرتے ہین، دیگر اوقات مین یہ گانا تو نہین ہوتا، لیکن اذان کے قبل اور بعد حمد و نعت کا پڑھا جانا ضروری خیال کیا جاتا ہے، افسوس ہے کہ یہ بدعت مصر سے نکل کر حجاز بھی جا پہنچی ہے، اور خود مسجد کعبہ مین برتی جاتی ہے، شکر ہے کہ ہندوستان ابتک اس سے محفوظ ہے۔

قبر پرستی، مصریون مین قبیح ترین بدعت (جو درحقیقت "شرک" ہے) قبر پرستی یا ولی پرستی بھی نہایت عام ہے، وہ بزرگان دین اور اولیاے کرام مین ہر قسم کی قوتین اور اختیارات تسلیم کرتے، اور انہین کارخانۂ قدرت کے جملہ امور مین دخیل تصور کرتے ہین، چنانچہ انکی قبرون کی انتہائی تعظیم و تکریم کیجاتی، ان سے ہر قسم کی منتین اور مرادین طلب کیجاتین، اور دکھ درد، شادی

غمی، غرضکہ ہر معاملہ مین اُن سے رجوع کیا جاتا ہے، اُنکے راضی رکھنے کے لئے انکے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے، قربانیان کیجاتین، سر کے بال بڑہائے جاتے، اور روزے رکھے جاتے ہین، لوگ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے انکے اسماء کو اسی طرح ورد زبان رکھتے جس طرح ایک مومن اسماء الٰہی کو، چنانچہ جب دیکھو انکی زبانون پر یہی الفاظ ہوتے ہین، یا سیدۃ زینب! یا سیدنا حسین! المدد! یا سید بدوی اور کنی!"..... ولا یذکرون اللّٰہ الا قلیلا!

بدبختون نے صرف اسی پر اکتفا نہین کی ہے بلکہ انکی عبادت کو اللّٰہ واحد کی عبادت کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے، کہ جب اسکی جناب مین جبین نیاز زمین بوس ہو، انکی سرکار مین بھی حاضری ہو جائے، چنانچہ اس بدترین مقصد کے لئے انکے مزار مسجدون سے ملحق کر دیئے گئے ہین، بلکہ بہت سی قبرین تو وسط مسجد مین موجود ہین، قاہرہ بلکہ غالباً تمام ملک مین ایک مسجد بھی ایسی نہین ہے جسمین کسی نہ کسی بزرگ کا مزار موجود نہو، بلکہ مسجد اس جگہ تعمیر ہی نہین کیجاتی جہان پیشتر سے کوئی قبر موجود نہو، جسے بالفاظ دیگر یون کہہ سکتے ہین کہ مسجدین خدا کے لئے نہین بلکہ ان بزرگون کے واسطے بنائی جاتی ہین، تاکہ اُنکے زائرین "بیک کرشمہ دو کار" کے مطابق بآسانی عمل کر سکین، اسی لئے مساجد عموماً اپنے بانیون کے نام سے نہین بلکہ ان بزرگون کے نام سے مشہور ہین، جنکی قبرین ان مین واقع ہین، چنانچہ جامع سیدنا حسین، جامع سیدۃ زینب، جامع امام شافعی، اور جامع شعرانی وغیرہ وغیرہ سبکا یہی حال ہے، مصریون کو یہ معلوم کرکے سخت تعجب ہوتا تھا کہ ہندوستان مین قبرون پر مسجد بنانے کا مطلق رواج نہین ہے، وہ حیرت سے سوال کیا کرتے تھے کہ "کیا ہندوستان مین سب وہابی آباد ہین!!"

(باقی)

مسئلہ خلافت کے متعلق ایک قدیم جد وجہد

اور

دو مسلمان بادشاہون کا مذہبی اتحاد

(از مولانا عبد السلام ندوی)

یہ ایک عجیب بات ہے کہ دنیا مین برائی، بھلائی سے زیادہ شہرت حاصل کرتی ہے، اور بدی کا پلہ ہمیشہ نیکی سے بھاری رہتا ہے، چنگیز کی اولاد مین ہلاکو خان اور برکہ خان بالکل متضاد اوصاف کے شخص پیدا ہوئے، ہلاکو خان سخت ظالم، سفاک، خونریز اور دشمن اسلام تھا اور یہی اوصاف اسکی قومیت کا جزو لاینفک تھے، اسکے بخلاف برکہ خان نہایت خوش اخلاق، عادل، حلیم اور متحمل تھا، خونریزی اور سفاکی سے اسکو سخت نفرت تھی، مسلمانون کی طرف اسکا خاص میلان تھا، اور علما و صلحا کے ساتھ نہایت عقیدتمندانہ برتاؤ کرتا تھا، لیکن بااین ہمہ آج ہلاکو خان کا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے، اور غریب برکہ خان کو کوئی جانتا بھی نہین، لیکن تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی بعض ہستیون کو خاص خاص تاریخی زمانہ کے ساتھ تعلق رہا ہے، اور جب وہ زمانہ آیا ہے تو وہ گمنامی کے گوشہ سے نکل کر منظر عام پر آگئی ہین، اگر یہ سچ ہے تو غالباً اب وہ زمانہ آگیا ہے جسمین برکہ خان کے کارنامے زرین بے نقاب کئے جاسکتے ہین،

ہلاکو خان کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے اسکے گلے مین ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق ڈالدیا ہے یہ ہے کہ اس نے دار السلام بغداد کو برباد کرکے خلافت اسلامیہ کے اقتدار کو مٹادیا، لیکن

۱؎ ماخوذ از تلفیق الاخبار،

چنگیز خان کی اولاد میں برکہ خان پہلا شخص ہے، جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد ہلاکو خان سے خلیفہ مستعصم کے خون کا انتقام لیا، اتحاد اسلامی کی بنیاد ڈالی، اور دوبارہ شعائر اسلام کو قائم کیا، اس زمانہ میں جبکہ ایک طرف خلافت اسلامیہ کا رہا سہا اقتدار بھی زایل کیا جا رہا ہے، اور دوسری طرف دنیائے اسلام میں تحفظ خلافت کیلئے ایک عام انجمن قائم ہو رہا ہے، غالباً برکہ خان کے ان مساعی حسنہ کی تفصیل کبیقدر دلچسپی کے ساتھ سنی جائیگی، لیکن اس داستان کے چھیڑنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہیئے کہ اس خاندان مین جسکا سب سے بڑا نمایاں ممبر ہلاکو خان تھا برکہ خان جیسا شخص کیونکر پیدا ہوا؟

جہانتک فطری اوصاف کا تعلق ہے وہ خود خدا کے گھر سے اقتدار اسلام کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا، لیکن خارجی اسباب کے لحاظ سے اگرچہ برکہ خان نے جس ماحول مین نشو و نما پائی تھی، اُسکی آب و ہوا مین کفر و عناد کا اثر سرایت کر گیا تھا تاہم اس عالم ظلمات مین بھی ایمان کی روشنی قائم تھی، اور جا بجا اسکے جلوے نظر آتے تھے، ایک طرف تو ہلاکو خان تمام دنیائے اسلام کو بے چراغ کر رہا تھا، دوسری طرف شیخ نجم الدین کبریٰ اسلام کی روشنی پھیلانے مین مصروف تھے اور اپنے مریدین کو مختلف شہرون مین اشاعت اسلام کے لئے پھیلا دیا تھا، سعد الدین حموی خراسان مین مصروف ہدایت و ارشاد تھے، کمال الدین شریانی نے ترکستان کو اپنا مرکز قرار دیا تھا، نظام الدین جندی نے قفچق کو منبع انوار بنا رکھا تھا، لیکن شیخ نجم الدین کے ان مریدین و تلامذہ مین سب سے زیادہ بلند پایہ شیخ سیف الدین باخرزی تھے، جنکے فیوض و برکات کا مرکز بخارا تھا، اور وہ یہین سے تمام قلوب صالحہ پر اپنا معجزانہ اثر ڈالتے تھے، برکہ خان جیسا کہ اوپر گذر چکا فطرۃً اس اثر کے قبول کرنے کے لئے آمادہ تھا، اسلئے شیخ سیف الدین باخرزی کی نگاہ خصوصیت کے ساتھ اس جوہر قابل پر پڑی اور انھون نے اپنے ایک ممتاز شاگرد کے

ذریعہ سے اسکو دعوت اسلام دی جسکو اس نے خود نہایت فراخدلی کے ساتھ قبول کیا، اور اسکے ساتھ اسکے اعوان و انصار اور اعزہ و اقارب بھی اس سعادت میں شریک ہوئے، اسلام لانے کے بعد برکہ خان نے اس احسان کے صلے میں شیخ سیف الدین کے ساتھ کچھ سلوک بھی کرنا چاہا لیکن شیخ نے نہایت استغنا کے ساتھ اس فیاضی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا قاصد نے برکہ خان کو اسکی خبر دی تو وہ خود شیخ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، بخارا میں پہنچا تو تین دن تک متصل شیخ کے دروازہ پر کھڑا رہا، لیکن اندر آنیکی اجازت نہیں ملی، بالآخر شیخ کے بعض تلامذہ نے سفارش کی، اور کہا کہ یہ بہت بڑا بادشاہ ہے، دور سے آیا ہے اور حضور کی خدمت سے برکت اندوز ہونا چاہتا ہے، اب اسکو اندر آنیکی اجازت ملی، وہ اندر آیا تو سلام کیا، اور شیخ کے ہاتھ پر دوبارہ تجدید اسلام کر کے واپس ہوا، واپس ہونے کے بعد اس نے خدمات اسلامیہ کی طرف نہایت مستعدی کے ساتھ توجہ کی، تمام شعائر اسلامی کو دوبارہ قائم کیا، علماء اور فقہاء کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کئے، تمام ممالک محروسہ میں مدارس قائم کئے اور مسجدیں بنوائیں، اپنے تمام خاندان کو اسلام کی دعوت دی، اور خلیفہ مستعصم باللہ سے عقیدتمندانہ تعلقات قائم کئے، اور اسکے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ قائم کیا، شہر سرائے کو آباد کر کے اپنا دار السلطنت قرار دیا، اور اسمیں دور دور سے علما و فضلا کو عطایا و صلات دیکر بلایا کہ لوگوں کو شعائر اسلام کی تعلیم دیں،

اس سلسلہ میں اس نے سب سے بڑی جو اسلامی خدمت انجام دی وہ یہ تھی کہ ہلاکو خان فاتح بغداد اور قاتل خلیفہ مستعصم باللہ کے ظالمانہ دستبرد سے خلافت اسلامیہ کا جو اقتدار مٹ گیا تھا اسکو دوبارہ قائم کرنا چاہا، اور اسکے لئے ہلاکو خان کے ساتھ ایک سلسلہ جنگ قائم کیا جسکو غلطی سے مورخین نے ایک سیاسی جنگ قرار دیا ہے اور اسکا سبب یہ بتایا ہے کہ چنگیز خان کی اولاد کا

یہ دستور تھا کہ انکو جو فتوحات حاصل ہوتی تہین اُسکا ایک حصہ باتو خان کے خاندان کو تقسیم کر دیتے تھے، لیکن باتو خان کے انتقال کے بعد برکہ خان تخت نشین ہوا تو ہلاکو خان نے اس قدیم خاندانی رسم کو موقوف کر دیا، جسپر برکہ خان نے برہم ہوکر جنگجویانہ طریقہ اختیار کیا، بعض مورخین کا خیال ہے کہ چنگیز خان کی تقسیم کے رو سے تبریز اور مراغہ باتو خان کے خاندان کے حصہ مین واقع ہوئے تھے، اس بنا پر ان لوگون نے ہلاکو خان سے اسکا مطالبہ کیا، اور اسی مطالبہ کے رد کرنے سے باہم جنگ چھڑ گئی، مورخین نے اسکے علاوہ اور اسباب بھی بتائے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ جنگ جو ہلاکو خان اور برکہ خان کے درمیان قائم ہوئی، کوئی ملکی اور سیاسی جنگ نہ تھی، بلکہ یہ دینی جہاد تھا جو صرف خلافت اسلامیہ کے اقتدار کے قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا، کیونکہ برکہ خان اور خلیفہ مستعصم باللہ مین ابتدا ہی سے عقیدتمندانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، اور باہم خط و کتابت رہتی تھی، اسلام لایا تو یہ عقیدتمندانہ تعلقات اور مستحکم ہو گئے، اسپر مستزاد یہ ہوا کہ اس نے شیخ سیف الدین باخرزی کے ہاتھ پر تجدید اسلام کی تو انھون نے خصوصیت کے ساتھ اسکے دل مین خلیفہ کے ساتھ عقیدتمندی کی وصیت کی،

لیکن ہلاکو خان کی حالت اسکے بالکل برعکس تھی، وہ ابتدا ہی سے خلیفہ کے ساتھ بغض رکھتا تھا، اور خود باتو خان کے زمانہ مین خلافت کے اقتدار کا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے بھائی منکو قاآن کی اجازت سے جو باتو خان کی طرف سے گورنری کے عہدے پر ممتاز تھا، خلیفہ بغداد کے ملوکہ ممالک پر حملہ کرنا چاہا، لیکن برکہ خان نے اپنے بھائی باتو خان کے ذریعہ سے اسکو اس حملہ سے روکدیا، اور وہ دو برس تک رکا رہا، باتو خان کے انتقال کے بعد برکہ خان تخت نشین ہوا، تو ہلاکو خان کے دل مین جو آگ اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی، وہ دفعتہً بھڑک اٹھی، اور اس نے منکو قاآن کی اجازت سے ایک عام حملہ کرکے خلافت اسلامیہ کا

خاتمہ کر دیا، اب برکہ خان کی رگ حمیت میں حرکت پیدا ہوئی، اور اس نے خلیفہ کے گران قیمت خون کا انتقام لینا چاہا، لیکن اسوقت برکہ خان کی فوج کا اکثر حصہ کافر تھا، اور جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، اُن کے دل میں بھی ابھی تک قدیم خیالات جاگزین تھے، اور ان خیالات کی بنا پر اُن کے نزدیک خلیفہ کی شہادت اور ممالک اسلامیہ پر تسلط کوئی ایسا اہم واقعہ نہ تھا جسکو ایک عام جنگ کا محرک قرار دیا جا سکتا، سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ منکو قاآن جو اسوقت چنگیز خان کی تمام اولاد پر خود مختارانہ حکومت کر رہا تھا، اور ان میں دینی حیثیت ...لی تھی جو مسلمانوں کے خلیفہ کو حاصل تھی، ہلاکو خان کا بھائی تھا، اور ہلاکو خان کے ذریعہ سے ممالک اسلامیہ پر جو تباہی و بربادی آئی تھی، وہ اسی کے مشورہ سے آئی تھی، اسلئے ہلاکو خان سے لڑنا منکو قاآن بلکہ تمام چنگیز خانی اولاد سے لڑنا تھا، اس بنا پر برکہ خان نے نہایت دوراندیشی کے ساتھ اس مذہبی جنگ کے قائم کرنے کے لئے سیاسی حیلے تلاش کرنا شروع کئے، اور ہلاکو خان سے مراغہ اور تبریز کا مطالبہ کیا، غنائم و فتوحات میں باتو خان کے خاندان کے متعینہ حصے کا دعوی کیا، مقصد یہ تھا کہ ان مطالبات کے ذریعہ سے ہلاکو خان کو آمادۂ جنگ کیا جائے اور قوم اسکو ظالم اور برکہ خان کو مظلوم خیال کرے اور اسکی اعانت و امداد پر آمادہ ہو۔

برکہ خان ان حیل سیاسیہ سے فائدہ اٹھانے کی کوششوں میں مصروف تھا کہ جنگ کا ایک اور سبب یہ پیدا ہو گیا کہ منکو قاآن جو اپنے بھائی قبلائی کے ساتھ بعض ملوک خطا کے ساتھ مصروف پیکار تھا، اور اس مہم پر اپنے چھوٹے بھائی ارنق بوکا کو اپنا جانشین کر کے روانہ ہوا تھا، دفعۃً میں انتقال کر گیا، اور اب تمام افسران فوج نے قبلائے کو جو ارنق بوکا سے بڑا تھا منکو قاآن کا جانشین کرنا چاہا، لیکن برکہ خان نے اس موقع کو مغتنم سمجھکر قیدو بن قاشین بن اوکتائے بن چنگیز خان کو ایک دستہ فوج کے ساتھ ارنق بوکا کے پاس روانہ کیا اور کہا کہ

اس منصب کے مستحق تم ہو، کیونکہ منکو قاآن نے خود تمکو اپنا جانشین کیا تھا، تم قبلائے کی اطاعت نہ کرو، ہمنے نیدو بن قاشین کے ساتھ جو فوج روانہ کی ہے، وہ تمہاری مدد کریگی، اور اگر اور فوج کی ضرورت ہوگی تو ہمین اُسکا بھی سامان کرونگا، ارق بوکا نے برکہ خان کی شہ پائی تو مستقل جانشینی کا مدعی ہوگیا، اور اسمین اور قبلائے مین معرکہ آرائی شروع ہوگئی، اور مدتون سلسلۂ جنگ قائم رہا، ہلاکو خان اسوقت شام کو پامال کر رہا تھا، اور اسکی پامالی کے بعد مصر کی طرف بڑہنا چاہتا تھا، اسی حالت مین اسکو منکو قاآن کی موت، اور برکہ خان کی دراندازی، اور اس خانہ جنگی کا حال معلوم ہوا تو اُسکی نگاہ مین دنیا اندھیری ہوگئی، اور اس نے مصر کے حملے کا خیال بالکل چھوڑ دیا، اور دس ہزار فوج کے ساتھ شام مین ایک گورنر مقرر کرکے اپنے اصل مرکز کی طرف روانہ ہوگیا، اور اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر سلطان مصر نے اس مختصر سی فوج کو بالکل کچل دیا، چنانچہ اسلام پر برکہ خان کا ایک عظیم الشان احسان یہ بھی ہے کہ اس نے محض اپنے حسن تدبیر سے مصر کو ہلاکو خان کے حملہ سے محفوظ رکھا، ورنہ بغداد کی طرح اسلام کا یہ مرکز بھی برباد ہوجاتا۔

بہرحال اسوقت ہلاکو خان قدرتی طور پر سخت پریشانیون مین مبتلا تھا، ایک طرف تو وہ مصریون سے انتقام لینا چاہتا تھا، دوسری طرف اس خانہ جنگی کی فکر مین مصروف تھا، برکہ خان نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر ۶۶۰ھ مین ہلاکو خان کے پاس دو قاصد روانہ کئے اور اُنکے ذریعہ سے اپنے قدیم خاندانی حقوق کا مطالبہ کیا، لیکن ہلاکو خان نے ان قاصدون کو قتل کردیا، اور اب برکہ خان کو اسکے ساتھ جنگ کا موقع ملا، اور تائیدِ ایزدی نے اسکو اس جنگ مین کامیاب کیا، اور ہلاکو خان نے شکست فاش کھائی، اسلام کا یہ کتنا عجیب و غریب معجزہ، اور حق کی طاقت کا یہ کیسا شاندار ظہور ہے کہ ایسی حالت مین جبکہ خلافت اسلامیہ کا اقتدار کلیتہً زائل ہوچکا تھا، تمام ممالک اسلامیہ پر کفار نے تسلط کرلیا تھا، اسلام بالکل یتیم، بیکس و بیچارہ

ہو رہا تھا، خدا نے خود اسی قوم سے جس نے اسلام کو ان مصائب گوناگون مین مبتلا کر دیا تھا، ایک شخص کو کھڑا کر دیا، جس نے اپنے قدیم خاندانی روایات کی کچھ پروا نہ کی، جس نے اپنے اعزہ واقارب کے خون کو بالکل ہیچ سمجھا، اور خلافت اسلامیہ کے اقتدار پر ان تمام چیزون کو قربان کر دیا، وفی ذلک عبرۃ عظیمۃ للمعتبرین و ذکریٰ کبیرۃ للمستبصرین۔

لیکن اسلام پر برکہ خان کا صرف یہی احسان نہین ہے، کہ اس نے اس مذہبی عزت کو دوبارہ قائم کیا۔ جو خلافت کے اقتدار کو مٹا کر تمام مسلمانون سے چھین لیگئی تھی، بلکہ اسکا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس جنگ کے سلسلہ مین ایک عام اسلامی اتحاد قائم کیا اور اس اتحاد کے ذریعہ سے ایشیائی بادشاہون کے دامن اخلاق کے ایک نہایت بدنما داغ کو مٹا دیا۔

ایشیائی تاریخون مین سلاطین کی حریفانہ کشمکش کے متعلق بہ کثرت روایتین مل سکتی ہین۔ لیکن باہمی توافق، تعاون، اور ائتلاف واتحاد کے متعلق بمشکل چند سطرین نظر سے گذرتی ہین، ائتلاف واتحاد کا اصطلاحی لفظ موجودہ یورپین سیاست نے پیدا کیا ہے قدیم زمانہ کے مدبرین سلطنت اس سے بہت کم آشنا تھے، لیکن یہ صرف اسلام کی برکت، خلافت کی عظمت، اور خلیفہ اسلام کی محبت کا نتیجہ تھا کہ تمام ایشیائی روایات کے برخلاف برکہ خان نے ایک عام اتحاد اسلامی کی بنیاد ڈالی، اسلامی بادشاہون کو جو ہلاکو خان کے خوف سے لرز رہے تھے، ہر قسم کی فوجی مدد دیکر طاقتور بنایا، اور انکو ہلاکو خان سے جنگ کرنیکی ترغیب دی، چنانچہ اس نے شاہ تبریز، اور شاہ لور کو ہلاکو کے شکست کی خبر دی، اور انکو اسکے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کیا، اسوقت بغداد کے بعد اسلام کا دوسرا مرکز صرف مصر تھا، لیکن جب ہلاکو خان نے خلیفہ بغداد کو شہید کرکے بغداد اور موصل پر قبضہ کر لیا تو سلطان ظاہر بیبرس شاہ مصر سخت

خائف ہوا، لیکن برکہ خان نے اُسکو تسکین دی اور اسکے پاس اپنے اسلام کی خبر پہنچائی، سلطان ظاہر کو یہ تسکین بخش خبر معلوم ہوئی تو اس نے برکہ خان کی ذات کو نہایت مغتنم سمجھا اور دونون مین باہم ایک عام اتحاد قائم ہوگیا جسکی ابتدا عملی طور پر اسطرح ہوئی کہ منکوقاآن نے ۶۵۱ھ مین اہل ہمدان کی درخواست پر ہلاکو خان کو جس فوج کے ساتھ ایک مہم پر روانہ کیا تھا وہ برکہ خان کی سلطنت کے ابتدائی زمانہ تک ہلاکو خان کے پاس موجود تھی، ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو برکہ خان اگرچہ اسکو سخت ناپسند کرتا تھا تاہم وہ بعض مجبوریون کی وجہ سے اس فوج کو اسکے پاس سے واپس نہ بلاسکا، لیکن جب خود برکہ خان اور ہلاکو خان کے درمیان سلسلۂ جنگ قائم ہوا تو برکہ خان نے اس فوج کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اُسکے پاس واپس چلی آئے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مصر و شام مین جاکر ہلاکو خان کے خلاف سلطان ظاہر کی مدد کرے، چنانچہ یہ فوج سلطان ظاہر کی فوج سے جاکر مل گئی، اور سلطان ظاہر نے نہایت گرمجوشی سے اسکا استقبال کیا چنانچہ ۲۲۔ ذیحجہ ۶۶۰ھ کو یہ فوج قاہرہ مین داخل ہوئی تو سلطان نے نہایت شان و شوکت سے اسکا استقبال کیا، ایک عمارت مین جو خاص طور پر اسی فوج کے لئے تیار کرائی گئی تھی اُسکو مہمان اتارا، نہایت وسیع پیمانہ پر اسکی دعوت کی، اسکو خلعت گھوڑے، اور انعامات تقسیم کئے اور اُنکے ساتھ گیند کھیلا، تاتاریون کو اس عزت و احترام کی خبر پہنچی تو جوق جوق آکر مصر مین داخل ہوئے اور سلطان نے سب پر اپنا اعتماد ظاہر کیا، اور ان سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اسلام قبول کیا۔

اس فوج کے پہنچنے سے پیشتر سلطان ظاہر برکہ خان کے نام ایک خط روانہ کرچکا تھا، جسمین اُسکو ہلاکو خان کی مخالفت پر نہایت پرزور الفاظ مین آمادہ کیا تھا، اور لکھا تھا کہ متواتر ذریعہ سے آپ کے اسلام کی خبرین پہنچ چکی ہین، اسلئے آپ پر کفار کے ساتھ گو وہ آپ کے

قبیلہ اور خاندان ہی کے ہون، جہاد فرض ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اعزہ واقارب، اور خود اپنے قبیلۂ قریش کے ساتھ جہاد کیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ جبتک لوگ کلمۂ توحید کا اقرار نہ کرلین، اُنکے ساتھ جنگ کی جائے، اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہین ہے بلکہ جہاد اُسکا ایک رکن اعظم ہے، متواتر خبرون سے معلوم ہوچکا ہے کہ ہلاکو خان کی بی بی ایک عیسائی عورت ہے، اور اُس نے اسکی خاطر سے عیسائی مذہب کو آپکے دین اسلام پر مقدم رکھا ہے، اور پادریون کو خلفا، کا قائم مقام کیا ہے، اسکے بعد تاتاری فوج مصر مین داخل ہوئی، اور اس سے برکہ خان کے مزید حالات معلوم ہوئے، تو اس نے برکہ خان کے نام دوسرا خط لکھا جسمین اُسکو جہاد کی ترغیب دی، اور اپنی فوج کی تعداد اسکی جنسیت، اسکی نوعیت اور سازوسامان کی پوری تفصیل کی، اسکے علاوہ اور بھی مختلف طریقون سے اسکو ہلاکو خان کی مخالفت پر آمادہ کیا، خط کے روانہ کرنے کا وقت آیا تو سلطان نے ایوان شاہی مین تمام ارکان دولت کو جمع کرکے اس خط کو سُنایا، اور اُن سے مشورہ طلب کیا، سب نے اسکی رائے کی تائید کی، اور اسکے اس طرز عمل سے اتفاق ظاہر کیا، جب اس خط کے روانہ کرنے پر اتفاق عام ہوگیا تو سلطان نے ۲ محرم ۶۶۱ھ کو ایک دربار عام کیا، جسمین تمام رعایا، تاتاری فوج، سفراء، اور امیر المومنین خلیفہ حاکم بامر اللہ ابی العباس شریک ہوئے، اور سلطان نے تمام شرکاء دربار کے ساتھ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اسکے بعد خط کے روانہ کرنے کے متعلق بحث ہوئی، تو خلیفہ نے اس سے اتفاق کیا، پھر دوبارہ لوگون کو خط سُنا کر مہر بند کیا گیا، اسکے بعد دوسرا جمعہ آیا تو خلیفہ نے خطبہ پڑھا، اور نماز جمعہ پڑھائی، اور سلطان ظاہر اور تمام مسلمانون کے حق مین دعا کی، نماز و دعا ختم ہوئی تو سفراء خلیفہ اور سلطان کی خدمت مین حاضر ہوئے، تو سلطان نے اُن سے زبانی طور پر برکہ خان کے ساتھ اپنی دوستی کا اظہار کیا، اور کہا کہ مین اُسکے فتح وظفر کے لئے دعا کرتا ہون، اور جس چیز مین دنیا کی

بہتری ہو اُسپر اسکے ساتھ متفق ہون، اس زبانی وصیت کے بعد سفرا کو زاد راہ دیکر کشتی مین سوار کرایا، اور وہ محرم ۶۶۱؁ھ مین روانہ ہوئے، اور راستہ مین شاہ قسطنطنیہ کے پاس سے ہوکر گذرے، برکہ خان نے سلطان ظاہر کے پاس اسکے پہلے خط کا جواب جن سفرا کے ذریعہ سے بھیجا تھا، وہ بھی اسی بادشاہ کے یہان مقیم تھے، اور اس طرح دونون بادشاہون کے سفرا مین حسن اتفاق سے ملاقات ہوگئی،

بہرحال برکہ خان کے قاصد جب مصر مین خط لیکر پہنچے، تو گورنر مصر نے سلطان ظاہر کو اسکی اطلاع دی، اور سلطان نے قلعہ مین تمام رعایا اور ارکان دولت کو جمع کیا، جنکے سامنے برکہ خان کا خط پڑھا گیا، جسمین سلطان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا، ہلاکو خان کے خلاف مدد مانگی گئی تھی، اور یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مین چنگیز خانی رسوم و قواعد کا بالکل مخالف ہون، در ہلاکو خان نے جو خونریزیان کی ہین وہ بالکل باغیانہ ہین، ہم اور ہمارے چارون بھائی اسلئے کھڑے ہوئے ہین کہ اسلام اور مراکز اسلام کو اپنی اصلی حالت پر لانے، اذان، قرأت، اور نماز کے قائم کرنے، اور ائمہ اور امت کے خونبہا لینے کے لئے ہلاکو خان سے چارون طرف سے جنگ کرین، خط مین یہ بھی درخواست کیگئی تھی کہ فرات کی جانب سے ایک دستہ فوج بھیجا جائے تاکہ وہ ہلاکو خان کا راستہ بند کردے، خط سُنانے کے بعد دربار ختم ہوا، اور سلطان نے سفرا کو انعامات سے مالامال کردیا، نہایت عظیم الشان پیمانے پر اُنکی دعوت کی، اور ۱۸ شعبان یوم جمعہ کو خلیفہ نے ان سفرا کے سامنے ایک خطبہ دیا جسمین سلطان ظاہر اور برکہ خان کے لئے دعا کی، نماز پڑھائی، اور سلطان اور سفرا سے مہمات اسلام کے متعلق گفتگو کی، دوسری رات کو سفرا قلعہ مین آئے، اور خلیفہ نے خود اُنکو خلعت پہنایا، سلطان ظاہر نے مکہ، مدینہ اور بیت المقدس مین فرمان بھیجا کہ خطبہ مین اسکے بعد برکہ خان کے لئے بھی دعا کیجائے،

سلطان ظاہر نے برکہ خان کے سفراء کا جس گرمجوشی سے خیر مقدم کیا تھا برکہ خان نے بھی سلطان ظاہر کے سفراء کے خیر مقدم میں اسی جوش اسلامی کا اظہار کیا، چنانچہ وہ سلطان ظاہر کے سفراء کی اتفاقی ملاقات کے بعد قسطنطنیہ سے روانہ ہوکر برکہ خان کی خدمت میں پہنچے تو مقام اردو میں وزیر شرف الدین قزوینی نے اُن کا استقبال کیا، اور نہایت اہتمام کے ساتھ اُنکی مہمان نوازی کی، صبح کے وقت قریب کی ایک اقامت گاہ میں برکہ خان نے وزیر شرف الدین قزوینی کی معیت میں اُنکو شرف ملاقات بخشا، پہلے ہی سے دربار کے تمام اداب ان سفراء کو بتا دیئے گئے تھے، اور اُنھون نے ان تمام آداب کی پابندی کے ساتھ بادشاہ کے ہاتھ مین خط دیا، اور بادشاہ نے نہایت خوشی کے ساتھ اُسکو پڑھوا کر سنا، اور نہایت فیاضانہ طریقے پر اُنکی مہمان نوازی کی، اور جب تک وہ مقیم رہے اُنسے مصر کے مختلف حالات پوچھتا رہا۔

یہ سفراء ۲۶ دن تک برکہ خان کے یہان مقیم رہے، اسکے بعد انکو خلعت و انعام کے ساتھ خط کا جواب دیکر واپس کیا، اور اُنکے ساتھ خود بھی اپنے سفراء روانہ کئے، یہ سفراء مصر مین پہنچے تو یہ فوجی جائزہ لینے کا زمانہ تھا، اُنھون نے فوج کی تعداد اور اُنکے ساز و سامان دیکھے تو ششدر ہوکر رہ گئے، اور سلطان ظاہر سے پوچھا کہ کیا یہ صرف مصر اور شام کی فوج ہے؟ اس نے کہا نہین، یہ صرف شہر کی فوج ہے، سرحدون پر جو فوجین متعین ہین وہ اسکے علاوہ ہین،

یہ سفراء جو خط لائے تھے، اسمین پہلے اخلاص و محبت کا یقین دلایا گیا تھا اور سلطان کی خواہش کے مطابق ہلاکو خان کے خلاف اسکو مدد دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، تاتاریون مین جو لوگ اسلام لاچکے تھے اُنکے نام اور قبائل وغیرہ کی تفصیل درج تھی، اور لکھا تھا کہ ہمارے تمام چھوٹے بڑے بھائی مع اپنی آل و اولاد کے مسلمان ہوگئے ہین، اور فرائض، سنن، زکوٰۃ، اور جہاد کے پورے طور پر پابند ہین، سلطان ظاہر کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مین نے ہلاکو سے جو میرے گوشت و خون کا

ایک جزو تنہا صرف اعلاء کلمۃ اللہ اور عصبیت اسلامی کی بنا پر جنگ کی ہے، کیونکہ وہ باغی ہے، اور باغی خدا کا منکر ہوتا ہے، مین نے اپنے سفراء کے ساتھ ابن شہاب الدین غازی کو بھی اسلئے روانہ کیا ہے کہ انھون نے اس جنگ کے جو مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے ہین سلطان کے سامنے اُن کا حال بیان کرین، سلطان نے اپنی سعادتمندی سے آل عباس مین سے حاکم بامراللہ کو جو مسلمانون کا خلیفہ مقرر کیا ہے، مین اسکا نہایت شکرگذار رہون، بالخصوص جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ سلطان اپنی فوج کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھنا چاہتا ہے کہ اسے کفار کے غاصبانہ قبضہ سے بچائے تو میرے یہ شکرگذارانہ جذبات اور بھی ترقی کر گئے،

تاریخون مین صرف اسی خط وکتابت کا تفصیلی حال درج ہے، لیکن اس خط وکتابت کے علاوہ دونون بادشاہون مین اور بھی متعدد مراسلتین ہوئین، اور ان کا سلسلہ تادم مرگ قائم رہا، بہرحال اس پائدار اتحاد نے ہلاکو خان کی تمام کوششون کو ناکامیاب کر دیا، اخیر مین اگرچہ اس نے ایک بار انتقام لینے کی اور بھی کوشش کی، لیکن اس مین بھی ناکامیاب رہا، اور بالآخر انھی تردداتِ وافکار مین مبتلا رہ کر بہ مرض صرع ربیع الاول ۶۶۳ھ مین انتقال کر گیا، اسکے بعد اسکا بیٹا ایقا خان تخت نشین ہوا، اور اس نے بھی برکہ خان سے باپ کا انتقام لینا چاہا لیکن اس نے بھی شکست کہائی۔

خلافت کی بنا پر یہ اتحاد قائم ہوا تھا، اور اس نے اخیر تک اسلام کو کامیاب رکھا، آج بھی اسی مسئلۂ خلافت کے ذریعہ سے تمام دنیاے اسلام مین ایک عام اتحاد قائم ہو رہا ہی اور خدا کی ذات سے توقع ہے کہ وہ اسکو نہایت پرامن طریقہ سے کامیاب کریگا، اور خلافت کا اقتدار دوبارہ قائم ہو کر رہیگا۔

فارسی مین یای معروف و مجہول

از سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی

یای معروف وہ ہے جسکے ماقبل کا کسرہ اشباع کے ساتھ یعنی کھینچکر پڑھا جائے، جیسے تیر، نخچیر، خوشی، کشتی وغیرہ، اور مجہول وہ ہے جسکے ماقبل کا کسرہ کھینچکر نہ پڑھا جائے، جیسے، دیر، سیر، بے، کاشکے وغیرہ،

(ی) معروف ہو یا مجہول کسی لفظ مین اصلی ہوگی یا زاید، اصلی جیسے تیر اور نخچیر و دیر و سیر مین، اور زاید وہ ہے جو کسی فائدہ کی غرض سے لفظ کے آخر مین بڑھائی گئی ہو، جسکا بیان آگے آئیگا۔

اصلی (ی) کسی لفظ مین ہر جگہ آتی ہے جیسے دیدار، خریدار، زنجیر، پیر، نشیب، شکیب وغیرہ مین، یا آخر مین ہوگی جیسے آشتی، گیتی، آرے، بلے وغیرہ مین، اور اول مین جب آتی ہے تو متحرک ہی ہوتی ہے، ساکن نہین ہوتی، کیونکہ ابتدا بسکون محال ہے، اور بحالت حرکت مجہول یا معروف کے ساتھ اسکی تعبیر نہین کیجاتی ہے،

اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جو اصلی (ی) کسی لفظ کے درمیان حرف ردی سے پہلے آتی ہے تو اسمین معروف و مجہول کی رعایت مستحسن ہے، یعنی یاے معروف کا قافیہ یاے مجہول کے ساتھ نہ کرنا بہتر ہے، حضرت جامی ایسے قافیون کو غلط سمجھتے ہین، چنانچہ اپنے رسالہ قافیہ مین حرف روف کی بحث مین حکیم سنائی کے اس شعر پر دیر اور پذیر کے اجتماع کے متعلق اعتراض کیا ہی،

باوجودش ازل پذیر آمد　　نیک آمد ولیک دیر آمد

لیکن زمانہ حال کے اہل زبان اس قسم کے قوافی بے تکلف استعمال کرتے اور جائز سمجھتے ہین،

مردے یعنی ایک مرد یا کوئی مرد ؎

پری رخے لب شکرخندہ قتل مردم کرد ۔۔۔ چو گفتمش کہ مرا ہم بکش تبسم کرد

پری رخے یعنی ایک خاص پری رخ جسکو شاعر جانتا ہے ؎

شاہبازے بشکار مگسے می آید ۔۔۔ بار دار د سر صید دل حافظ یاران

شاہبازے یعنی ایک بڑا با عظمت شاہباز، مگسے یعنی ایک حقیر و ناچیز مگس،

(۲) یاے موصولہ اسکے بعد کاف صلہ بھی آتا ہے، اسکو یاے صفت بھی کہتے ہین، اسکے معنی "جو جس نے" یا "ایسا" ہوتے ہین، ؎

پادشاہے کہ طرح ظلم افگند ۔۔۔ پاے دیوار ملک خویش بکند

پادشاہے یعنی جس بادشاہ نے ؎ دیگر

گدائے کہ بر شیر نر زین نہد ۔۔۔ ابوزید را اسپ و خر زین نہد

گدائے یعنی ایسا فقیر

(۳) یاے استمراری جو ماضی مطلق کے آخر مین آکر معنی استمراری پیدا کرتی ہے،

نخوردے کہ خاطر بیاسایدش ۔۔۔ ندادے کہ فردا بکار آیدش

نخوردے و ندادے یعنی نمی خورد و نمی داد،

(۴) یاے تمنا یہ بھی ماضی مطلق کے آخر مین آتی ہے اور امید و آرزو کے معنی پیدا کرتی ہے،

چہ بودے کہ پایم درین کار گل ۔۔۔ بگنجے فرو رفتے از کام دل

بگنجے فرو رفتے یعنی میری آرزو یہ تھی کہ خزانہ پر میرا پاؤن پڑتا، دیگر

مرا اے کاشکے مادر نزادے ۔۔۔ دگر زادے مرا شیرے ندادے

شیرے ندادے یعنی اے کاش شیر نمی داد،

(۵) یاے اضافت یعنی جس اسم کے آخر مین الف یا واؤ ہو جب اُسکو کسی اسم کی طرف مضاف کرین تو کسرۂ اضافت کے بدلے (ی) لاتے ہین، جیسے عصاے موسیٰ اور بوے گُل ؎

تاتماشاے دہانت کرد حیران غنچہ را | شاخ گل دستے است در زیر زنخدان غنچہ را

دیگر ؎ روے تو ہر کہ دید بمصحف شبیہ گفت | ہر کس شنید ذالک لاریب فیہ گفت

(۶) یاے مقدار جسکے اسم کے آخر مین آنے سے مقدار کے معنی پیدا ہوتے ہین،

اگر گنجے کنی بر عامیان بخش | رسد م ہر گداے را برنجے

یعنی بمقدار برنج۔

(۷) یاے تعجب کسی اسم کے آخر مین آنے سے معنی تعجب پیدا ہوتے ہین ؎

چشم بد دور عالمے داریم | من و مجنون و دامن صحرا

عالمے یعنی عجب عالم،

(۸) یاے استغراق بمعنی ہیچ، یعنی کسی اسم کے آخر مین آنے سے کسی چیز کی نفی مین مبالغہ اور استغراق ہوتا ہے ؎

مسلمانان مسلمانش مخوانید | قتیل کافر ایمانے ندارد

یعنی ہیچ ایمان ندارد،

(۹) یاے زاید یعنی محض تحسین کلام کے لئے آخر مین زیادہ ہوتی ہے، ؎

جاے حضور و گلشن امن است این سراے | زین در لتشادمانی و عیش و طرب دراے

یاے زاید معروف بھی ہوتی ہے جیسے نظامی ع فروشندہ را با فضولی چہ کار، ظہوری ع انتظاری نگشتہ تکیہ گہش، اور مجہول بھی ہوتی ہے جیسے جامی،

الٰہی غنچۂ امید بکشاے | گلے از روضۂ جاوید بنماے

اصلی خواہ مجہول ہو یا معروف کسی لفظ مین ہرجگہ آتی ہے مگر زائد سواے آخر لفظ کے اور کہین نہین آتی -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان اقسام کے معلوم کرنے کے بعد یہ بات جاننے کے قابل ہے کہ متاخرین اہل فارس کے نزدیک معدودے چند کے سوا یاے معروف ومجہول مین کوئی فرق نہین ہے، وہ یاے زائد کی پہلی قسم کی تمام یاؤن کو دوسری قسم کی تمام یاؤن کے ساتھ بے تکلف قافیہ مین جمع کردیتے ہین، اور متقدمین مین بھی خواجہ نصیرالدین طوسی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے زمانہ مین بھی دو گروہ تھے، ایک گروہ تو معروف ومجہول کے فرق کو تسلیم کرتا تھا، جسمین خود خواجہ موصوف بھی داخل ہین، چنانچہ "معیارالاشعار" مین قافیہ کی بحث مین وہ یاے مجہول کو (ی) ہی نہین کہتے بلکہ شبیہ بیا کہتے ہین، اور دوسرا گروہ وہ تھا جو یاے معروف ومجہول کے فرق کو تسلیم نہین کرتا تھا، چنانچہ خواجہ موصوف کتاب کے آخر مین مجری کی بحث مین اس گروہ کی طرف اشارہ کرکے اسطرح فرماتے ہین :-

"اختلاف مجری وقبح آن پوشیدہ نماند مگر کہ اختلاف وصل باشد وحرف متقارب چنانچہ لپسری در خطاب وخبرے در نکرہ پس کسرۂ را مختلف است وشاید کہ بر بعض مردم ملتبس گردد۔"

اسمین محقق علیہ الرحمتہ نے لپسری کی یاے خطاب کو اور خبرے کی یائے نکرہ کو علحدہ اور حرف قریب المخرج شمار کیا ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ مین بعض ایسے لوگ بھی تھے جنکی نظر مین یاے معروف ومجہول ایک چیز تھی جبھی تو محقق نے فرمایا ہے کہ :-

"شاید بر بعض مردم ملتبس گردد"

اب اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ یائے معروف ومجہول کا اجتماع قدماء کے زمانہ مین کمتر اور اس

زمانہ مین بیشتر بلکہ تمام تر جائز ہے، لیکن ہم ہندی چونکہ قدماء کے کلام کے پیرو مین اِسلئے حتی المقدور اس قسم کے اجتماع سے پرہیز کرنا ہمارے لئے مستحسن بلکہ لازم ہے اور متاخرین اہل فارس مین محمد تقی سپہر نے بھی براہین العجم مین یہی ہدایت کی ہے، ایک فاضل اہل زبان کے قول کے مقابل عوام کی پیروی خلاف احتیاط ہے، لیکن غلط العام صحیح کہنے والون سے تعرض بھی نہین کیا جا سکتا، ایک بات یاد آگئی اسکو بھی لکھے دیتا ہون، عربی مین یای مجہول ہوتی ہی نہین ہے، سوا اے امالہ کے جیسے حساب سے حسیب۔

تلخیص و تبصرے

یورپ اور تمدن اسلام

سر ہیری جانسٹن انگلستان مین اسوقت ایک نامور شخص ہیں، جھون نے براعظم افریقہ کے دور دراز اقطاع مین عرصہ تک سیاحی کی ہے، اور جنکے مضامین سیاسیات و جغرافیہ سے متعلق انگریزی رسایل مین اکثر شایع ہوتے رہتے ہین، کچھ روز ہوئے انھون نے لندن کے مشہور ہفتہ وار نیو اسٹیٹسمین مین تمدن اسلام سے متعلق ایک شدید مخالفانہ مضمون شایع کیا تھا، جسکا ملخص ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

اسلامی تہذیب و تمدن

"اسوقت افریقہ و ایشیا مین یورپ کے خلاف جو شعلۂ مخالفت بھڑک رہا ہے، اسمین اسلام کی مخالفت قطعاً قابل توجہ و التفات ہے، اسلئے کہ اسلام فطرۃً ایک جنگجو اور غیر روادار مذہب ہے، اور یورپین تمدن کے دشمنون مین مسلمان ہی سب سے قوی ہین، اور پست اقوام مین وہی سب سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ترقی و تہذیب کی مخالفت پر کمربستہ رہتی ہین، باوصف ان قابل تعریف ارشادات کے جنکا انتساب بانی اسلام مدبر و پیمبر کی جانب کیا جاتا ہے، اس سے انکار ناممکن ہے، کہ ملک گیری و لشکر کشی شروع ہی سے اسلام کا جزو رہی ہے، اور بدقسمتی سے اسلامی دماغ اپنا محور و مرکز قرآن کی جامد تعلیمات کو سمجھتا ہے جنکی روش موجودہ اصول تعلیم و تربیت، علوم و فنون، تمدن و معاشرت، غرض ہراس چیز کے جو ترقی اور فلاح و بہبود کی طرف لیجانے والی ہے، سخت مخالف ہے،

بیشک اسلام کے روشن پہلو کے متعلق یہی کچھ کہا جا سکتا ہے، رومی شہنشاہی کے مٹانے مین سب سے زیادہ عربون، ایرانیون، بربریون، ترکون اور تاتاریون نے حصہ لیا جو سب کے سب اسلام کے رشتۂ اتحاد مین منسلک تھے، گوتھون، جرمنون، نارمنون، سلافیون اور میگیارون کے خروج کا اثر صرف اتنا ہوا تہا کہ رومی شہنشاہی کی صورت تبدیل ہوگئی تھی اور رومہ و یونان کا اثر قوی تر ہوگیا تہا، لیکن اسلام نے جسکی علمبردار ایشیائی و افریقی اقوام تہین ایشیا، کوچک، شام، مصر، شمالی افریقہ، قسطنطنیہ، اور کچھ روز کے لئے پرتگال و اسپین سے بھی یوروپین اثر کا بالکل استیصال کردیا، اسلام کا حملہ یونانی و رومی سلطنت پر ایسے زمانہ مین ہوا جبکہ مسیح کی مسیحیت کے بجاے آبائے کلیسا کی شریعت قائم تھی، اور یہ شریعت تلاش و تحقیق، تمدن و شائستگی، علم و فن سے ویسی ہی جاہلانہ دشمنی رکہتی تھی جیسی آج اسلام رکہتا ہے آٹہوین صدی عیسوی اور اس سے بڑھکر نوین اور بارہوین صدی کے درمیان اسلام روشن خیالی کا حامی رہا۔ اس نے سائنس سے متعلق بعض ان یونانی تصانیف کو شایع کیا، جنہین مسیحی تعصب نے فنا کردیا تہا فن تعمیر، ادب، موسیقی، باغبانی، فنکار وغیرہ سے متعلق اس نے بہت سی باتون مین تجدید کی، اس نے وسطی افریقہ و مڈغاسکر سے لیکر جنوبی امریکا و چین تک دور و دراز و مجہول الحال ممالک مین سیاح بھیجے، اور مجاہدات صلیبی کے دوران مین اسکا یورپ پر یہ لازمی اثر پڑا کہ وہان علوم، فنون، و صنایع کا از سر نو احیا ہونے لگا۔

لیکن سولہوین صدی مین جب سے ترکی اقتدار بڑہا، اسی وقت سے اسلام کی روشنخیالی کو زوال ہونے لگا، سلطنت ترکی یا ترکون و تاتاریون کے متفرق قبائل کے اثر سے بربر، شمالی افریقہ، مصر، ایران، یونان، شام، ایشیاے کوچک، عرب و عراق، سب کا تمدن دیکہتے دیکہتے مٹ گیا، لیکن اسلام نے باضابطہ طور پر ترکون کی سرزنش مین آج تک ایک حرف نہین

کہاہے، ’’ اور اگر کسی عرب، یا بربری، یا شامی، یا ایرانی کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا بھی ہے تو فوراً اسکی زبان بند کردیجاتی ہے۔

بارہوین صدی سے لیکر انیسوین صدی عیسوی تک اسلام نے ہندوستان پر شدید نوازل ومصائب کی بارش رکہی، اور اس ملک کی آبادی بہت کچھ گہٹادی، سات سو برس تک یہی مذہب اس ملک مین ملک گیری وخون ریزی، قتل وغارت، جور وتعدی کا ذمہ دار رہا، تا آنکہ بالآخر ایک یورپین طاقت نے یہان امن وامان ازسرِنو قائم کیا، افریقہ مین رسم غلامی کو پیدا اور قائم رکہنے والا یہی مذہب تہا، تا آنکہ اٹلی نے طرابلس اور فرانس نے مراکو پر قابض ہوکر اسکی بیخکنی کی۔

میری نظر مین اللہ کی پرستش اور محمد کی پیروی مین سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ یہ مذہب ماضی سے بالکل بے تعلقی کی تعلیم دیتاہے، یہودیت بعثت مسیح سے سو برس قبل مسیحیت مین محلول ہوچکی تہی، اور یہ موجودہ یہودیون کی محض ایک احمقانہ ضد ہے جو انہین اپنے تئین علانیہ متبعین مسیح قرار دینے سے روکتی ہے، رومیون کی قائم کردہ مسیحی شریعت نے بھی ایک زمانہ مین اسکی تعلیم دینا چاہی تہی، کہ قدیم یونانیون و رومیون کے علمی کارنامون سے یکسر قطع نظر کرلی جائے، لیکن نشاۃ جدیدہ نے اس کوشش کو باطل کردیا، اور فلاطون وارسطو، اقلیدس وبلیناس وغیرہ کی تصانیف کے تراجم نے جہالت کی پرستش کا سدباب کردیا، چنانچہ اہل انگلستان وفرانس، اٹلی وپرتگال، سب نے اپنے کافر وبیدین اسلاف کے علمی کارنامون پر فخر کرنا شروع کردیا، یہانتک کہ دس لاکہہ سال کی مسلسل وغیر منقطع تاریخ انسانی کا تخیل، یورپ وامریکہ کی مسیحی سلطنتون اور جاپان کی تقریباً مسیحی سلطنت کے عقاید کا جزو بنگیاہے، اور تو اور چین تک جو ایک متعصب وجامد مذہب کی غلامی سے آزاد ہے

بہ نسبت اسلامی ممالک کے، آج ترقی تمدن سے قریب تر ہے،

اسلام کے خلاف میرے تمام الزامات کی بہترین نظیر مصر کی موجودہ تاریخ مین مل سکتی ہے اسلام کے نزدیک مصر کی تاریخ کی ابتدا حملۂ عمرو بن العاص کے زمانہ سے جسکا سال وقوع ۶۴۰ء ہے، ہوتی ہے، مسلمانون نے مصر کی تاریخ قدیم پر کبھی بھی توجہ کی ہے؟ جامعہ ازہر مین مصر قدیم کے حیرت انگیز نظام تمدن، علوم وفنون، ادب ومعقولات، عقاید وصنایع وغیرہ سے متعلق ایک حرف کی بھی تعلیم ہوتی ہے؟ ان چیزون پر یا تو جہالت کا پردہ پڑا ہوا ہے، اور یا انہین بالقصد تعصب سے چھپایا جاتا ہے، آج تک کسی مسلمان بادشاہ یا عالم نے تہر لیس، ایشیاے کوچک، شام، ایران، ایشیا، وسطی، یا افریقۂ شمالی کے محققین آثار قدیمہ کے لئے کچھ بھی صرف کیا ہے؟ آج عربی، ترکی، فارسی، یا اردو زبان مین علم حجرات ارضیہ انسان قبل التاریخ، سائنٹفک جغرافیہ، علم ہیئت (نجوم نہین) تاریخ ممالک غیر اسلامی، معدنیات، زراعت، حیوانیات، نباتیات، یا کیمیائیات (کیمیا گری نہین) پر کوئی رسالہ موجود ہے؟

موجودہ تمدن کی طرف سے اسلام پر اصلی الزام یہی عاید ہوتا ہے، اور تا وقتیکہ اسلام اپنے تئین قرآن کی بیڑیون سے آزاد نہ کریگا، اور دوسری اقوام اور گذشتہ تاریخ سے اپنی گستاخانہ بے تعلقی سے تائب نہو گا۔ فطرت کا قطعی فتویٰ یہ ہے کہ وہ حکومت کے ناقابل رہیگا، نہ صرف اپنے ہم قومون پر، بلکہ ان اقوام پر بھی جنکا مذہب اس سے کمتر تنگ خیالی پر مبنی ہے، جو آج سے تیرہ سو برس پہلے کی پیمبر عرب کی دی ہوئی تعلیم مین موجود ہے"

مسٹر مارماڈیوک پکتھال نے جو اسوقت انگلستان کے ایک ممتاز اہل قلم ہین، اور خواجہ کمال الدین صاحب کی فیض صحبت سے حلقۂ اسلام مین داخل ہو چکے ہین، مضمون بالا کا

حسب ذیل جواب شائع کرایا:-

"مسٹر ہنری جانسٹن آپکے پرچہ مورخہ ۱۷۔ اپریل مین دنیاے اسلام کی موجودہ غضبناکی کو اس امر پر محمول کرتے ہین کہ یورپ "تقسیم حقوق کر رہا ہے" تاہم ان کے نزدیک "اسلام کی مخالفت مستحق توجہ ہے"۔ نہ اسلئے کہ اسلام کو جائز مشکلات ہین، بلکہ

"اسلئے کہ اسلام بالطبع ایک جنگجو و غیر رواداد مذہب ہے، اور مسلمان یورپین تمدن کے دشمنون مین سب سے زیادہ قوی دست ہین"۔

اُن کے خیال مین اسلام کی روش،

"موجودہ اصول تعلیم و تربیت، علوم و فنون، تمدن و معاشرت، غرض ہر اس چیز کے جو ترقی اور فلاح و بہبود کی طرف لیجانے والی ہے، سخت مخالف ہے"۔

نہ اسلئے کہ موجودہ مسلمان، اسلام کی حقیقی تعلیم سے ہٹ گئے ہین (جیسا کہ اصل واقعہ ہے) بلکہ اسلئے کہ "اسلامی دماغ کا محور و مرکز قرآن کی جامد تعلیمات ہین"۔

لیکن قرآن مین آیات ذیل میری نظر سے گذری ہین:-

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورہ بقر رکوع ۸)

جسکے صاف معنی یہ ہین کہ نجات کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص نہین، بلکہ ہر قوم وملت کے شخص کو ایمان و حسن عمل کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے،

دوسری آیت، وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تِلْکَ اَمَانِیُّھُمْ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (بقر رکوع ۱۳)

اس سے زیادہ وسیع المشربی کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے؟

تیسری آیت، وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا

اِنَّ اللہ لایحب المعتدین (ب۲، رکوع ۲۴)

درحقیقت قرآن کی تعلیم جنگجوئی وعدم رواداری کے بالکل منافی ہے، بیشک قرآن نے جنگ کے ضوابط بھی بیان کئے ہین لیکن یہ ضوابط ایسے ہین کہ اگر موجودہ یورپ انہین اختیار کرے تو نوع انسان کے حق مین بہتر ہو، مسلم کے معنی قرآن واحادیث نبوی مین "متبع محمد" کے نہین بلکہ "من اسلم وجہہ للہ وھو محسن" کے ہین، یعنی اس شخص کے جو اپنے تئین خدا کے حوالہ کردیتا ہے، اور اعمال حسنہ کرتا رہتا ہے،

رہا یہ الزام کہ اسلام کے احکام ترقی تعلیم وغیرہ مین حارج ہوتے ہین، سو حدیث نبوی مین صاف ارشاد موجود ہے (اطلبوا العلم ولو کان فی الصین) یعنی علم حاصل کرنا چاہئے خواہ وہ کافر قوم سے اور سخت شداید کے ساتھ ہو، آزاد خیالی، فکر وتدبر، اور تعلیم ہر مسلم مرد وعورت پر واجب ہے، مسلمانون کے انحطاط کا اصلی باعث صرف یہ تہا کہ ہنگامی طور پر ان مین فکر واجتہاد کا قحط اور تقلید کا زور ہوگیا تہا، اسی طرح جیسے کہ یورپ کی موجودہ ترقی کا راز انکی عقل آرائی وروشن خیالی مین مضمر ہے، لیکن حقیقتہً آزاد خیالی تعلیم اسلام کا ایک لازمی جزء ہی، درآنحالیکہ جہانتک مجھے علم ہے اس قسم کا کوئی حکم مسیحیت مین موجود نہین، مسلمانون کو اپنے اس زوال پر تنبہ ہوا، اور اپنی پستی پر انہین سخت غیرت معلوم ہوئی، اس سے ان مین ترقی کی جدید تحریک پیدا ہوئی، اور منقولات وتقلید کی چار دیواری سے نکل کر انھون نے براہ راست قرآن سے استفادہ شروع کیا، اسوقت انہین نظر آیا کہ انکی زندگی مین کتنے غیر اسلامی عناصر شامل ہوگئے تھے، نیز یہ کہ جن امور کو یورپ اپنی آزاد خیالی سے منسوب کرتا ہے، وہ کس حد تک قرآن سے ماخوذ ہین، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تہا کہ استبداد و مطلق العنانی کا خاتمہ ہو، مذہبی رواداری

پوری طرح قائم ہو، تعلیم جدید اصول پر مفت و عام ہو، اور غلامی کا رہا سہا دستور معدوم ہو چنانچہ یہ سب کچھ ہوا، لیکن اس تحریک اصلاح کا مرکز نہ قاہرہ تہا، جہان کی قدیم طرز کی یونیورسٹی (ازہر) سر جان گورسٹ کی آنکھون مین اسقدر کہٹک رہی ہے، نہ مکہ تہا جسکی سرزمین ابتدا، اسلام کی مظلومیت کی یادگار ہے، اور پھر نہ بغداد و دمشق، بلکہ اسکا مرکز قسطنطنیہ تہا، یہی وہ مقام تہا جہان اسلام اور مسیحیت کا اتصال ہوا، اور یہین مسلمانون کو یہ امید پیدا ہوئی کہ مسیحیت سے جو مصالحت انکے پیمبر نے کرنا چاہی تھی پوری ہو کر رہیگی۔

یہ تحریک ابتدا، بالکل یورپ دوست تھی، اسکو امداد کی ضرورت تھی، اور اس نے مغربی یورپ کے سامنے دست اعانت پھیلایا، لیکن مغربی یورپ نے اسکے جواب مین کیا کیا؟ یہ کیا کہ اسے ہر طرح پامال کر ڈالنا چاہا، یہ کیون؟ اسلئے نہین کہ یہ تحریک "موجودہ ترقی تعلیم کے منافی" تھی، بلکہ اسلئے کہ اس تحریک کا رجحان اسلامی ہونے کی بنا پر اشتراکیت کی جانب تہا، اسلئے کہ یہ سود خواری کے مخالف تھی، اسلئے کہ یہ محکوم قومون کی حامی تھی جس سے حکمرانون کی خود غرضیون کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تہا، ہان اسلئے کہ اسکی بنا ان حالات و اسباب پر تھی جو امن عام کی جانب مودی تھے۔

ترکون کے ساتھ ہمارے طرز عمل کے خلاف ایشیا و افریقہ مین جو شعلۂ فساد روز افزون قوت کے ساتھ بھڑکنے لگا ہے، اسکا اصلی سبب صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے طرز عمل سے دنیا کو یقین دلا دیا ہے کہ ہم مسلمانون کو میدان ترقی مین بڑھنے کا جائز موقع بھی نہین دینا چاہتے، اور ہم نے اپنی جگہ پر تہیہ کر لیا ہے کہ اسلام کو اُبھرنے نہ دینگے، لیکن اسلام اُبھریگا اور ہمارے علی الرغم اُبھریگا؛ البتہ ہمنے اپنے ایک ہونے والے دوست کو خواہ مخواہ اپنا دشمن بنا لیا ہے"۔

ایک اور انگریز مسٹر آر ہنر دی لوئیس نے اسی بحث پر حسب ذیل اظہار خیال کیا ہے،

"سر ہنری جانسٹن نے اپنے مضمون مین اسلام پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ علم کا دشمن اور غیر اسلامی تاریخ سے ناآشنا ہے، تحریر مضمون کا محرک بیشک خواہش اتحاد عالم تھی جو قابل تحسین ہے، اور یہ اتحاد صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب قوم وعقیدہ کے اختلافات مٹ جائینگے لیکن اس مقصد کے حصول کی یہ صورت نہین کہ مسیحیت کے سامنے دوسرے مذاہب مٹ جائین یا اسی مین ضم ہو جائین، اسکے حصول کی ممکن صورت صرف یہ ہے کہ جملہ مذاہب واقوام اپنے مشترک ومتحد خصوصیات پر زور دین، اور ضد وخود بینی کے جذبات کو بالاے طاق رکھدین، میرے نزدیک سر ہنری جانسٹن کے الفاظ ذیل یقیناً تنگ نظری وتعصب کے نتائج ہین کہ

"بعثت مسیح سے سو برس قبل یہودیت مسیحیت مین محلول ہو چکی تھی اور یہ یہودیون کی محض احمقانہ ضد ہے کہ آج وہ اپنے تئین علانیہ مسیحی قرار نہین دیتے"

اس لب ولہجہ کے اختیار کرنے کے بعد سر ہنری جانسٹن کو یہ کسی طرح زیب نہین دیتا کہ وہ مسلمانون پر تاریخی تسلسل سے بیخبری یا غیر اسلامی دنیا سے بے تعلقی کا الزام لگائین، سر ہنری جانسٹن کی مسیحیت تنگ نظری وتعصب مین کسی دوسرے مذہب سے کم نہین،

اسی سلسلہ مین مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی ایک مختصر مضمون لکھکر بھیجا جو ۱۵ مئی کے پرچہ نیو اسٹیٹسمین مین شائع ہوا ہے جسکا ملخص ترجمہ مندرج ہے۔

"سر ہنری جانسٹن اسلام کی رواداری وآزاد خیالی مین شک کرتے ہین، اور ریورنڈ ہارڈوک ناظرین کو رنیان کے لکچر "اسلام وعلم" کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہین لیکن اجازت ہو تو عرض کردن کہ

اس سلسلہ مین رینان کی حیات مسیح[1] کا مطالعہ بھی خالی از نفع نہوگا، اور اگر ریشنلسٹ سوسائٹی پریس[2] کے مطبوعات کے بہم پہنچنے مین کچھ دقت ہو تو مین ڈریپر کی "معرکہ مذہب و سائنس"[3] کے ملاحظہ کی سفارش کرونگا، اسکے بعد بھی اگر اسلام کی آزاد خیالی مین کچھ شک و شبہہ باقی رہجائے تو ڈاکٹر آرنلڈ کی "دعوت اسلام"[4] سے مدد لینا چاہیئے،

مسلمانون کی چاردہ صد سالہ زندگی مین اسکی کوئی نظیر نہین ملتی کہ کسی عالم کو اُسکی علمی تحقیقات کی بنا پر قتل کردیا گیا ہو، یا زندہ آگ مین جلا دیا گیا ہو، خلفاء و سلاطین اسلام کے دربار یہودی و مسیحی فضلا سے لبریز رہا کئے ہین، اور گستاخی معاف، یہ بھی واضح رہے کہ آج اس بیسوین صدی مین "متمدن" و "روشن خیال" یورپین حکومتون کے تحت مین کسی غیر یورپین کے اس مرتبہ و منصب تک پہنچنے کی کوئی مثال نہین ملتی، جسپر مسلمانون کے عہد حکومت مین ہمیشہ غیر مسلم پہنچتے رہے ہین ؛

[1] رینان فرانس کا مشہور فاضل و محقق، یکی کتاب (Life of Jesus) (حیات مسیح) عیسائیون کے عام معتقدات کے بالکل مخالف ہے،

[2] ریشنلسٹ سوسائٹی (انجمن عقلئین) ایک ربع صدی سے لندن مین قائم ہے، جسکا مقصد دنیا مین بجائے نقل روایت و تقلید کے عقل و آزاد خیالی کی ترویج ہے، اسکا پریس اب تک صدہا کتابین شائع کرچکا ہے جنمین سے بیشتر ایسی ہین جنمین مذہبی تعصب و تنگ خیالی کی بوضاحت پردہ دری کیگئی ہے، اس پریس نے رینان کی مذکورہ کتاب کو بھی شائع کیا ہے،

[3] امریکہ کے ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب (Conflict between Religion & Science) جسکا اُردو ترجمہ "معرکہ مذہب و سائنس" کے نام سے شائع ہوچکا ہے، اور جسمین بتفصیل دکھایا گیا ہے کہ مسیحیت نے قدم قدم پر علمی تحقیقات کی کیسی شدید مخالفت کی ہے۔

[4] ڈاکٹر ڈبلیو آرنلڈ کی کتاب (The preaching of Islam) جسکا اردو ترجمہ دعوت اسلام کے نام سے شائع ہوچکا ہے اور جسمین یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کی اشاعت بزور نہین بلکہ ہمیشہ صلح و آشتی کے ساتھ ہوئی ہے۔

واقعہ اسلام کی رواداری کی دلیل ہے یا تعصب کی، کہ جو ممالک صدہا سال سے اسلام کے زیرنگین ہین، ان مین آج بھی مسیحیون اور یہودیون کی قدیم آبادیان موجود ہین جو صلح وامن کے ساتھ بے کھٹکے زندگی بسرکر رہی ہین، درآنحالیکہ اسپین وسسلی مین جہان ایک زمانہ مین مسلمانون کی کثیرآبادی تھی، آج ایک بھی مسلمان نظرنہین آتا؟ کیا تاریخ اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ کس ظالمانہ طریق پر مسلمانان اسپین جلاوطن ودرفنا کئے گئے، اوراسکا انجام یہ ہوا کہ اسپین مین وہ اقتصادی قحط اور علمی انحطاط پیدا ہوگیا جسکے اثرات آج تک دور نہین ہوسکے ہین؟ مسلمانان روس کے ساتھ اس دور روشن خیالی مین جو تفاوت برتی گئی ہے اسکا حال تلقین الاخبار کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے جسکے دو مجلدات قازان مین شائع ہوئے ہین، پھر مسیحی یورپ مین یہودیون کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا رہا ہے کیا اسکا حال کسی سے مخفی ہے؟ لیکن اسکے مقابلہ مین ان کے ساتھ مصر، اسپین، شام، اور خود ترکی مین کیا برتاؤ رہا؟ یہی وہ طرز سلوک ہے جسمین اسلام کی رواداری وفراخدلی کی بہترین مثال ملتی ہے، جو حضرات اسکے مدعی ہین کہ انکی ہمدردیان نوع انسانی کے حدود تک وسیع ہین، براہ کرم وہ ان مظالم و شدائد پر بھی ایک نظر کرین جو مسلمانون کو کریٹ، یونان، مقدونیہ وسرویہ مین پیش آتے رہے ہین، اور آج بھی پیش آرہے ہین، پھر تاریخ عالم مین جو واقعات محاربات صلیبی کے نام سے موسوم ہین یہ کس قوم کی "رواداری" کے نتائج تھے؟

جو اصحاب راستی ودیانت کے ساتھ اسلام کی علمی وتمدنی کارنامون کی بابت واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہین انکی خدمت مین گستاولی بان کی "تمدن عرب" کے مطالعہ کی سفارش کرونگا۔

مسلمان عموماً دو بڑے طبقون مین منقسم ہین، عرب وغیر عرب، غیر عرب کے تحت مین ایرانی، ہندوستانی، ترک، ومنغول وغیرہ سب شامل ہین، اوران قومون مین فضلا وفلاسفہ بیسیوں کی

تعداد مین نہین، بلکہ صد ہا پیدا ہو چکے ہین، یہ سچ ہے کہ خاص عرب کی سرزمین سے ابتک کوئی ایسا فلسفی نہین پیدا ہوا ہے، جسکی عظمت تمام دنیا مین مسلم ہوتی، تاہم حوالی عرب یعنی یمن کے علاقہ مین دو ایک شخص اس پایہ کے پیدا ہوئے ہین، اور خاص عرب جو ابتک اس وصف سے محروم رہا، اسکا سبب صرف یہ ہے کہ عرب کے تمام ارباب علم نے اپنی توجہ مخصوص علم دین و اسرار شریعت پر مبذول رکھی، لیکن یہی لوگ جب اپنے وطن سے باہر نکل کر شام، مصر، ٹیونس، الجزائر، مراکش و اسپین مین قدم رکھتے تھے تو انہین مین سے نامور حکما، و فلاسفہ پیدا ہونے لگتے تھے، ان مشاہیر عرب کی شہرت قیامت تک قائم رہیگی کہ دنیا کے موجودہ ذخیرہ علم و حکمت کے اصلی مآخذ انہین کے کارنامے ہین، جو لوگ اسکے ثبوت کے متلاشی ہین انہین چاہیے کہ ابن خلکان، ابن اصیبعہ، ابن سعید وابن ندیم کی ورق گردانی کرین، اگر ان کتابون کی مدد سے صحیح واقفیت پیدا کیجائے تو اسلام کی تنگ خیالی و تعصب پر کبھی زبان نہ کھل سکے،

پین اسلامی تحریک کا وجود ان دماغون سے باہر کہین نہین ہے، جنپر "زرد خطرہ" "سیاہ خطرہ" "سرخ خطرہ" یا "سفید خطرہ" کا عفریت سوار رہتا ہے، میرے نزدیک تو پین اسلامزم کے وہمی خطرہ سے جسکا وجود صرف یہی اوہام پرستون کے دماغون تک محدود ہے، بدرجہا زاید امن عالم کے لئے خطرناک یورپ کی ہوس ملک گیری و جوع الارض ہے، اور اس امر کا فیصلہ مین آپکے ان ناظرین کے جنھون نے مشرقی ممالک کی سیاحی کی ہے، انصاف پر چھوڑتا ہون کہ نوع انسانی کے لئے اپنے مذہب کے ساتھ جوشش محبت رکھنا زیادہ خطرناک ہے یا یورپ کا جوش قومیت؟ –

غالب

دیوان غالب اُردو کے جدید اڈیشن (نظامی پریس بدایوان) پر ہندو تعلیم یافتہ گروہ کے ایک ممتاز رکن پنڈت منوہر لال زتشی ایم، اے، فیلو الہ آباد یونیورسٹی و انسپکٹر مدارس الہ آباد نے ایک انگریزی پرچہ مین ریویو تحریر کیا ہے، جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ ہندو اصحاب کے علمی طبقہ مین اردو شاعری خصوصًا غالب کی شاعری سے متعلق کیا خیالات ہین،

پنڈت صاحب موصوف لکھتے ہین کہ سالہا سال سے ہمارے ہم وطنون کے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ مین اردو شاعری بدنام رہی ہے، اور اس بدنامی کے اسباب واضح ہین مثلاً خود فن شاعری مین انحطاط، تعلیم یافتہ گروہ کی جاہلانہ رعونت، اور زمانہ کی خشک مزاجی وغیرہ، اسمین بھی شبہہ نہین کہ انیسوین صدی کا رُبع آخر خاص طور پر انحطاط کا زمانہ تھا، اور یہ کہنا ایک امر واقع کو بیان کرنا ہے، کہ اس دور مین مرزا داغ کو مستثنیٰ کرنے کے بعد، جنکا کلام باوجود شہوانی مضامین کے صحیح شاعری کا نمونہ ہے، ایک بھی اعلیٰ پایہ کا شاعر نہین پیدا ہوا، یہ زمانہ وہ تھا کہ اساتذۂ قدیم وفات پاچکے تھے، اور اُنکے بجاے ہزارون نظم نویس جونکل پڑے تھے اُنمین سے بہترین افراد کا منتہاے کمال یہ تھا کہ رعایت لفظی کی پابندی اور حسن تناسب کے ساتھ قدیم مضامین کو ازسرنو موزون کردین، اور جو بدترین تھے انکی شاعری تو تمامتر فحاشی اور نفرت انگیز ابتذال کا مجموعہ تھی، انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ نمونہ دیکھکر نفس اُردو شاعری سے متعلق یہ بدگمانی ہوگئی کہ یہ محض عیاش و رنگین طبع اشخاص کے سامان ضیافت کے مرادف ہے، حالی اور اُن کے پیرودن نے اس عام بدمذاقی کی راہ سے الگ ہوکر اردو شاعری کی اصلاح اور اسے فطرت (نیچر) کے مطابق بنانے کی کوشش کی، حالی بحیثیت مصلح کامیاب اور بحیثیت

شاعر ناکام ہے. انکی ناکامی کا اصلی راز یہ ہے کہ انھون نے شاعری مین بجاے جذبات کے خشک واقعات، اور بجائے تخیّل کے عقل سے کام لینا چاہا، اور انہین کامیابی اس حیثیت سے ہوئی کہ ان کا اصلاح مذاق کا منتر کارگر ہوگیا، اردو شاعری سے فحاشی و ابتذال کا عنصر دور ہوگیا. لوگون کا مذاق سخن درست ہوچلا، اور اسمین کوئی شبہہ نہین کہ زمانۂ حال کے بہترین شعراء اقبال، چکبست، و حسرت موہانی کا کلام اپنے پیشرؤون سے مضامین مین پاکیزہ تر، طرزِ ادا مین لطیف تر اور ادبی حیثیت سے صحیح تر ہے،

اس اصلاح کا ایک مفید نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اساتذۂ اُردو کے کلام کو از سرِ نو مقبولیت حاصل ہونے لگی، اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقون مین ان ہستیون کی جانب التفات پیدا ہونے لگا، جنکے امتیاز کو نہ زمانہ مٹا سکتا ہے. اور نہ جنکے مذاق سخن پر کبھی کسی کو حرف گیری کی گنجائش ہوسکتی ہے، ان اساتذہ مین غالب کا مرتبہ سب سے بلند ہے، اسلئے ہم سب کو نظامی پریس بدایون کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اس نے پچھلے چند سال کے اندر دیوان غالب کے تین نہایت عمدہ ایڈیشن شائع کردیئے ہین، مضمون و زبان، عمق خیال و حسن ادا، مضمون آفرینی و شیرین بیانی، معنویت و دلکشی، ہر حیثیت سے غالب اسوقت تمام دوسرے شعراء سے زیادہ جدید طبقہ مین مقبول و محبوب ہے، اور اگر یہ صحیح ہے کہ شاعری نام ہے الہامات فطری و موسیقیت کے ازدواج کا، علو خیال و حسن بیان کے اجتماع کا، تو اسمین کوئی شبہہ نہین کہ غالب کا یہ امتیاز ہمیشہ

ل فاضل مضمون نگار کی اس راے سے اتفاق کرنا دشوار ہے کہ حالی کو شاعر کی حیثیت سے ناکامی ہوئی، حالی کا قدیم عاشقانہ کلام کسی طرح مومن، شیفتہ، و آتش سے فروتر نہین، بلکہ اُنکی بعض غزلین تو اس پایہ کی ہین کہ انہین بلا تکلف دیوان غالب مین جگہ دیجا سکتی ہے، رہی کلام کی عام مقبولیت سو مسدس اور بعض دوسری نظمون، بیوہ کی مناجات، شکوۂ حالی سے بڑھکر اُردو مین شاید ہی کسی اور کا کلام مقبول ہوا ہو۔ (معارف)

قائم رہیگا، یہ بالکل صحیح ہے کہ غالب اپنی زندگی و شاعری کسی شے مین رسوم و تقلید کا پابند نہ تھا، ایک امریکی مصنف نے خوب کہا ہے کہ اگر انسان کو بڑا ہونا ہے تو اسے مجتہد ہونا چاہیئے، اور غالب اپنی زندگی کے ہر شعبہ مین قیود و رسوم سے آزاد تھا، مذہب کے جو معنی عموماً لئے جاتے ہین، اس معنی مین وہ ایک غیر مذہبی شخص تھا، اپنی نظم و نثر مین کہین بھی وہ مصطلح مفہوم مین خدا وغیرہ پر اپنا اعتماد ظاہر نہین کرتا، البتہ اسکے ہر شعر مین ایک عمیق روحانیت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے، اسکا کلام گویا ویدانت کا تصوف منظوم لباس مین ہے اور غالب اپنے ایک ایک لفظ سے اپنے صوفی ہونے کا ثبوت دیتا ہے، اشعار ذیل ملاحظہ ہوں

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہین　　　حیران ہون پھر مشاہدہ ہی کس حساب مین

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن　　　دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہوتا تو خدا ہوتا　　　ڈبویا مجھکو ہونے نے نہوتا مین تو کیا ہوتا

یہی نہین کہ غالب کا ہر شعر بجاے خود ایک داستان غم ہے، تلاش حقیقت کے لئے ایک نالہ مضطر ہے، طلسم کشائی دہر کے لئے ایک صدا ے درد ہے، بلکہ اسکے کلام مین تاثیر کا کمال یہ ہے کہ وہ پڑھنے والے کو بھی اپنا ہمرنگ بنا لیتا ہے، اور اسکے قلب مین اپنی ہی سی روح جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ براؤننگ کی طرح غالب مشکل پسند ہے، اور بے شبہہ اسکے کلام کے بعض حصون کے متعلق یہ خیال بالکل صحیح ہے، لیکن دوسری طرف اسکا ایسا کلام بھی موجود ہے جو اپنی صفائی و سادگی کے لحاظ سے بے نظیر ہے، اور جسمین حسن ادا و لطف بیان کے ساتھ

سوز وگداز بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، مثلاً

کوئی اُمید بر نہین آتی کوئی صورت نظر نہین آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہین آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جوچپ ہُون ورنہ کیا بات کر نہین آتی
ہم وہان ہین جہان سے ہمکو بھی کچھ ہماری خبر نہین آتی
مرتے ہین آرزو مین مرنے کی موت آتی ہے پر نہین آتی
کعبہ کس منھ سے جاؤگے غالب شرم تمکو مگر نہین آتی

لیکن غالب پرستی کے لئے یہ ضروری نہین کہ دوسرے معبودانِ ادب کی خداوندی سے انکار کر دیا جائے، میر کے متعلق کچھ کہنا تحصیلِ حاصل ہے، سو برس سے اسکی جو عظمت قائم ہے اسمین اب بھی فرق پڑنے کی کوئی وجہ نہین، اور عظمت بھی کیسی جسکا فیاضانہ اعتراف خود غالب کو ہے، ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہین

آتش کا موضوعِ سخن محدود ہے، پھر بھی اپنی اس محدود ومختصر قلمرو مین اسکی فرمانروائی مسلّم ہے، ؎

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگین کے کم نہین
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

انیس نے اپنے تئین صرف مرثیہ کے حدود کا پابند رکھا ؎

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی مین پانچوین پشت ہے شبیر کی مداحی مین

لیکن اس میدان مین اُن کا کوئی حریف نہین، اور اُنکی بعض رباعیات تو فصاحت کے دارالضرب مین سب سے زیادہ کھری ثابت ہوئی ہین۔

آجکل سائنس کا دور دورہ ہے، زمانہ مادّی علوم کی جانب متوجہ ہے، طلبہ کے لئے تن کی ساخت کے اصول جاننا زیادہ قابل قدر سمجھا جاتا ہے، بمقابلہ اسکے کہ کالبدائس کے شکمثلاً یا ورڈس ورتھ کے ٹنسن اسپنسر کے لطائف ادبی پر انکی نظر ہو، ایسی حالت مین ایک بہت سخت ضرورت ہے کہ ہمارے جذبات عالیہ و احساسات لطیفہ، مادّی علوم کی تحقیقات، تجارتی ہنگامہ آرائیون، کاروباری چیخ پکار، اور سیاسی شور و شغب کے روز افزون بارسے پامال ہونے سے کچھ تو محفوظ رہ سکین۔

اخبار علمیۃ

ماہ گذشتہ مین ایک شخص مسمیٰ ٹامس میرس نے امریکہ مین وفات پائی، جسکی بابت خیال ہے کہ وہ دنیا کا معمر ترین شخص تہا، وفات کے وقت اسکی عمر ۱۲۶ سال کی تھی، اُس کے گھر مین انجیل کا ایک نسخہ تہا، جسپر اسکی تاریخ ولادت ۱۵ جنوری ۱۷۹۲ء درج تھی، اسکا مولد نارتھہ ویلز (انگلستان) تہا، اُسکو نپولین کے زمانہ کی لڑائیان خصوصاً جنگ واٹرلو بطور چشمدید واقعات کے اچھی طرح یاد تہین، پچاس برس سے اسکی سکونت امریکہ مین تھی، اُسکی عمر ۲۶ سال کی تھی جب اسکی معشوقہ کا انتقال ہوگیا، اسوقت سے وہ برابر عورت کی صحبت سے محترز رہا،

امریکہ مین یونیورسٹیان دو قسم کی ہین، ایک سرکاری، دوسرے پرائیوٹ، دونون کی مجموعی تعداد ۶۰۰ ہے، ریاستہائے متحدہ کی تقریباً ہر ریاست اپنی ایک علحدہ یونیورسٹی رکہتی ہے اور متعدد پرائیوٹ یونیورسٹیان، لیکن شہرت، ناموری، اور علمی کارنامون کے لحاظ سے عموماً پرائیوٹ یونیورسٹیان سرکاری یونیورسٹیون پر ہر طرح تفوق رکہتی ہین، چنانچہ ئیل، ہرورڈ، کولمبیا، پرنسٹن و شکاگو کی مشہور عالم یونیورسٹیان غیر سرکاری ہین، ہر یونیورسٹی کے عموماً پانچ شعبے ہوتے ہین، شعبۂ علوم، شعبۂ فنون، شعبۂ زراعت، شعبۂ طب، اور شعبۂ قانون،

کالجون مین یہ تمام مضامین صرف دو عنوانات کے تحت مین آجاتے ہین، شعبۂ علوم، و شعبۂ فنون، اکثر یونیورسٹیون مین پانچ پانچ کالج ہوتے ہین :-

(۱) کالج برائے علوم و فنون،

(۲) کالج برائے انجینیرنگ،

(۳) کالج برائے زراعت،

(۴) کالج برائے طب،

(۵) کالج برائے قانون،

بعض یونیورسٹیون مین انکے علاوہ تجارتی کاروبار کے لئے بھی کالج ہوتے ہین، چند یونیورسٹیون مین صحافت یا فن اخبار نویسی کی بھی باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے، کچھ یونیورسٹیان ایسی بھی ہین جو بذریعہ مراسلت تعلیم دیتی ہین، طلبہ اپنی مشکلات اساتذہ کی خدمت مین بذریعہ ڈاک بھیجدیتے ہین، اور وہ ڈاک ہی سے اُن کے جوابات بھی ارسال کر دیتے ہین، ہزارہا طلبہ جو باضابطہ مدارس مین داخل ہوکر تعلیم پانے کا وقت نہین نکال سکتے، اسی ذریعہ سے مستفید ہوتے رہتے ہین،

عموماً امریکی یونیورسٹیان حسب ذیل ڈگریان عطا کرتی ہین:-

(۱) اے، بی، (یہ ہمارے ہان کے بی، اے کے مرادف ہے، یعنی "بالغ العلوم")

(۲) بی، ایس، (یہ ہمارے ہان کے بی، اس، سی کے مرادف ہے، یعنی "بالغ الفنون")

(۳) اِل، اِل، بی، (قانونی گریجویٹ کی ڈگری)

(۴) اے، ایم، (یہ ہمارے ہان کے ایم، اے، کے مرادف ہے، یعنی "کامل العلوم")

(۵) ایم، اس، (یہ ہمارے ہان کے ایم، اس، سی کے مرادف ہے، یعنی "کامل الفنون")

(۶) پی، ایچ، ڈی، (ڈاکٹر آف فلاسفی، فلسفہ کی اعلیٰ ترین سند)

(۷) ایم، ڈی، (ڈاکٹر آف مڈیسن، طب کی اعلیٰ ترین سند)

(۸) ڈی، ڈی، اس، (ڈاکٹر آف ڈینٹل سرجری - امراض دندان کے متعلق اعلیٰ ترین سند)

بعض یونیورسیٹیون مین انکے علاوہ کچھ اور ڈگریان بھی ہوتی ہین، مثلاً ہٹل یونیورسٹی ایک خاص ڈگری، پی، ایچ، بی - (بیچلر آف فلاسفی) کی دیتی ہے،

صنف نسوان کے لئے امریکہ مین عموماً جداگانہ کالج ہین، اسی طرح طب، زراعت، تجارت، انجینیرنگ، وغیرہ مخصوص صنایع وفنون کے لئے، نیز طبقہ عمال کے لئے علٰحدہ کالج ہین جو یونیورسیٹیون کی نگرانی سے آزاد ہین، بڑے بڑے کارخانہ دارون کے قائم کردہ کالج ان کے علاوہ ہوتے ہین جنمین انکے اہل حرفہ کے بچے تعلیم پاتے ہین،

نیویارک (امریکہ) کے ایک نوتعمیر ہوٹل مین جسکا نام ایمبیسیڈر ہوٹل ہے، ایک عجیب وغریب صنعت یہ رکھی گئی ہے کہ اسکی چودھوین منزل پر جو سطح زمین سے تقریباً دوسوفٹ بلندہی ایک چمن لگایا گیاہے جو شاداب گھاس اور خوشنما پھولون کا مجموعہ ہے، اس چمن کا عرض بارہ فٹ اور طول دوسوفٹ ہے، اسکے گرد ایک نہایت نفیس اور مضبوط کٹہرہ بھی لگادیا گیا ہے تاکہ تماشائی بے خوف وخطر اسکی سیر کرسکین،

ایک قدیم مصری تاجدار توت انخ امر کا سنگین مجسمہ حال مین لوورکے عجائب خانہ نے دس ہزار پونڈ کی قیمت دیکر خرید کیا ہے، ۱۸۶۶ء سے یہ مجسمہ ایک فرنچ شہزادہ کے قبضہ مین چلا آتا تھا، اور بہت کچھ شکستہ حالت مین ہے، روایت ہے کہ ولادت مسیح سے ہزارہا سال قبل اس بادشاہ کے طریق حکومت سے برہم ہوکر اسکی رعایا نے اسکے مجسمہ کو غارت کرنیکی کوشش کی تھی

اگر ایک شخص یہ بیان کرے کہ پانی لوہے کو گلا دیتا ہے تو کوئی بھی اسپر یقین نہ کریگا، لیکن ایک سائنس دان لکھتا ہے کہ اگرچہ خالص وبے آمیز پانی برق آفرین نہین لیکن اگر اسمین کچھ بھی تیزابیت پیدا ہوجائے تو وہ فوراً موصل امواج برق بنجاتا ہے، اب اگر کسی تیزاب آمیز پانی کے ذخیرہ سے برقی رَو گذارین تو وہ پانی اپنے دو اجزاء ترکیبی آکسیجن وہائڈروجن مین تقسیم ہوجائیگا جنہین بآسانی شیشہ کے مرتبانون مین محفوظ کیا جاسکتا ہے، آکسیجن و ہائڈروجن کے اس مرکب کو اگر ذرا سی بھی آگ دکھا دین تو دفعتہً اسقدر تیز و شدید شعلۂ آتش پیدا ہوگا جو چند منٹ مین لوہے کی دبیز چادر کو بھی پگھلا دیگا،

امریکہ کی مشہور کولمبیا یونیورسٹی نے اپنے ہان ایک جدید قاعدہ یہ نافذ کیا ہے کہ اسکے طلبہ کو اپنے آخری دو برسون مین دنیا کی مشہور ترین کتب مین سے کم ازکم پچاس کی تعداد مین ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے، چنانچہ اس نے بیالیس ۴۲ مصنفین کے نام بھی از خود پیش کئے ہین، جنکی تصانیف کا مطالعہ، اسکے نزدیک دنیا کے بہترین لٹریچر کا مطالعہ ہے، ان مصنفین کے اسمائے گرامی مع انکی قومیت یا زبان تصنیف کے حسب ذیل ہین۔

یونانی	(۱)	ہومر	(شاعر)
	(۲)	ہیروڈوٹس	(مورخ)
	(۳)	تھیوسی ڈایڈس	تذکرہ نویس
	(۴)	عسقلیس	(شاعر و ڈراما نویس)
	(۵)	یوریپیڈیس	(")

یونانی	(۶)	ارسٹافینیز	(شاعر و ڈراما نویس)
	(۷)	فلاطون	(فلسفی)
	(۸)	ارسطو	(؍؍)
	(۹)	لکریشیس	(شاعر و فلسفی)
	(۱۰)	سوفوکلیز	(شاعر و ڈراما نویس)
رومی	(۱)	ورجل	(شاعر)
	(۲)	ہوریس	(؍؍)
	(۳)	پلوٹارک	(تذکرہ نویس)
	(۴)	مارکس آریلیس	(حکیم اخلاق)
ائمہ مسیحیت اور قرون وسطیٰ	(۱)	سینٹ آگسٹائن	(متکلم و واعظ)
	(۲)	نابیل آنگن لائڈ	(؍؍)
	(۳)	رولنڈ	(شاعر)
	(۴)	ٹامس اکوئیناس	(متکلم)
اطالوی	(۱)	دینتے	(شاعر)
	(۲)	پیٹرارک	
انگریز	(۱)	شکسپیر	(شاعر و ڈراما نویس)
	(۲)	ملٹن	(شاعر)
	(۳)	بیکن	(فلسفی)
	(۴)	ہیوم	(؍؍)

انگریز	(۵)	ایڈم اسمتھ	(اقتصادی)
	(۶)	مکالے	(ادیب)
	(۷)	ڈاروِن	(سائینٹسٹ)
	(۸)	لائل	(”)
جرمنی	(۱)	لسنگ	(شاعر و حکیم)
	(۲)	گیٹے	(”)
	(۳)	شلر	(”)
	(۴)	کینٹ	(فلسفی)
	۵	ہیگل	(”)
	(۶)	نیٹشے	(مورخ و فلسفی)
فرینچ	(۱)	مولیار	(افسانہ نویس)
	(۲)	مانٹسکو	(ادیب)
	(۳)	والٹیر	(”)
	(۴)	روسو	(”)
	(۵)	ماپیتن	(”)
	(۶)	ہیوگو	(افسانہ نویس)
روسی	(۱)	ٹالسٹائے	(حکیم و افسانہ نویس)
اسپینی	(۱)	سروینٹیس	(افسانہ نویس)

دنیا کا سب سے بڑا ہوٹل شکاگو (امریکہ) مین تعمیر ہونا تجویز ہوا ہے، انجنیرون نے اسکا جو نقشہ بنایا ہے، اسمین چار ہزار کمرے رکھے ہین! ہوٹل سے متعلق چار سو علٰحدہ باورچیخانے ہونگے، ایک تھیٹر ہال ہوگا جسمین ڈہائی ہزار آدمی بیٹھ سکین گے، اور ایک عمارت سولہ منزلون کی ہوگی!! ہوٹل کے مجموعی مصارف کا تخمینہ ڈیڑہ کرور ڈالر قرار پایا ہے،

سر آرتھر ہیجبٹ نے رایل جیوگرافیکل سوسائٹی کی خدمت مین دنیا کا ایک نقشہ پیش کیا ہی جو دو نصف دائرون کی شکل مین ہے، اور جو ہالینڈ مین سترہوین صدی کے وسط مین تیار ہوا تھا اسکی ایک نقل برٹش میوزیم کے کتبخانہ مین بھی ہے، مگر وہ بعض حیثیات سے ناقص ہی بخلاف اسکے یہ کاپی ہر طرح سے مکمل ہے

میسو بیرونی نے فرنچ اکاڈیمی آف سائنس کے سامنے آفتاب کی عمر سے متعلق اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ اسکو وجود مین آئے ہوئے بیس لاکہہ سال سے لیکر ساٹھ لاکہہ سال تک کی مدت ہوئی ہے،

رایل کالج آف سرجنس (لندن) کے سامنے پروفیسر کینتھ نے ایک لکچر کے دوران مین بعض ایسے آلات اور اعضاے جسم، جمجمہ وغیرہ پیش کئے جن سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ ولادت مسیح سے پانچ ہزار سال قبل بھی جراحی اعمال بالبد کے وہ طریقے رائج تھے جنھین عصر جدید کا پیدا وار سمجھا جاتا ہے، اس زمانہ کے ایک روزنامچہ مین ان شرائین و اوردہ کے نام تفصیل کے ساتھ ملے ہین، جنکی دریافت کو زمانۂ حال کے فن تشریح کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا تھا

امریکن فارسٹری میگزین لکہتا ہے کہ برٹش کولمبیا (جنوبی امریکہ) مین بعض درخت ایسے دریافت ہوئے ہین جنمین شکر پیدا ہوتی ہے، یہ شکر نیم رقیق و نیم جامد مادہ کی شکل مین درخت کی چہال سے رستی رہتی ہے، اور تھوڑی دیر مین معمولی شکر کی طرح جم کر خشک اور ٹھوس ہوجاتی ہے یہ شکر ذائقہ مین نہایت شیرین ہوتی ہے، اور اسکی ہر ڈلی ۱/۲ انچ سے لیکر ۱/۲ انچ تک قطر مین ہوتی ہے، چھونے مین ذرا سخت ہوتی ہے، لیکن منہ مین ڈالتے ہی لعاب دہن کے اثر سے گہل جاتی ہے، اور کہانے مین چپکتی مطلق نہین، برٹش کولمبیا کے دیسی باشندون کو اس کا حال ہمیشہ سے معلوم تہا، اور وہ برابر اس سے شیرین کام ہوتے رہے، حکمران طبقہ کو البتہ اب اسکا حال معلوم ہوا ہے،

دنیا مین سب سے زیادہ جسامت کی بڑی تین گھڑیان (کلاک) امریکہ مین ہین، ان تینون مین سب سے بڑی گھڑی جرسی کے گہنٹہ گھر مین نصب ہے، اسکا قطر ۳۸ فٹ کا ہے، اور اسکی بڑی سوئی ۲۰ فٹ طویل ہے، اسکی چھوٹی سوئی کا وزن کئی من ہے، اور اسے روزانہ آدھ میل سے زیادہ کا چکر کاٹنا پڑتا ہے،

شمالی افریقہ کے مارخوار (سانپ کہانے والے) افراد ہر سال اپنی ایک کانفرنس منعقد کرتے رہتے ہین، ادہر پانچ سال سے اسکا انعقاد ملتوی تہا، مگر اب چند روز ہوئے اسکا اجلاس ہوا، اسمین سترہ ماہرین فن ٹیونس، الجیریا، وغیرہ دور دور از مقامات سے آکر شریک ہوئے جنمین سے اکثر افراد فرنچ سپاہ مین سپاہیون کی حیثیت سے فرانس کی سرزمین پر لڑ چکے تھے، چھوٹے بڑے چار سو زندہ سانپون سے زاید فراہم کئے گئے، اور ہر شخص اس امر کا امتحان

دینے بڑہا کہ وہ زیادہ سے زیادہ سانپ جلد سے جلد نگل سکتا ہے، امتحان کا طریقہ یہ تہا کہ ہر شخص ایک سانپ کو پکڑ کر اسکے منھ کی طرف سے اپنے منھ مین رکہتا تہا، اور جونہی اسکی دم غائب ہوتی تھی فوراً اسے باہر کہینچکر پہینکدیتا تہا، اور معاً دوسرا سانپ منھ مین رکھتا تہا، آخر مین جس شخص نے کم سے کم مدت مین چوبیس (۲۴) سانپ نگلے، وہ مستحق انعام قرار پایا، اور اُسے بطور نمونہ کے ایک گولہ جسمین پیتل کی کیلین اور زنجیرین لگی ہوئی ہتین انعام ملا۔

مشہور ماہر طبیعیات سر آلیور لاج نے ادہر امریکہ مین متعدد لکچر دیئے، ان سب کا خلاصہ یہ تہا کہ موت کو انسانی ہستی کے خاتمہ کا مرادف قرار دینا قطعاً غلط ہے، موت کے وقت انسان اپنے جسم خاکی کو بے شبہہ چھوڑ دیتا ہے، لیکن اُسکا جوہر اصلی کسی دوسرے قالب یا شکل مین یقیناً باقی رہتا ہے۔

ادبیات

افادات اکبر

درد تو موجود ہے دل مین دوا ہو یا نہو — بندگی حالت سے ظاہر ہی خدا ہو یا نہو
جھومتی ہے شاخِ گل کھلتے ہین غنچے دمبدم — با اثر گلشن مین تحریکِ صبا ہو یا نہو
وجد مین لاتے ہین مجھکو بلبلون کے زمزمے — آپ کے نزدیک با معنی صدا ہو یا نہو
کردیا ہی زندگی نے بزم ہستی مین شریک — اسکا کچھ مقصود کوئی مدعا ہو یا نہو
کیون سول سرجن کا آنا روکتا ہی ہمنشین — اسمین ہی اک بات آنر کی شفا ہو یا نہو
مولوی صاحب نہ چھوڑینگے خدا گو بخشدے — گھیر ہی لین گے پولس والے سزا ہو یا نہو
ممبری سے آپ پر تو وارنش ہو جائیگی — قوم کی حالت مین کچھ اس سے جلا ہو یا نہو
معترض کیون ہو اگر سمجھے تمہین صیاد دل — ایسے گیسو ہون تو شبہہ دام کا ہو یا نہو

حادثے اپنے طریقون سے گذرتے ہی رہے — کیون ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے
صفحہ ہستی پر آخر کس قلم کی ہے کشش — نقش مٹتے ہی رہے لیکن ابھرتے ہی رہے
انتظار آخر اجل سے کر گیا یاران ہمکنار — چشم بد دور آپ اپنے گھر سنورتے ہی رہے

یہ بات تو کھری ہی ہرگز نہین ہی کھوٹی — عربی مین نظم ملت، بی اے مین صرف روٹی
لیکن جناب لیڈر یہ شعر سن کے بولے — بندھوائینگے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی

اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے — کسکی نظر ہے غائر کسکی نظر ہے موٹی

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود آخر ہے — شکم بولا کہ اسکی بحث کیا بندہ تو حاضر ہے

شکم کی پیٹھ ٹھونکی نفس امارہ نے خوش ہوکر — صدای باطنی اٹھی کہ یہ کمبخت کافر ہے

اس سے تو اس صدی میں نہیں ہمکو کچھ غرض — سقراط بولے کیا اور ارسطو نے کیا کہا

بہر خدا جناب یہ دین ہمکو اطلاع — صاحب کا کیا جواب تھا بابو نے کیا کہا

دین خدا ہے حق کی تجلی کے واسطے — دنیا اٹھی ہے اپنی تعلی کے واسطے

عارف جو ہیں رہینگے وہ اللہ ہی کے ساتھ — اللہ ہی ہے انکی تسلی کے واسطے

یہ ممبری کی دھن میں مذہب سے منحرف ہیں

مسجد میں متحد تھے ووٹوں میں مختلف ہیں

گائے کا تو کچھ ٹھکانا بھائی گاندھی نے کیا — شیخ جی کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہی دیکھیے

مطبوعات جدیدہ

تاریخ سہسرام ، سہسرام صوبہ بہار کا نہایت قدیم شہر ہے، جسکو شیرشاہ کے مولد و مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے، مولوی ابو محمد صاحب مصلح نے اسکی ایک تاریخ لکھی ہے جس مین سہسرام کی قدامت، اسکے حکمران خاندان، اُسکے آثار قدیمہ، عمارات، مساجد، مقابر اور اوقاف وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، پھر چھبیسوین فصل مین سہسرام کے مشائخ، اولیا، اور اُسکے بعد علماء، اہل سیف، اور دیگر مشاہیر کے حالات لکھے ہین، اُنتالیسوین فصل مین سہسرام کے مناظر طبیعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور یہین پر کتاب کی جلد اول ختم ہوگئی ہے، اسکے بعد دوسری جلد شروع ہوئی ہے، جسکی دو فصلین اس جلد مین بھی شامل کیگئی ہین، کتاب کی ترتیب مین مولوی صاحب موصوف نے نہایت محنت، دقت، اور عرقریزی سے کام لیا ہے۔ اور تاریخ کی مختلف کتابون کے علاوہ مختلف یادداشتون، شجرون، نسب نامون، اور کتبون سے بھی مدد لی ہے، جس سے کتاب مفصل ہونے کے ساتھ دلچسپ بھی ہوگئی ہے، بہرحال یہ مولف صاحب موصوف کی پہلی کوشش ہے جسکے لئے وہ داد کے مستحق ہین، کتاب کی قیمت عمر ہے، اور محمد عبدالرحمن خان، محلہ عالم گنج سہسرام (ضلع آرہ) سے مل سکتی ہے،

شباب اردو - وطن بلڈنگ لاہور سے اس نام کا ایک ادبی رسالہ جاری ہوا ہے جسکے ایڈیٹر خان احمد حسین خان بی، اے، آنریری ایڈیٹر خان بہادر شیخ عبدالقادر بی، اے سابق ایڈیٹر مخزن، جائنٹ ایڈیٹرز خانصاحب شیخ عبدالعزیز بی، اے اور خواجہ دل محمد ایم اے ہین اور یہ اسکی ایک ایسی خصوصیت ہے جسمین ابتک ہماری زبان کے صرف دو تین

رسالے اسکے شریک ہو سکے ہین، مضامین کے لحاظ سے پرچہ دلچسپ ہے، اور نظمین بھی عمدہ ہین، اسمین کبھی کبھی مشاہیر کی تصویرین بھی شامل کیجاتی ہین، چنانچہ اس پرچہ مین لسان العصر اکبر الہ آبادی کی تصویر شامل کیگئی ہے، قیمت صہ رسالانہ ہی اور مذکورہ بالا پتہ سے ملسکتا ہے۔

ادیب، ممالک متوسط کے دار السلطنت ناگپور سے یہ ایک علمی رسالہ جاری ہوا ہے، جسکے ایڈیٹر مولوی عبد الغنی صاحب ایم اے (علیگ) ہین، ہمارے پیش نظر اسکا دوسرا نمبر ہے جو مضامین کے لحاظ سے قابل داد ہے، نظم کا حصہ بھی اچھا ہے، چنانچہ اس نمبر مین علامہ شبلی مرحوم کی ایک غزل شایع کیگئی ہے، زبان کے لحاظ سے البتہ کسیقدر اصلاح کی ضرورت ہے، جو نہایت آسانی کے ساتھ کیجا سکتی ہے، رسالہ کی قیمت (۳) سے رسالانہ ہے جو اسکی ضخامت اور ظاہری محاسن کے لحاظ سے مناسب ہے، پتہ: ادیب، ناگپور۔

تاج، یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو جبل پور سے تاج الدین صاحب کی ایڈیٹری مین دوبارہ جاری ہوا ہے تاج الدین صاحب مذہبی اور قومی تحریکات کے سلسلہ مین عام طور پر روشناس ہو چکے ہین، اسلئے اُنکا نام لینے کے بعد یہ بتانے کی ضرورت باقی نہین رہتی کہ یہ پرچہ کس نوعیت اور کس مرتبہ کا ہوگا، اخبار پر قیمت درج نہین ہی، مذکورہ بالا پتہ سے ملیگا۔

مجلد ششم — ماہ صفر ۳۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰ء — عدد چہارم

مضامین

جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب "جماعتہاے انسانی کے اصول نفسیہ" کا ترجمہ، از مولانا محمد یونس فرنگی محلی، قیمت دو روپیہ،

"مینجر"

شذرات

خاکسار (ایڈیٹر معارف) آٹھ مہینہ کے سفر یورپ کے بعد ۴۔ اکتوبر کو ہندوستان واپس آیا، گو اسکا افسوس ہے کہ اس طویل عرصہ مین، اپنے ناظرین کی خدمت سے معذور رہا، لیکن بحیثیت مسلمان اور ہندی ہونے کے اگر مجھسے انکی کوئی خدمت بن آئی تو اس اثنا مین مجھے یقین ہے کہ وہ اسکو میرے گناہ کا پورا کفارہ سمجھین گے، اس موقع پر مین اپنے دوست مولوی عبد الماجد صاحب بی، اے کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہون جنھون نے اپنی کثیر مصروفیتون کے باوجود میری غیر حاضری کے ایام مین معارف کی ترتیب و تدوین کے فرائض کو بحسن اسلوب انجام دیا،

جولائی کے معارف مین جو مضمون "قصۂ بکاؤلی و مسائل تصوف" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اسکے سلسلہ مین یہ خبر دلچسپی سے سُنی جائیگی کہ فرنچ زبان مین ایک ایسی کتاب موجود ہے جسکے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون مذکور سے اسکا موضوع متحد ہوگا، گارسن ڈی ٹاسی ایک مشہور فرنچ فاضل گذرا ہے، انگریزی عملداری کی ابتدا مین وہ ہندوستان مین مدت تک مقیم رہا تھا اُردو ادب سے اُسے خاص ذوق تھا، اور اُردو تصانیف کی سرپرستی اور

اردو مصنفین کی قدر شناسی مین ممتاز تھا، یہ کتاب اسی کے بعض لکچرون کا مجموعہ ہے، اور پورا نام فرنچ مین حسب ذیل ہے،

la doctrine de L'amoure on Tajul-Molook et Bekawali roman de Philosophia Religiense tradent de L'Hindostani

یعنی "تاج الملوک و بکاولی کے افسانۂ عشق کے فلسفیانہ، مذہبی نتائج و نکات" کتاب اگر ہندوستان آگئی تو ناظرین معارف کو اس سے ذرا تفصیل کے ساتھ روشناس کرایا جائیگا،

ماہ گذشتہ کا ایک اہم علمی حادثہ جرمنی کے نامور پروفیسر ونٹ کی وفات ہے، پروفیسر موصوف فن نفسیات (سائیکالوجی) مین اسوقت استاذ الاساتذہ کا مرتبہ رکھتے تھے، اُنکے زمانہ سے پیشتر نفسیات کو عام فلسفہ کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا، ونٹ ہی نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ نفسیات بذات خود ایک مستقل فن ہے، جسکے نتائج کی بنیاد قیاس و استدلال پر نہین بلکہ تجربات و اختبارات پر ہے، چنانچہ سب سے اول اُنہین نے نفسیات کے لئے ایک معمل (تجربہ گاہ) قائم کیا جسمین مادی علوم کے معملون کی طرح سارا کام تجربات کی مدد سے انجام پانے لگا، اور ایک جدید فن نفسیات طبیعی (سائیکو فزکس) کی بنا ڈالی، اسکے علاوہ فلسفہ اخلاق، منطق وغیرہ پر بھی اُنکی گران پایہ وضخیم تصانیف ہین، ابتداءً وہ وجود روح کے منکر اور مادیت کے پیرو تھے، لیکن رفتہ رفتہ روح کے قائل اور بالآخر سخت مذہبی آدمی ہوگئے تھے، وفات کے وقت اُنکی عمر ۸۸ سال سے متجاوز تھی،

اگر یہ سچ ہے کہ ملک میں کتب بینی کا ذوق پیدا کرنا علم و روشن خیالی کی خدمت انجام دینا ہے، تو اسمین کوئی شبہہ نہین ہو سکتا کہ بڑودہ کی مندو ریاست کا نام اس وصف خاص مین سب سے زیادہ روشن نظر آتا ہے، انتہا یہ ہے کہ ہر ہر شہر نہین، ہر ہر قریہ مین کتبخانہ کہولے جا رہے ہین، چنانچہ اسوقت تک ۷۰۶ کتبخانے کہل چکے ہین، خاص شہر بڑودہ کے کتبخانہ مین ۷۱ ہزار سے اوپر کتابین ہین جنمین سے قریب سات ہزار کے قلمی ہین، اور دار المطالعہ مین تقریبًا سوا دو سو اخبارات و رسائل منگائے جاتے ہین، پھر ایک علحدہ زنانہ شاخ ہے اور ایک شعبہ بچون کے لئے ہے، جسمین مخصوص انہین کی دلچسپی کی چیزین ہین، پچہلے سال تقریبًا ڈیڑھ لاکھ نفوس نے مرکزی کتبخانہ سے استفادہ کیا، اور اگر عورتون اور بچون کی تعداد کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس میزان مین سولہ ہزار کا اور اضافہ کرنا ہوگا،

حیدرآباد، بھوپال، و رامپور کے شاہی کتبخانہ اسمین شبہہ نہین کہ بجائے خود اعلیٰ قسم کے ہین، کلکتہ کی امپیریل لائبریری ملک مین اپنا جواب نہین رکہتی، لاہور، الہ آباد، وغیرہ مختلف مقامات کے سرکاری کتبخانے بھی قابل دید ہین، لیکن بڑودہ مین جو اسکا اعلیٰ نظام قائم ہے اسکے حدود کو جو عظیم الشان وسعت دیجا رہی ہے اور اس چشمۂ فیض کو جسطرح گہر گہر پہنچایا جا رہا ہے اسکے لحاظ سے بہتر ہوگا کہ اسلامی ریاستون اور خود برٹش انڈیا کے خدایان تعلیم شاگردانہ حیثیت سے کچھ زمانہ بڑودہ مین بسر کرین،

کاغذ کے قحط اور سامان طباعت کی گرانی کے ساتھ ہی علم دوست اصحاب کے لئے ایک اہم اور قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ قدیم کتب مطبوعہ کی حفاظت کا کیا انتظام کیا جائے؟ جن جن کتبخانون مین کتابین موجود ہین، وہ کوئی موسم و ہوا کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہین، انداد

نومانے سے کاغذ یا تو خود گلتا جاتا ہے یا کیڑون کی خوراک بنتا جاتا ہے، یہانتک کہ ایک مدت کے بعد کتابین بالکل ازکار رفتہ ہو جاتی ہین، ان قدرتی آفات سے تحفظ کے وسائل پر غور کرنا ہر کتاب دوست کا فرض ہے، ۱۹۳۳ء مین تمام ہندوستان کے کتبخانون کے مہتممین (لائبریرینس) کی جو کانفرنس لاہور مین منعقد ہوئی تھی اس نے بھی اس مسئلہ پر توجہ کی تھی مگر کسی نتیجہ تک نہ پہونچ سکی، حال مین امپریل لائبریری (کلکتہ) نے جو اپنی پچھلی سالانہ رپورٹ شائع کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ توپخانہ قدیم کے کتبخانہ کی کتابون کے جو ایک عرصہ سے میرٹھ مین منتقل کر دیگئی ہین، معائنہ سے دریافت ہوا کہ جو کتابین آج سے ستر (۷۰) سال پیشتر تک درست و صحیح حالت مین تھین ان مین سے پچاس فیصدی بالکل بیکار ہو گئی ہین، اور بقیہ پچاس مین سے ۳۵ فیصدی رفتہ رفتہ بیکار ہو رہی ہین، انہین کتابون کو جب امپریل لائبریری مین منتقل کر دیا گیا تو معلوم ہوا کہ اتنے عرصہ مین ٹھیک یہی تناسب وہان کے خزانۂ کتب کے نقصانات مین بھی قائم رہا، تعجب ہے کہ یورپ کی بلند پرواز فلک پیما توت ایجاد و اختراع اس عام مصیبت سے بچنے کی کوئی تدبیر اب تک نہ نکال سکی،

امریکہ مین ایک ریاست پنسلونیا ہے، وہان کے ایک اخبار پٹسبرگ ڈسپیچ نے جمہور کے مذہبی خیالات کا اندازہ کرنے کے لئے حال مین متعدد سوالات اپنے کالمون مین شائع کئے تھے جنمین سے چند کے عنوانات یہ ہین:-

(۱) آپ کے پاس وجود باری کا کیا ثبوت ہے؟

(۲) کیا ابتدا مین صرف خدا کا وجود تھا؟

(۳) خدا جنگ وخون ریزی کو کیونکر جائز رکھتا ہے؟

(۴) کیا آپ مسیح کی آیندہ آمد کے معتقد ہین ؟ وقس علیٰ ہذا،

ان سوالات کے جو جوابات اخبار مذکور نے پبلک کی طرف سے شایع کئے ان کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

"ابتداءً انسان کو خدا کا تصور اپنی جہالت وخوف کی بنا پر پیدا ہوا، یہ عقیدہ تدریجًا دنیا سے رخصت ہو رہا ہے، اور ایک زمانہ مین اسکا شمار بھی مسلّم اوہام مین ہوگا"

"خدا اگر کسی زمانہ مین موجود رہا بھی ہو تو تا ہم بہرحال یقینی ہے کہ آفرینش ارض کے بعد غائب ہوگیا ہے، ممکن ہے کہ محنت سے خستہ ہوکر کسی درخت کے نیچے سستانے چلا گیا ہو"

"مسیح کی آیندہ آمد کسی گذشتہ ہی آمد تاریخ سے نہین ثابت ہوتی"

"بعض مخبوط الحواس پیشوایان مذہب ابتک یہ ثابت کرنیکی فکر مین ہین کہ وبا، سیلاب، طوفان، زلزلہ وغیرہ خدا کی نیکی وخوش انتظامی کے شواہد ہین، لیکن ارباب عقل جانتے ہین کہ ان حضرات کا سہارا عقل وفہم نہین بلکہ خوش عقیدگی ہے"

"کلیسا کی روایت ہے کہ خدا کے ایک صاحبزادہ عیسیٰ مسیح تھے، انکے جو حالات و ارشادات انجیل مین درج ہین، اگر وہ صحیح ہین تو یہ یقینًا جنگ وخون ریزی کے مخالف تھے، لیکن خود خداتعالیٰ ان چیزون کو جائز رکھتا ہے، کیا ان الوہیت مآب باپ بیٹون مین بھی نفاق وشقاق کی مثال موجود ہے"؟

جوابات کا بیشتر حصہ اسی نوعیت کے فقرون سے لبریز ہے، جمہور کے مذاق طبیعت کا صحیح اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان خیالات کی اشاعت سے پرچہ کے خریدارون کی تعداد مین اضافہ ہونا شروع ہوگیا، یہانتک کہ چندروز مین دس ہزار جدید خریدار پیدا

ہوگئے، "دنیاے جدید" کو مسیح و مسیحیت سے عملاً جو برگشتگی ہے، اسکا ثبوت اسکی زندگی کے ہر ہر قدم پر ملا کرتا تھا، لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ جرأت و بیباکی کے ساتھ لفظاً بھی اسکا اعلان کیا جانے لگا ہے، اور سچ یہ ہے کہ جن دماغی صنمکدون مین جاہ و ثروت، مال و زر، زن و زمین کے دیوتاؤن کی پرستش ہوتی رہتی ہے، انہین خدا و رُوح کے تصور سے کوئی واسطہ رہنا بھی نہ چاہیئے تھا، زر پرستی و خدا شناسی کی یکجائی اجتماع ضدین سے محال تر ہے۔

ہندوستان کی تعلیمی تاریخ کا اہم ترین باب کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ کو قرار دیا جاتا ہے، اسکی تجاویز اور سفارشین وحی آسمانی کا مرتبہ رکھتی ہین، اور تعلیمی ملا ر اعلیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر نجات مطلوب ہے تو انکے حرف حرف پر ایمان کامل رکھنا چاہیئے، ڈھاکہ اور لکھنؤ کی جدید یونیورسٹیان انہین کے مطابق قائم ہو رہی ہین، کلکتہ، مدراس، والہ آباد کی قدیم یونیورسٹیون کو اسی قالب مین ڈھالا جا رہا ہے، اور علیگڈھ "مسلم" یونیورسٹی کے نظام و قانون کی ترتیب مین بھی اسی نمونہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے، لیکن اس سارے دفتر تجدید و اصلاح کا ماحصل کیا ہے؟ محض یہ کہ فلان فلان جدید عہدہ قائم کرنا چاہیئے، فلان فلان درجون کو کالج سے نکالدینا چاہیئے، تقسیم اختیارات فلان فلان جدید جماعات و مجالس کے درمیان کرنا چاہیئے، انتظامی و تعلیمی اُمور کا تعلق جداگانہ مجلسون سے ہونا چاہیئے، بیرونی درسگاہون کے الحاق کے بجاے تعلیمی مرکزیت پر زور دینا چاہیئے، وقس علیٰ ہذا،

ظاہریت و ظاہر پرستی جو صدیون سے لازمۂ تمدن رہی ہے، اور جس نے مذہب اخلاق، معاشرت، سیاسیات، غرض ہر شعبۂ زندگی کو چھا لیا ہے، اسکی حکومت قاہرہ کے

شکنجہ نے ہمارے مصلحین تعلیم کے بھی دل و دماغ کو اپنی سخت گرفت مین لے لیا ہے یہانتک کہ ہم مین سے جو افراد، اصلاح تعلیم کے لئے بڑے سے بڑے ولولے لیکر اُٹھتے ہین وہ بھی اس ظاہر بینی کے محدود دائرہ سے باہر قدم نہین رکھ سکتے، اور باوجود انتہائی آزاد خیالی کے ادعا کے ان کا محورِ فکر زیادہ سے زیادہ اسیقدر رہتا ہے کہ نظام مروجہ مین چند خارجی و مادی تغیرات کر دیئے جائین، چنانچہ کلکتہ یونیورسٹی کمیشن رپورٹ کے ضخیم مجلدات کا حرف حرف اسی طابق فکر کے سانچہ مین ڈھلا ہوا نکلا ہے، اور مسلم یونیورسٹی پر جو اعتراضات کی بارش ہو رہی ہے، اسکے بھی سارے تیرون کا ترکش یہی ظاہر بینی و خارجیت ہے، حالانکہ اگر عمارت کی استواری مقصود ہے تو سب سے مقدم، بنیاد کا استحکام ہے، اور در و دیوار سقف و محراب کی وضع و ہیئت، نقش و نگار کے سوالات بہت بعد کے ہین، اصلاح کی حقیقی ضرورت نظام تعلیم کے ڈھانچہ مین نہین بلکہ اسکی رُوح مین ہے، اور جبوقت تک تعلیم کا مقصد طلب دنیا، حصول جاہ، اکتساب زر رہیگا، صحیح روح وجود مین آہی نہین سکتی، تعلیم کا حقیقی مقصد محض تزکیۂ نفس و حقیقت شناسی ہے، اسکے سوا اسکا کوئی اور مقصد قرار دینا، اُسکی اصلاح نہین، تخریب کی سعی کرنا ہے،

تعلیم کا یہ تخیل دنیا کے لئے بالکل انوکھا نہین، ہندوؤن کی کتب قدیمہ مین اسکی بکثرت تصریحات ملتی ہین، اور مسلمانون کا لٹریچر بھی اس سے خالی نہین، امام غزالی وغیرہ کی تصانیف سے قطع نظر کرکے جنمین فرائض معلّم و متعلّم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، مقصد تعلیم کی تشریح ان کتابون مین بھی ملتی ہے جو خالص تصوف پر لکھی گئی ہین، مولانا جامی کی مثنوی تحفۃ الاحرار تصوف کی ایک مشہور کتاب ہے، لیکن اسمین ایک مستقل مقالہ احوال علماء سے

متعلق ہے، جسکے ضمن مین مقصد تعلیم کو حیرت انگیز جامعیت کے ساتھ بیان کردیا ہے کہ اسکی غرض محض حقیقت جوئی ہونا چاہیئے، نہ کہ طلب دنیا؛ اور جو لوگ فلسفیانہ یا مذہبی حیثیت سے محض ظاہری اسباب و حوادث کے پھیر مین پڑے رہجاتے ہین، انکی سخت مذمت کی ہے، فرماتے ہین،

نورِ دل از سینۂ سینا مجوے　　　روشنی از چشم نابینا مجوے

اسکے آگے اسکی تصانیف اشارات، شفا، نجات، و قانون کا نام لیکر انکی ہجو کی ہے اور ساتھ ہی فقہ، عقائد و کلام کی کتابون کو بھی اسی دائرہ مین لپیٹ دیا ہے، مثلاً ہدایہ، نہایہ، مواقف، مقاصد وغیرہ، اسلئے کہ یہ کتابین اصل حقیقت تک پہنچانے مین حارج ہوتی ہین اور ذہن کو ظاہری و سطحی اسباب و علل کی زنجیرون مین الجھا دیتی ہین،

خاصیت علم سبب سوزی است　　　شیوۂ جاہل سبب آموزی است

جس علم سے تزکیۂ نفس نہو وہ علم لاحاصل ہے،

گر ز موانع دل تو صاف نیست　　　کشف موانع در کشاف نیست
ترک نفاق و کم تلبیس گیر　　　علم ز سرچشمۂ تقدیس گیر
علم چہ وا دت ز عمل سر مپیچ　　　دانش بیکار نیرزد بہیچ

سب سے بڑھکر یہ کہ معلم کو خدمت تعلیم کے لئے گرانقدر معاوضہ لینے کی قطعاً ممانعت ہے اور قناعت اسکا فرض اولین ہے،

چون دگران راشوی آموزگار　　　کم طلب آن را عوض از روزگار
علم بود جوہر و بانی سفال　　　آن چون حقیقت دگران چون خیال
بیع جواہر بہ سفالے کہ چہ　　　بذل حقائق بہ خیالے کہ چہ

اسی مقالہ مین ایک عالم کی حکایت درج ہے جو ایک بار کنوئین مین گر پڑے تھے، اور اسکے اندر سے صدائے استغاثت بلند کررہے تھے، اتفاق سے ادہر انکے ایک شاگرد کا گذر ہوا، اور اس نے ایک مصیبت زدہ کی آواز سن کر اُسے نکالنا چاہا، عالم نے راہ گیر سے کہا کہ پہلے اپنا نام و نشان بتادیجئے، شاگرد نے اپنا تعارف کرایا، استاد نے یہ سُن کر معاً اسکی مدد قبول کرنے سے انکار کردیا، کہ کہین یہ مدد، اُنکی بیغرضانہ خدمت تعلیم و تدریس کا معاوضہ نہوجاے اور اسکے مقابلہ مین کنوئین کے اندر پڑا رہنا قبول کیا۔

گفت کہ حاشا ازین چاہ پست   در زنم امروز بدستِ تو دست
منکہ پئےتعلیم میان بستہ ام   از قرض سود و زیان رستہ ام
کوششم از راہِ خداوند لیست   خاص پئے فضلِ خداوند لیست
کے بجزاے دگر آلائمش   در غرض آلودگی افزائمش
در تگِ این چاہ نشینم اسیر   تا شوم بیغرضے دستگیر

کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کے فاضل ارکان جو بیش قرار مشاہرون پر پرتکلف زندگی بسر کرتے رہے، اس قناعت و ایثار، بیغرضی و نفس فراموشی کے معنی سے بھی واقف ہین؟ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیون کے اساتذۂ فن کے ذہن مین کبھی اس طرز زندگی کا تصور پیدا ہوا ہے؟ غیر اغیار سے چندان گلہ نہین، دیکھنا یہ ہے کہ جامی و غزالی کے ہمقومون اور مسلم یونیورسٹی کے موید ین و مخالفین دونون جماعتون مین سے کتنے افراد تعلیم کے اس مفہوم پر ایمان لانے کو تیار ہین؟۔

دار المصنفین اپنی تکمیل مین اگرچہ ابھی تک بہت سی چیزون کا محتاج ہے، لیکن اسکی

حقیقی روح صرف ایک عظیم الشان کتبخانہ ہے جو افسوس ہے کہ ابتک نہایت ابتدائی حالت
مین ہے، مولانا شبلی مرحوم نے اپنا بہترین کتبخانہ جو اُنکے روحانی اولاد کا اصلی ترکہ ہوسکتا تھا
پہلے ہی ندوہ پر وقف کردیا تھا، اخیر مین جب انھون نے دارالمصنفین کو اعظم گڈھ مین قائم
کرنا چاہا تو اس طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ مبذول کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنکی زندگی ہی مین
چھ سات الماریان کتابین جمع ہو گیئن، اسکے بعد متعدد علم دوست احباب نے کچھ
کتابین نذر کین اور حسب ضرورت دارالمصنفین بھی اس سرمایہ مین اضافہ کرتا رہا، لیکن
باوجود ان تمام کوششون کے دریا مین ایک قطرہ سے زیادہ کا اضافہ نہو سکا، حال مین
مولانا سید سلیمان ندوی نے یورپ کا جو سفر کیا اسمین علاوہ مذہبی اور قومی خدمات کے
اُنھون نے دارالمصنفین کے اس مقصد کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا اور جہانتک امکان مین تھا
مطبوعات یورپ مین سے دارالمصنفین کے لئے بہترین کتابین خریدتے اور بھیجتے رہے،
اب دارالمصنفین مین مطبوعات یورپ کا ایک ایسا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو نہ صرف
مصنفین کے لئے کارآمد ہوگا بلکہ دارالمصنفین کے خصوصیات مین شمار کیا جائیگا، اسکے
علاوہ مولانائے موصوف نے یورپ کے کتب فروشون سے مستقل علمی تعلقات قائم کرلئے
ہین، اسلئے جسقدر نادر کتابین یورپ مین طبع ہوتی رہین گی اسکا ایک نسخہ دارالمصنفین مین
ضرور پہنچتا رہیگا، اور اسطرح دارالمصنفین کی یہ خصوصیت روزبروز اور بھی زیادہ نمایان ہوتی جائیگی،

مقالات

آیت استخلاف

جماعت انسانی کا کوئی اہم کام بغیر کسی خاص نظام کے نہین چل سکتا، وہ نظام جو تمام مسلمانان عالم کی جماعت کی تشکیل کرتا ہے، اور باوجود اختلاف قومیت، اختلاف زبان، اختلاف وطن، انکو باہدگر وابستہ اور مربوط کرتا ہے، وہ خلافت ہے، اسلام جغرافی تقسیمون مین، نسلی نوعیتون مین، مصنوعی زبانون مین، کالی اور گوری رنگتون مین منقسم نہین ہے، وہ تمام دنیا کے ان افراد کو جنہون نے اسکے اصول زندگی اور طریق عمل کو اختیار کر لیا ہے اخوت اور برادری کی ایک ہی سطح پر کھڑا کر دیتا ہے، اور اسی عالمگیر برادری کا مرکز وہ نقطہ ہے جسکو ہم مسلمان خلافت کہتے ہین،

مسئلہ کے صحیح پہلو کو سمجھنے کے لئے مسلمانون کے اساس دین و مذہب یعنی قرآن مجید کی صرف ایک آیت پر غور کرنا کافی ہے، چنانچہ ایک مختصر تمہید کے بعد اسی آیت پاک کی طرف ہم اپنے دوستون کو متوجہ کرتے ہین،

"خلافت" کے لغوی معنی "جانشینی" کے ہین، مسلمانون کا اعتقاد یہ ہے کہ "نوع انسانی" اس سطح خاکی پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے جانشین ہے، وہ تمام خیر و سعادت وہ تمام کمالات وحسنات جنکی وہ ذات اقدس منبع ہے، نوع انسانی کا فرض ہے کہ بحیثیت جانشینی کے اپنی محدود وسعت انسانی کے مطابق اپنے اندر اُنکے حصول کی کوشش کرے تاکہ وہ اس کمال مطلق اور حسن مطلق ہستی کی صحیح جانشین ہو سکے،

اسلام کی مقدس کتاب کا پہلا حصہ جس اصولی سبق سے شروع ہوتا ہے وہ بہی مسئلۂ خلافت انسانی ہے، حضرت آدم کا قصہ یہود و نصاری دونون مین مسلم ہے، لیکن اسلام مین اس قصہ کی تشریح ایک اصولی اعتقاد کی حیثیت رکہتی ہے، تخلیق آدم کی غرض وغایت عقاید اسلامی کے مطابق صرف یہ ہے کہ وہ خداوند عالم کا اس سطح خاک پر خلیفہ نامزد ہوا، قرآن مجید کے ابتدائی سورہ کی یہ آیت ہے،

اذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة، یاد کرو جب خدا نے فرشتون سے کہا کہ ہم زمین مین اپنا ایک خلیفہ بنانے والے ہین،

بالآخر یہ خلیفہ بنایا گیا اور آدم اسکا نام ہوا، یہی آدم جو خدا کی طرف سے خلیفہ تہا، اپنے فرزندون کے لئے پیشوا اور امام ہوا، یعنی وہ خالق کا خلیفہ اور مخلوق کا امام تہا، حضرت آدم کے بعد اپنے اپنے عہد اور زمانہ مین بہ ترتیب جو انبیاے عظام (صلی اللہ علیہم وسلم) اس دنیا مین تشریف لانے گئے، وہ خلفاے الٰہی اور ائمۂ انسانی تہے، ور قرآن پاک نے انکو اسی نام سے بار بار یاد کیا ہے،

حضرت ابراہیم جو اسلام مین ایک عظیم الشان پیغمبر تسلیم کئے گئے ہین، انکی نسبت قرآن مین خدا سے پاک کہتا ہے،

قال انی جاعلك للناس اماما (بقر) اے ابراہیم مین تم کو لوگون کا امام بنانیوالا ہون

حضرت داؤد جنکو مسلمان پیغمبر یقین کرتے ہین، قرآن انکو خلیفہ کہکر پکارتا ہے،

یٰداؤد انا جعلناك خلیفة فی الارض (ص) اے داؤد مین نے تمکو زمین مین اپنا خلیفہ بنایا

مسلمانون کے اعتقاد مین آخرین خلیفہ الٰہی اور امام انسانی پیغمبر عرب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہے، آپکی وفات کے بعد خلافت الٰہی کے بجاے خلافت نبوی کا سلسلہ

شروع ہوا، صحیح مسلم جو اسلام میں حدیث کی دوسری مستند ترین کتاب ہے، اس میں آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے عن ابی ھریرۃ عن النبی صلعم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وستکون خلفاء سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر علیہ رسول اللہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے، اسکے بعد یہ سلسلہ اسوقت سے آج تک بلا انقطاع قائم ہے، قرآن مجید کی وہ آیت پاک جو اس عمارت کی بنیاد ہے یہ ہے،

وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا، یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا، ومن کفر بعد ذلک فاولٓئک ھم الفاسقون، (نور)

خدا نے ان لوگون سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے (یعنی مسلمانون) سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انکو زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائیگا جس طرح انکو بنایا جو انسے پہلے تھے اور اُنکے اس دین کو جسکو وہ اُنکے لئے پسند کر چکا ہے قائم و مستحکم کریگا، اور خوف کے بعد انکو امن بخشیگا کہ وہ مجھے پوجیں اور میرا کسیکو شریک نہ بنائیں اور جو اسکے بعد بھی کافر ہونگے تو وہ بے شبہہ مجرم ہونگے۔

ان آیات پاک میں نہ صرف مسئلہ خلافت کا سرسری ذکر ہے بلکہ اسکی حقیقت اور اُسکے تمام شرائط و مصالح بھی بتا دیئے گئے ہیں، ان آیات پاک میں پانچ الفاظ ہیں جنکی تشریح ہمارے مقاصد کی گرہ کشائی کریگی،

(۱) استخلاف

(۲) الارض

(۳) تمکین دین

(۴) تبدیل امن من بعد الخوف،

(۵) عبادت الٰہی و عدم اشراک،

استخلاف استخلاف کے معنی عربی زبان میں خلیفہ بنانے اور حکمران بنانے کے ہیں، یعنی اس ایک لفظ کے لغوی معنی کے اندر مادی و روحانی، دنیاوی و دینی دونوں قسم کی سرداری و سیادت کے معنی داخل ہیں، علاوہ لغت کے ہم یہاں بطور نمونہ کے چند مستند مفسرین کی رائیں نقل کرتے ہیں، سب سے قدیم اور مستند مفسر امام ابن جریر طبری کی تفسیر یہ ہے۔

لیورثھم اللہ ارض المشرکین من العرب والعجم فیجعلھم ملوکھا وساستھا	اللہ تعالیٰ عرب و عجم کے غیر مسلموں سے لیکر مسلمانوں کو ان کا وارث بنائیگا کہ وہ انکے بادشاہ اور انکے منتظم کار ہونگے،
(ج ۱۸ ص ۱۰۹)	

علامہ بغوی کی مشہور تفسیر معالم میں ہے،

لیورثھم ارض الکفار من العرب والعجم فیجعلھم ملوکھا وساستھا وسکانھا،	خدا مسلمانوں کو کفار کی زمین کا وارث کریگا، انکو اسکا بادشاہ، منتظم اور باشندہ بنائیگا،

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں،

لیجعلنھم خلفاء متصرفین فی الارض تصرف الملوک فی ممالکھم	خدا مسلمانوں کو خلیفہ بنائیگا، یہ زمین کا اسی طرح انتظام جسطرح بادشاہ اپنی سلطنت کا کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر جنکی تفسیر تمام تفسیروں میں مستند ترین تفسیر ہے، اسکی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں،

ھذا وعد من اللہ تعالیٰ لرسولہ صلعم بانہ سیجعل امتہ خلفاء الارض ای ائمۃ الناس	خدا کا پیغمبر سے وعدہ ہے کہ اسکے پیروؤں کو وہ حکمران، لوگوں کا امام و پیشوا اور اپنے امور کا

والولاۃ علیھم وبھم تصلح البلاد و | وہ دیر تک رہیگا، اور انہین سے ملکون کی حالت درست
وتخضعھم لھم العباد ، | ہوگی اور لوگ انکی اطاعت کرینگے،

ان تفسیرون کے علاوہ دیگر کتب تفسیر مین استخلاف کے یہی معنی لکھے ہین، اس آیۃ پر جیسا تمام مسلمان علماء اور ائمہ کا اتفاق ہے، یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ خلیفہ دینی و دنیاوی، مادی و روحانی دونون قوتون کا یکسان رئیس و سردار ہے، کوئی روحانی خلیفہ و امام اس وقت تک خلیفہ و امام نہین ہوسکتا جب تک وہ مادی و دنیاوی طاقت کسی نہ کسی طرح اپنے ہاتھ مین نہ رکھتا ہو،

الارض | دوسرا لفظ الارض کا ہے، ارض کے لغوی معنی مطلق زمین و ملک کے ہین، لیکن یہان ارض پر الف لام کسی خاص چیز کو بتاتا ہے اور وہ وہ سرزمین ہے جسکو مسلمان روز ازل سے مقدس جانتے ہین، اور جسکو توراۃ نے "زمین مقدس" کا خطاب دیا ہے اور جو ابراہیم کی اولاد کو بطور وراثت عطا کیگئی تھی، یہود اس مقدس زمین کو صرف فلسطین مین محدود سمجھتے ہین کہ وہ ان کا اصلی وطن تھا، لیکن اسلام اس احاطہ مین اس تمام سرزمین کو گھرا ہوا تسلیم کرتا ہے جو اب تک اولاد ابراہیم کی بیشمار تعداد سے آباد ہے اور جو ہمیشہ سے پیغمبرون کا مسکن رہا ہے، یعنی وہ سرزمین جسکو دجلہ و فرات، بحر شام، بحر احمر بحر ہند اور خلیج فارس چارون طرف سے محیط ہے، جسمین عراق و شام و عرب واقع ہین چونکہ یہ قطعۂ ارض چارون طرف سے پانیون سے گھرا ہوا ہے، اسلئے اسکو پیغمبر اسلام جزیرۃ العرب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ اس قطعۂ زمین کو ہمیشہ غیر دست اندازی سے محفوظ رکھا جائے، لیکن اسلام کی خالص زندگی ہمیشہ قائم رہے،

الغرض ارض خلافت کا قلب و دماغ یہی قطعۂ ارضی ہے، اور اسکی وسعت اطراف

ملک مین حالات کے مطابق گھٹتی اور بڑھتی رہی، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود تھی، خلیفہ اول کے عہد مین شام و عراق کے حدود تک پہنچ گئی، خلیفۂ ثانی نے اسکو ایک طرف مصر اور دوسری طرف ایران کی سرحد سے ملا دیا، خلیفۂ ثالث کے زمانہ مین ارض خلافت افریقہ اور ترکستان تک وسعت پذیر ہو گئی، خلیفۂ چہارم کے عہد خلافت مین مملکت اسلامی دو حصون مین منقسم ہو گئی، عرب و عراق و عجم حضرت علی کے قبضہ مین رہے، اور شام، مصر و افریقہ امیر معاویہ کے قبضہ مین چلے گئے، حضرت علی کی وفات کے بعد جب مسلمانون نے امیر معاویہ کو خلیفہ تسلیم کیا، اور اسکے بعد بنو امیہ کے آخری زمانہ تک یعنی سنہ ۱۳۲ھ تک ارض خلافت اسپین سے سندھ تک یورپ، ایشیا، افریقہ تینون براعظمون مین پھیلی رہی، بنو عباسیہ جب برسرخلافت ہوئے تو انکی حدود خلافت دوسری طرف مصر سے آگے افریقہ و یورپ تک نہ پھیل سکے

بغداد مین خلافت عباسیہ کی تباہی کے بعد مصر مین جب خلافت عباسیہ منتقل ہوئی تو اسکی وسعت ملکی صرف مصر و شام و عرب تک محدود رہ گئی، سنہ ۔۔۔ مین جب خاندان عثمانی مین خلافت منتقل ہوئی تو اسکی وسعت نے پھر یورپ و افریقہ و ایشیا تینون براعظمون کو گھیر لیا،

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگا کہ ارض مقدس ہر زمانہ مین خلافت کا اصلی جزو اور دیگر ممالک خلیفۂ وقت کے جاہ و فروغ و جاہ حکومت اور فوجی طاقت کے مطابق اسمین شامل رہے ہین، مگر بہرحال از روئے اصول کے اسکی وسعت ارضی ہر زمانہ مین اسقدر رہنی چاہئے کہ وہ اس زمانہ کی گرد و پیش کی غیر مسلم سلطنتون کے مقابلہ مین اپنی بقا و زندگی کی حفاظت کر سکے،

اس تشریح کے بعد لفظ الارض کے متعلق مستند مفسرین کی شہادتون کو سننا چاہئے،

علامۂ ابن کثیر جو از روے صحت روایت، مستندترین مفسر ہین انکا بیان ہے،

هذا وعد من الله تعالى لرسوله صلعم بانه سيجعل امته خلفاء الارض ... وقد فعله .. فانه صلعم لم يمت حتى فتح الله عليه مكة وخيبر والبحرين وسائر جزيرة العرب وارض اليمن بكمالها واخذ الجزية من مجوس هجر ومن بعض اطراف الشام وهاداه هرقل ملك الروم وصاحب مصر و اسكندريه وملوك عمان والنجاشي ملك الحبشة ،

خدا نے پیغمبر صلعم سے یہ ایک وعدہ کیا تھا کہ وہ انکے پیرووُن کو زمین مین خلیفہ بنائیگا، خدا نے یہ وعدہ پورا کیا، چنانچہ آپنے اسوقت تک وفات نہین پائی جب تک مکہ، خیبر، اور تمام عرب اور یمن آپکی ماتحتی مین نہ آگیا، اور ہجر (بحرین) کے مجوسیون سے اور شام کے چند مقامات سے جزیہ نہ لے لیا، اور قیصر روم اور مصر و اسکندریہ کے سلاطین اور عمان کے امرا اور نجاشی شاہ حبشہ نے آپکو ہدیہ دیا،

علامۂ زمخشری نے جو از روے ادب و زبان بہترین مفسر تسلیم کئے گئے ہین لکھتے ہین،

"خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور مسلمانون کو پہلے جزیرۃ العرب کا مالک بنایا اور اسکے بعد مشرقی و مغربی ممالک کو انھون نے فتح کیا"

غرائب القرآن مین جو قرآن کا مستند لغت ہے مذکور ہے،

چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا اور انکو جزیرۃ العرب کا مالک اور کسریٰ کی مملکت وخزانہ کا وارث بنایا،

ابن الاعرابی کا بیان ہے کہ

الارض کے معنی ملک عرب اور اسکے سوا اور ممالک بھی مراد ہین،

الغرض ان تمام تصریحات سے واضح ہوگا کہ خلافت کی ارض موعودہ کے اندر جزیرۃ العرب

تو بمنزلہ اصل کے ہے اور اسکے علاوہ دیگر ممالک بھی اسکے اندر داخل ہین،

تمکین دین | یہ لفظ جس آیت پاک مین واقع ہے وہ حسب ذیل ہے،

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ (اور خلافت دیکر) انکے اس دین کو جسکو اس نے انکے لئے پسند کیا ہی قوت و استحکام دیگا،

آیات استخلاف کے اس ٹکڑہ سے یہ واضح ہوگا کہ اس خلافت الٰہی کا مقصد یہ ہوکہ مسلمانون کا وہ دین جسکو خدا نے انکے لئے پسند کیا ہے یعنی اسلام اسکو دنیا مین قوت و استحکام بخشا جائے کہ ظالمون اور ستمگرون کی زبردستی کے حملون سے وہ دین اور اسکے ماننے والے ہمیشہ محفوظ رہین، اور بخت نصر، ہیرو، اور چنگیز کے ظہور ثانی کا اسلام کو خطرہ نہ ہے،

مفسرین کی رائین اسکے متعلق آگے آتی ہین،

تبدیل امن من بعد الخوف | اسلام جب عرب مین ظہور پذیر ہوا، تو دعوت حق کے جواب مین اسکو ہرطرف سے تیغ و خنجر اور تیر و تبر کے زخم کھانے پڑے، ۱۳ برس کی مدت انہین ظلم و ستم کی پُردرد داستانون سے مملو ہے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو خلافت الٰہی کی بنیاد ڈالنے کا حکم عنایت فرمایا، اور اسکا مقصد یہ قرار دیا کہ دنیا مین اسلام کے لئے امن و سلامتی قائم ہو، اس بنا پر اس آیت استخلاف کے ان الفاظ سے

وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا اور (اس خلافت کے ذریعہ سے) مسلمانون کے خوف کو امن سے بدلدیگا،

یہ واضح ہوتا ہے کہ خلافت کے وجود کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسکی قوت کے زیر سایہ مسلمان امن و سلامتی کے ساتھ رہ سکین، اس تفسیر کی تائید مین حسب ذیل بیان نقل کرتا ہون جو

تمام مفسرین کی متحدہ عبارت ہے،

اس سے یہ مقصود ہے کہ اسلام کی بنیاد مضبوط و مستحکم ہو، مسلمان مدینہ مین مجبور رکھے گئے تھے کہ وہ ہمیشہ اپنی حفاظت کے لئے مسلح رہین، وہ آخر اس طرز زندگی سے تنگ آگئے اور پیغمبر سے آکر ملتجی ہوئے تو خدا نے وعدہ کیا کہ وہ انکو خلافت بخشیگا جس سے وہ امن و امان مین رہینگے،

ایشیا و یورپ و افریقہ کی گذشتہ و موجودہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ خطرہ اب بھی دنیا مین اسی طرح قائم ہے جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر تھا، اسپین، سسلی، کریٹ، مالٹا، ہرزیگونا، بوسینا، یونان، سرویا، بلگیریا، مقدونیہ، سمرنا، ارض، روم، آرمینیا، وغیرہ کے واقعات کیا محتاج بیان ہین،

عبادت الٰہی و عدم اشتراک | خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اس خلافت کا، اس استحکام دین کا، اس امن و امان کا مقصد کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ

یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا، مجھکو پوجین اور کسی کو میرا شریک نہ بنائین،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان ایک خاص پیغام الٰہی لیکر دنیا مین بھیجے گئے ہین، اُنکے خاص عقاید ہین، اُنکے خاص عبادات ہین، اُنکے خاص علوم و فنون ہین، اُن کا ایک خاص تمدن اور ایک خاص اصول زندگی ہے، خلافت کی مادّی طاقت کا اصول اسی مصلحت پر مبنی ہے، کہ مسلمان اپنی مخصوص روحانی زندگی اور مخصوص مادّی تمدن کو دنیا مین قائم اور باقی رکھہ سکین،

دنیا کی گذشتہ تاریخ جسطرح مظالم اور ستم آرائیون سے معمور رہی ہے، مستقبل تاریخ کے لئے کون ضمانت کرسکتا ہے وہ ایسی ہی یا اس سے بدتر نہو گی، اسی لئے دنیا کی وسیع

مملکت مین انسانون کی ایک خاص جماعت یعنی مسلمان اپنی بقا اور زندگی کے لئے عقیدۃً مجبور ہے کہ وہ دیگر برادران انسانی سے اپنے لئے ایک سایۂ امن کے طلبگار ہون، اور یہی خلافت ہے جو آغاز اسلام سے ابتک دنیائے اسلام مین قائم رہی ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ وہ آیندہ بھی قائم رہیگی، حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کے آخر مین لکھتے ہین،

فالصحابة رضی الله عنهم لما كانوا اقوم الناس بعد النبی صلعم باوامر الله عز وجل واطوعهم لله كان نصرهم بحسبهم واظهروا كلمة الله فی المشارق والمغارب ایدهم تایيدا عظيما وحكموا فی سائر العباد والبلاد ولما قصر الناس بعدهم فی بعض الاوامر نقص ظهورهم بحسبهم ولكن قد ثبت فی الصحيحين من غير وجه عن رسول الله صلعم انه قال لا تزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم الى يوم القيامة وفی رواية حتى ياتی امر الله وهم كذالك وفی رواية حتى يقاتلوا الدجال وفی رواية حتى ينزل عيسى ابن مريم وهم ظاهرون وكل هذه الروايات صحيحة ولا تعارض بينها

صحابہ کرام آنحضرت صلعم کے بعد احکام الٰہی کے سب سے زیادہ پیرو تھے، اسلئے نصرت الٰہی بقدر اطاعت الٰہی ہے اور انھون نے خدا کے کلمہ کو مشرق و مغرب مین غالب ونمایان کیا اور خدا نے انکی پوری تائید کی، انھون نے قومون اور ملکون پر حکومت کی، پھر جب لوگون نے صحابہ کے بعد بعض احکام الٰہی مین کمی کی، تو انکی ترقی بھی انکے عدم اطاعت کے بمقدار کم ہوگئی لیکن صحیحین مین بہ روایت متعدد الطرق ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت مین سے ایک نہ ایک گروہ قیامت تک حق پر غالب رہیگا اور اسکو کسی کا ترک نصرت اور خلاف نقصان نہین پہنچا سکیگی، ایک روایت مین ہے کہ اسوقت تک غالب رہیگا جب تک خدا کا حکم آجائے (یعنی قیامت) اور اسوقت تک وہ اسی طرح غالب رہیگا، دوسری روایت مین ہے کہ جب تک دجال سے وہ قتال نہ کرینگے ایک اور روایت مین ہے کہ جبتک عیسی بن مریم نازل ہون وہ غالب رہینگے، یہ تمام روایتین صحیح ہین اور ان مین باہم کوئی تعارض نہین۔

ایک غلطی کا اعتراف

شاہ ولی اللہ اشتیاق دہلوی

اردو شعراء کے پرانے تذکروں میں ایک شاعر شاہ ولی اللہ نام، اشتیاق تخلص دہلوی مسکن کا ذکر ہے، اور سب لوگ جانتے ہیں کہ اس خاک پاک دہلی میں شاہ ولی اللہ نام وہ یگانۂ عصر پیدا ہوا تھا جس نے ہندوستان میں اسلام کے کالبد خاکی میں زندگی کی نئی روح پھونکی تھی، جسکی تصنیفات و خیالات نے ہندوستان میں تجدید ملت کا سب سے پہلا پتھر نصب کیا، حجۃ اللہ البالغہ انکی متروکات علمی میں سب سے زیادہ مشہور رہے، نیز ازالۃ الخفاء عن تاریخ الخلفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین انکی متداول تصنیفات ہیں، علم تفسیر و حدیث میں یہ اپنے عہد کے امام تھے، قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا، جو عام طور سے بازاروں میں ملتا ہے خود مجددی طریقہ میں بیعت تھے، اور اسی طریقہ مجددیہ کے مرشد بھی تھے اور حضرت احمد مجدد الف ثانی کے خاندان سے انکے قریب کے تعلقات تھے، شاہ عبدالعزیز اس نامور باپ کے فرزند ارجمند تھے،

اردو تذکرہ نویسوں میں علی ابراہیم خان ایک بزرگ ہیں، جنھوں نے گلزار ابراہیم کے نام سے اردو شعراء کا فارسی زبان میں ایک تذکرہ ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۳ء میں تالیف کیا سولہ سترہ برس کے بعد ۱۸۰۱ھ میں مرزا علی تخلص بہ لطف نے اس تذکرہ کو مع حذف و اضافہ گلشن ہند کے نام سے اردو زبان میں منتقل کیا، ۱۸۰۱ء میں ایک صدی سے بھی زیادہ مدت کے بعد حیدرآباد دکن سے یہ تذکرہ چھپکر شائع ہوا، مولانا شبلی مرحوم نے

اس کتاب پر کچھ حواشی لکھے، جنمین مطالب کتاب کی تصحیح وتشریح کی ہے اور مولوی عبدالحق صاحب موجودہ ناظم انجمن ترقی اردو نے اُسپر مقدمہ لکھا جسمین ایک حد تک کتاب مذکور پر تنقید وتبصرہ کا فرض انجام دیا، غرض یہ کتاب بڑی دہوم دہام سے چھپی شایع ہوئی اور ارباب علم کے ہاتھون مین آئی،

اس تذکرہ کے صفحہ ۳۳ مین شاہ ولی اللہ تخلص بہ اشتیاق کا تذکرہ ان الفاظ مین مرقوم ہے۔

"اشتیاق تخلص، شاہ ولی اللہ نام، متوطن سرہند کے، اس رونق بخش دین احمدی کا سلسلۂ ارادت شیخ احمد کو کہ مجدد الف ثانی جنکا لقب تھا پہنچتا ہے، علی ابراہیم خان مرحوم (اصل تذکرہ نویس صاحب گلزار ابراہیم) نے شاہ محمد گل کو جد انکا لکھا ہے، لیکن راقم حقیر کے گوش زد یہ مضمون نہین ہوا، فی الحقیقت مرتبہ علم کا اس عالیجناب کے نہایت بلند تھا، خصوص علم حدیث وتفسیر مین بڑی دستگاہ رکھتے تھے، یہانتک کہ اسم گرامی اس برگزیدۂ روزگار کا زبان خلائق پر آج کے دن تک شاہ ولی اللہ محدث کرکے جاری ہے، اکثر کتابین تصنیف اس بحر علم کی مشہور ہین، چنانچہ دو نسخے کہ ایک کا نام قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسنین ہے، اور دوسرے کا نام جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ کہتے ہین، تصنیفات سے اس محی الدین کی یادگار صفحۂ روزگار ہین، والد ماجد ہین، یہ اس رونق بخش کشور قناعت کے کہ جسکا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے آج کے دن تک قدم توکل گاڑے ہوئے شاہجہان آباد (دلی) مین بیٹھے ہین۔ . . .

الغرض وہ جامع جمیع علوم یعنی شاہ ولی اللہ مرحوم عین حیات مین اپنے کوٹلہ مین فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے، اوقات شریف کو بطور درویشان اہل معنی کے

بسر کرتے تھے، اشعار فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمتر ہوتا تھا اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر"
یہ تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب کے تھوڑے ہی دنون کے بعد لکھا گیا ہی، انکے صاحبزادے شاہ عبد العزیز صاحب دلی مین اسوقت تک زندہ تھے، اسلئے اس تذکرہ کو استناد کی حیثیت حاصل تھی، جن الفاظ مین شاہ صاحب کے اس نے حالات لکھے ہین، وہ چند مشتبہ امور کے علاوہ تمامتر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصنف حجۃ اللہ البالغہ پر صادق آتے ہین ان مشتبہ امور کی نسبت ارباب نقد کی نگاہ کے سامنے دو راہین تھین، ایک یہ کہ سرے سے شاہ ولی اللہ اشتیاق، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث و مصنف حجۃ اللہ البالغہ نہین ہین اور مصنف نے غلطی سے اسکو ایسا سمجھا ہے، لیکن قرب زمانہ کی وجہ سے اسکو جو استناد حاصل تھا اس بنا پر یہ راہ اختیار نہین کیگئی بلکہ دوسری راہ اختیار کیگئی اور وہ یہ ہے کہ یہ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے اور انہین کا تخلص اشتیاق تھا اور جن بعض تصنیفات کے غلط نام جو انکی اصل تصنیفات کے نامون سے ملتے جلتے ہین مصنف نے لکھے ہین وہ صحیح نہین ہین، چنانچہ مولانا شبلی مرحوم نے اس تذکرہ پر جنوری ۱۹۰۴ء مین جو دیباچہ لکھا تھا جسکا قلمی نسخہ دار المصنفین مین انکے ہاتھ کا لکھا موجود ہے اور جو گلشن ہند کے ساتھ اپنی اصلی صورت مین شایع نہین ہوا ہے، اسمین مولانا مرحوم نے اس بحث کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے،

> شاہ ولی اللہ صاحب محدث متخلص بہ اشتیاق کے حال مین لکھا ہے کہ کوٹلہ مین فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے، اوقات شریف بطور درویشان اہل معنی کے بسر کرتے تھے، اشعار فارسی فرمانے کا کمتر اتفاق ہوتا تھا، اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر"

پھر اس عبارت پر حاشیہ دیکر مولانا مرحوم لکھتے ہین،

" مصنف نے شاہ صاحب کے متعلق بعض غلطیاں بھی کی ہیں، مثلاً اُنکی کتاب کا نام قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسنین لکھا ہے، حالانکہ نام کا دوسرا حصہ غلط ہے، ایک اور کتاب کا نام مناقب معاویہ بتایا ہے، حالانکہ اُنکی کوئی تصنیف معاویہ کے فضائل میں نہیں، مصنف شیعہ تھا"

گلشن ہند کے مطبوعہ نسخہ مین اس مقام پر مولانا مرحوم کا حسب ذیل حاشیہ چھپا ہے؛

" دونون نام (کتاب کے) غلط ہین، پہلی کتاب تفضیل شیخین مین ہے، شہادت امام حسین کے ابطال سے خدانخواستہ اُسکو کوئی تعلق نہین، دوسری کتاب تو بالکل فرضی ہے، معاویہ کے مناقب مین اُنکی کوئی کتاب نہین"

خمخانۂ جاوید کے مصنف نے بھی اسکی تقلید کی،

اگست ۱۹۱۷ء کے معارف مین مین نے "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ایک شاعر کی حیثیت سے" ایک مضمون لکھا جسمین انکے عربی و فارسی اشعار کا تذکرہ کیا اور تمہید مین یہ لکھا؛

تاہم یہ کسی کو خیال بھی نہین ہو سکتا تھا کہ حجۃ اللہ البالغہ کا مصنف ایک اُردو یا فارسی کا شاعر بھی ہو سکتا ہے، ارباب معرفت اپنی خلوت راز مین جسکو شیخ العصر کہتے ہین، علماء اپنے حلقۂ درس مین جسکو امام الہند سے مخاطب کرتے ہین کوئی کہہ سکتا تھا کہ بزم شاعری مین حضرت اشتیاق اُن کا خطاب ہے، مرزا علی لطف کے تذکرۂ گلشن ہند نے سب سے پہلے اس راز کو فاش کیا"

مین اسی خیال پر قائم تھا کہ اتفاق سے ایک دن میر قدرت اللہ قدرت کی کتاب طبقات الشعراء مین شاہ ولی اللہ اشتیاق کا تذکرہ میری نظر سے گذرا جسکی عبارت یہ ہے

"حقائق ومعارف آگاہ، شاہ ولی اللہ، سرہندی، اشتیاق تخلص، نبیرۂ محمد گل از اولاد شیخ احمد سرہندی در کوٹلۂ فیروز شاہ سکونت داشت، درویش دلریش متوکل گاہے فکر ریختہ میکرد"

اس عبارت کے پڑھنے کے ساتھ مرزا لطف کی تحریر بے لطف معلوم ہونے لگی، اور دل مین کاوش پیدا ہوئی، کوئی دوسرا تذکرہ دار المصنفین مین موجود نہ تھا اسلئے خیال تھا کہ کبھی لکھنؤ جانیکا اتفاق ہو تو وہان مزید تحقیق کیجائے، چنانچہ اسی اثنار مین لکھنؤ جانیکا اتفاق ہوا اور جناب مولانا سید عبدالحئی صاحب سے ملاقات کی اور سلسلۂ سخن مین اپنا شک واشتباہ اُنکے سامنے پیش کیا، مولانا موصوف نے جو تاریخ ہند کے مسلم الثبوت استاد ہین، میرے شبہہ کی تقویت کی اور یہ یقین دلایا کہ شاہ ولی اللہ اشتیاق اور حضرت شاہ ولی اللہ مصنف حجۃ اللہ البالغہ دو شخص ہین،

اب مین نے یہ پختہ ارادہ کیا کہ اس غلطی کے پردہ کو چاک کرون کہ اس اثنا مین میرا رکن وفد خلافت کی حیثیت سے یورپ جانا ہوا، وہان بھی رہ رہ کر مجھے اس ازالۂ خطا کا خیال بار بار آتا رہا، لیکن سفر کی حیلہ جوئی نے طبیعت کو آمادہ نہ کیا، ۱۰- اکتوبر کو جب مین سفر سے اعظم گڈھ پہنچا تو جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کا ایک والا نامہ موسومہ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نظر سے گذرا جسمین انھون نے لکھا تھا کہ شعر الہند لکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ اشتیاق اور حضرت شاہ ولی اللہ مصنف حجۃ اللہ البالغہ مین تفریق کیجئے، اس خط کو پڑھکر مجھے خیال ہوا کہ سب سے پہلی فرصت مین اس مسئلہ کو صاف کر دینا چاہئے اسی فکر مین تھا کہ کل ۱۲- اکتوبر کو مولانا شروانی کا بھیجا ہوا ایک رسالہ پہنچا جسمین جناب احسن مارہروی کا ایک مضمون اس مسئلہ پر نظر آیا اور یہ دیکھکر ایک طرف گو حیرت ہوئی کہ میری

اولیت کی فضیلت جناب احسن نے چھین لی، لیکن دوسری طرف نہایت خوشی ہوئی کہ . . . . . . موصوف نے نہایت سنجیدگی، متانت اور سلیقہ سے اس مسئلہ کو بخوبی طے کردیا ہے، اور اسمین گلشن ہند، مولانا شبلی اور میرے مضمون شائع شدہ معارف کی تصحیح کردی ہے، دیباچہ مین وہ لکھتے ہین کہ آنکہ اس غلطی کا علم مولانا حالی مرحوم کی تقریظ تھا نہ جاوید سے ہوا جسمین مولانا نے مصنف کی اس غلطی کی تصحیح کی ہے،

بہرحال آج جبکہ مین ان سطور کو لکھ رہا تھا مولانا شروانی کا ایک دوسرا گرامی نامہ شرف صدور لایا جسمین وہ تحریر فرماتے ہین،

"میر حسن دہلوی کا تذکرہ میرے سامنے ہے اسمین لکھا ہے . شاہ ولی اللہ درویشے بود بکمال خوبی واخلاق، التخلص بہ اشتیاق، از اولاد مجدد الف ثانی نبیرۂ شاہ محمد گل مولد او سرہند . . . . "

شاہ محمد گل کا اصلی نام شیخ عبداللہ ہے، تخلص وحدت ہے، وہ صاحبزادے ہین حضرت خازن رحمت محمد سعید صاحب کے جو صاحبزادے تھے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے (یہ نسب نامہ رسالہ شہرۂ آفاق مولفہ سید نورالحسن خان سے ماخوذ ہے)

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحب نہ تھے، میر حسن نے محدثیت وغیرہ کی جانب مثل صاحب گلشن ہند اشارہ بھی نہین کیا، میرے خیال مین اس مضمون کے بعد کسی اور مضمون کی حاجت نہین، البتہ مولوی سید سلیمان صاحب پسند فرمائین تو ایک نوٹ کے ذریعہ سے معاملہ کو صاف کردین "

یہ میرے عمل اور مولانا کے خیال مین عجیب توارد ہوا،

مصریون کی مذہبی حالت

(۳)

از مولوی عبدالرزاق ندوی

(دیگر خرافات)

قبر پرستی کی طرح اور بھی بے شمار خرافات ہین جنکا شکار مصری ہو رہے ہین، صرف عورتین اور جاہل عوام الناس ہی نہین بلکہ بہت سے تعلیم یافتہ اور وہ حضرات بھی جو اپنے کو انتہائی فخر ومباہات سے نا نہان رجال ہین شمار کرتے ہین، ذیل مین بعض اوہام وخرافات نمونۃً حوالہ قلم کئے جاتے ہین،

(۱) ابرو کا پھڑکنا خوش نصیبی کی علامت ہے،

(۲) راستہ مین جنازہ کا، یک چشم کا یا احول (ڈھیری آنکھ والا) کا ملجانا شگون بد ہے،

(۳) یکشنبہ کو سفر کرنا نحوست ہے،

(۴) چہارشنبہ کو دودھ استعمال کرنا یا اسے مچھلی کے ساتھ کھانا شدید امراض کا باعث ہے،

(۵) شب مین بلی کو نہ مارنا چاہیئے، کیونکہ اکثر بلیون مین ملائکہ کی روح حلول کرجاتی ہے جو چشم زدن مین انسان کو خاک سیاہ کرسکتی ہے،

(٦) ہر بچہ کے ساتھ اسکی ایک جن بہن بھی ہوتی ہے، چنانچہ جب کوئی بچہ زمین پر گر پڑتا ہے تو اٹھانے کے قبل ماں اسکا نام لیتی، بسم اللہ کہتی اور پھر اسکی جن بہن کا نام لیکر بسم اللہ کہتی اور بچہ کو اٹھا لیتی ہے، کیونکہ اسکے گر پڑنے سے اسکا گرنا بھی لازم ہے، اور اگر اسکو بھی بسم اللہ

پھینکر اور نام لیکر نہ اُٹھایا جائیگا تو وہ اُسے مار ڈالیگی،

(۷) محرم کی دسوین شب کو آسمان سے اشرفیون سے لدا ہوا گدہا اُترا کرتا ہے، اور کسی خوش نصیب لڑکے کو مل جاتا ہے، چنانچہ والدین بچوں کو اس رات مین شب بیداری کرانی ہین کر دست بدعا رہین کہ یہ گدہا اُنکے گھر مین اُتر آے،

(۸) سورج گرہن مین بچون کو تاکید کیجاتی ہے کہ خوب شور وغل کیا کرین، اور پیپے بجائین تاکہ آفتاب پھر نکل آئے، کیونکہ انکے نزدیک اسکی یہ کیفیت اسوقت ہوتی ہے جب فرشتے اُسے کھینچ کر سمندر مین ڈالدیتے ہین، اور مچھلی اُسے منھ مین لیکر نگلنا چاہتی ہے، لڑکون کے شور وغل سے وہ گھبرا کر اُسے پھر اُگل دیتی ہے،

(۹) ہر ماہ کے آخری چہارشنبہ کو کپڑے دہونا، یا جمعہ کو ان کا سینا منحوس ہے،

(۱۰) ہر گھر مین اُسکی حفاظت کے لئے ایک سانپ مقرر ہوتا ہے جسے "عامر البیت" (مکان کا آباد کرنیوالا) کہتے ہین، چنانچہ جب وہ نکلے تو اُسے مارنا نہین چاہیئے، کیونکہ سید رفاعی ناراض ہوجاتے ہین، بلکہ اسے بحفاظت تمام گرفتار کرکے "سید" کے پاس روانہ کردینا چاہیئے، چنانچہ اسکے پکڑنے کے لئے وہ لوگ تلاش کئے جاتے ہین، جنکا یہی پیشہ ہے اور جو راستون مین یا "رفاعی مدد" یا "رفاعی مدد" چلاتے پھرتے ہین، یہ کافی مزدوری لیکر سانپ کو پکڑتے اور انہین مقام مقصود تک پہنچا دیتے ہین، ان لوگون کو "الحداۃ" کہتے ہین،

(۱۱) جب بچہ بیماری کی حالت مین ناک کہجانے لگتا ہے، تو یقین کرلیا جاتا ہے کہ اُسکے دماغ مین کیڑے پڑ گئے ہین، چنانچہ انکے نکالنے کے لئے منتر پڑہنے والون کو بلایا جاتا ہے جو بازارون مین "یا فرج" کی صدائین لگاتے پھرتے ہین، یہ آتے ہین اور بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہین، جس سے اسکی ناک اور منھ سے چند کیڑے زمین پر آگرتے ہین، جنہین انکے

منتر کی تاثیر پر محمول کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ مکار کیڑون کو مٹھی یا آستین مین چھپائے رہتے ہین، اور سر سہلانے وقت اس صفائی سے گراتے ہین کہ بادی النظر مین وہ ناک سے گرتے ہوئے معلوم ہوتے ہین،

(۱۲) جب بچہ کالی کھانسی، یا ہچکی کے مرض مین مبتلا ہو جاتا ہے تو بجائے علاج معالجہ کے اُسے کسی آبائی قصاب کے پاس لیجاتے ہین جو اسکے گلے پر اُلٹی چھری پھیر دیتا ہے، اُنکا خیال ہے کہ اس طرح بچہ شفایاب ہو جاتا ہے، اسی طرح جب بچہ لال بخار، تنفس یا چیچک مین مبتلا ہوتا ہے تو اسے مسلسل تین ہفتہ تک "اولاد عنان" کے مزار پر لیجاتے ہین، جہان مجاور اُسے ایک تنگ وتاریک کمرہ مین داخل کرنے اور انعام لینے کیلئے بآواز بلند یہ کلمات پڑھکر اسپر دم کرتا ہے کہ" یا برکۃ الطاق وما فیہا، تشافیہ وتعافیہ! ان کانت نفس تمنعوھا، وان کانت کافیۃ تزعجوھا، وأن کانت مشاھرۃ فکوھا! یا عنانیۃ تشفعوا لہ بالشفاء والعافیۃ تحفظ بدلک یا! تومراھات العافیہ فی کمک اجری کلمہ ماش!" (ترجمہ) اے برکت طاق کی اور جو کچھ اسمین ہے اسے بھلا چنگا کردے، اگر انسانی روح ہے تو اسے منع کردے، اگر بھوت ہے تو اسے دور کردے، اگر بلا ہے تو اسے نکالدے، اے عنانیہ، اسکی صحت وتندرستی کی سفارش کر، اے ... (بچہ کا نام لیکر) آہ، تندرستی کو اپنی آستین مین لا، اور دوڑا اپنی مان سے باتین کر۔

اس مزار مین ایک کنوان بھی ہے جسکے متعلق عام اعتقاد یہ ہے کہ اسمین ایک ولیہ "ست سکرہ" (شکر کی بیوی) رہتی ہین جنکے لئے اسمین شکر چھوڑی جاتی ہے،

(۱۳) بچہ کا نام سینچر کے دن رکھا جاتا ہے، جسکا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ تین شمعین جلائی جاتی ہین، اور ان مین سے ہر ایک کا علٰحدہ علٰحدہ نام رکھدیا جاتا ہے، ان مین سے جو شمع سب سے آخر تک جلتی رہتی ہے، اسی کا نام بچہ کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، یہ شمع بہت سے

چھلنی اور بندق کے دانون کے ساتھ چھلنی مین ڈال کر پھینکی جاتی ہے، ان کا خیال ہے کہ اس طرح بچہ کی عمر دراز ہو جاتی ہے،

(۱۴) "مزیرۃ" ایک چڑیل ہے جسکے جسم پر سو بال اور کیلین ہوتی ہین، یہ رات کو خوبصورت عورت کے بھیس مین بن سنور کر نکلا کرتی ہے اور جو شخص اُسکی جانب ملتفت ہو جاتا ہے۔ اسے پٹ کر غائب کر لیجاتی ہے، (مگر حیرت ہے کہ اس عقیدہ کے باوجود بھی کمبخت فسق و فجور سے باز نہین آتے)

(۱۵) "مارد" ایک بھوت ہے جو شب مین ظاہر ہوتا اور آدمی کو تنہا پاکر اُسکے گرد ایک دیوار بنا کر اسے مقید کر دیتا ہے،

(۱۶) اسی طرح اور بہت سے آسیب مثل "سمادی" اور "مغربی" وغیرہ ہین جو کبھی گدہے وغیرہ کی شکل مین نمودار ہوتے ہین، جو اس گدہے پر سوار ہو جاتا ہے وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور کبھی سیاہ کتے یا بلی کی صورت مین آتے ہین کہ جسکی آنکھین کٹورہ کی طرح بڑی بڑی اور انگارے برساتی ہین،

(۱۷) "زار" عورتون کا مخصوص آسیب ہے جو وقتاً فوقتاً اُن پر آتا اور انھین پریشان کرتا رہتا ہے۔ جب اسکا سایہ کسی عورت پر پڑ جاتا ہے تو وہ دنیا کے تمام کامون سے بیکار ہو کر ہر ایک سے الجھتی، اور گھر مین قیامت برپا کر دیتی ہے، چنانچہ آسیب اتارنی والی عورتین بلائی جاتی ہین جو عورت کو خوب بنا چنا کر اپنے مکان لیجاتی یا اسی کے ہان کسی تنہا کمرہ مین اُسے بٹھا دیتی ہین اور اسکے سامنے خوشبو سلگا کر ڈھول بجانا اور کچھ گانا شروع کرتی ہین جس سے وہ مست ہو کر رقص کرنے لگتی، اور بسا اوقات بالکل برہنہ ہو جاتی ہے، چنانچہ مین نے خود ایک عورت کو از سرتا پا برہنہ ناچتے ہوئے دیکھا تھا، مصری اس زار سے بہت خوف زدہ

رہتے ہین کیونکہ جہان ایک مرتبہ اسکا پرچھاوان عورت پر پڑگیا وہ شوہر کے ہاتھ سے گویا نکل گئی، واقعہ یہ ہے کہ یہ آسیب خود عورت کے نفس کا آسیب ہوتا ہے، جو اسپر اپنے اصلی شوہر سے نفرت کرنے اور کسی دوسرے سے محبت کرنیکی وجہ سے سوار ہوجایا کرتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا عورتون کے ذریعہ سے اپنے دلبر تک باسانی پہنچ جایا کرتی ہے،

(۱۸) ان بہولون اور دیگر ارضی وسماوی بلاؤن سے محفوظ رہنے کے لئے طرح طرح کے گنڈے اور تعویذ استعمال کئے جاتے ہین، اور قسم قسم کی دعائین پڑہی جاتی ہین، یا گلاب اور زعفران سے کسی برتن پر لکھدیجاتی ہین، جنہین پانی پیا جاتا ہے، چنانچہ بعد نماز فجر یہ دعا پڑہی جاتی ہے "یاکشهشطلیوش، یاکتهشطلیوش! أقمنی وأقم صورتی وذاتی ووجهی عندك وعند خلقك! آمین یا ارحم الراحمین!"

اسی طرح چیونٹیون کے دور کرنیکے لئے یہ دعا سبز پتون پر لکھی جاتی ہے، "أطلع الدب فنظر، والعیوب فستر، والذنوب فغفر، ارحل ایها النمل کما رحلت الرحمة عن شیوخ القری الذین یاعو الجفن باللقم ایا غنیج منیج نمرا"

(۱۹) جس اونٹ کے منہ سے کف بہت خارج ہوتا ہے، اُسے بھی ولی سمجھتے اور اسکی بڑی آوبھگت کرتے ہین،

(۲۰) محل مصری کا شمار بھی اولیاے کرام کے زمرہ مین ہے،

(۲۱) بڑے بڑے قدیم درختون کی "ولایت" کے بڑی عزت ہوتی ہے، انکا عرس کیا جاتا ہے، اور نام کے بجاے اُنہین تعظیماً "سیدی اربعین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ "جامع حنفی" مین اس قسم کا ایک درخت موجود ہے جسے "شیخہ خضرۃ" (سبز بڑہی بی) کہتے ہین، اسکی ازحد تعظیم وتکریم ہوتی ہے اور زائر دور دور سے آتے اور اسکے تنہ مین اپنی نشانیان کپڑون کے ذریعہ سے لٹکا دیتے ہین کہ "شیخۃ خضرۃ" انہین یاد رکہین اور آڑے وقت مین کام آئین،

(۲۲) اسی مسجد میں ایک کنواں بھی ہے، جسے اس خیال سے بہت متبرک سمجھا جاتا ہے کہ اسکا سوت "چاہ زمزم" سے متصل ہے، چنانچہ مشہور ہے کہ کسی مصری حاجی کا کٹورہ چاہ زمزم میں گر گیا تھا جو مصر واپس ہونے پر اس کنوین سے اسے دستیاب ہوا،

(۲۳) قاہرہ میں ایک مشہور و معروف پھاٹک ہے جسے "باب المتولی" کہتے ہین، اس کی زیارت کو ہزارہا مرد اور عورتین روزانہ آتین، منتین مانتین اور چلتے وقت یادہانی کیلئے اسکی کیلون اور کانڈون مین کپڑون کی چٹین یا بالون کی لٹین آویزان کرتی جاتی ہین،

(۲۴) قاہرہ کے قلعہ مین ایک عظیم الشان کنواں ہے جو اس اعتقاد کی بنا پر مرجع خلائق ہو رہا ہے کہ اسمین حضرت یوسف قید کئے گئے تھے، چنانچہ روزانہ پچاسون عورتین اولاد طلب کرنیکے لئے اسکی تہ تک جاتی ہین جنمین سے اکثر کی مراد پوری بھی ہو جاتی ہے حضرت یوسف کی برکت سے نہین بلکہ نفس انسانی کی خباثت کی بدولت جو اس تیرہ و تاریک مقام مین خوب گل کھیلتی ہے، نعوذ باللہ من الخبث و الخبائث،

قطع نظر تمام باتون کے اگر تاریخ کے آئینہ مین دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس کنوین کا حضرت یوسف سے کوئی تعلق نہین، کیونکہ قاہرہ تو ایک ہزار سال سے آباد ہوا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ مین وہان پر کسی آبادی ہونیکا قطعاً پتہ نہین چلتا، اسوقت تو مصر کا پایۂ تخت "منقس" تھا جو قاہرہ سے بہت دور دریاے نیل کے دوسری جانب واقع تھا، اس کنوین کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے قلعہ مین پہاڑ تراش کر اس غرض سے بنایا تھا کہ بوقت ضرورت اسمین پانی جمع کیا جا سکے، چنانچہ ابتک وہ دیواریں موجود ہین جنکے اوپر کی نالیون مین سے نیل کا پانی اس کنوین تک پہنچا کرتا تھا لیکن بُرا ہو جہالت کا جو انسان کو اندھا بہرا اور گونگا کر دیتی ہے،

ان خرافات اور مشرکانہ خیالات کے علاوہ "عملیات اور کیمیا" کے خبط مین ہندوستانیون کی طرح مصری بھی مبتلا ہین، چنانچہ نہین معلوم کتنے گھرانون کو اس منحوس کیمیا نے نان شبینہ کو محتاج کر دیا، نجوم اور رمل کا بھی بڑا چرچا ہے اور ہندوستان سے کہین زیادہ ہی چنانچہ سڑکون پر صدہا مرد اور عورتین سرخ ریت اور تاش کے پتے لئے بیٹھی رہتی ہین، جنکے گرد مرد و زن کا مجمع اپنی پھوٹی ہوئی قسمتون کا حال دریافت کرتا ہوتا ہے، ان بدبختون سے نجومیون کو بڑی آمدنی ہوتی ہے، چنانچہ ایک پنجابی نجومی اسمعیل نامی کا بازار خوب چمکا ہوا ہے، بڑے بڑے لوگ اسکی طرف رجوع کرتے اور دل کھول کر اُسے روپیہ دیتے ہین،

داڑھی، مصریون کی مذہبی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے داڑھی کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ کہنا ضرور ہے کیونکہ ہندوستان مین اُسے غیر معمولی اہمیت دیجاتی ہے جو ایک حد تک بجا بھی ہے، ہندوستانی مسلمان یہ معلوم کرکے سخت متعجب ہونگے کہ جس داڑھی کو وہ اسلام کی علامت سمجھتے ہین اسے مصری یہودیت کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہین، مصر مین بہت کم لوگ داڑھی رکھتے ہین، کیونکہ وہ جسکے چہرہ پر ہوتی ہے اُسپر یہودیت کا شبہہ کیا جاتا ہے، چنانچہ خود مجھپر اس قسم کا ایک حادثہ گذر چکا ہے، اول اول جب مین مصر پہنچا تو اسوقت اگرچہ کم سنی کی وجہ سے میری داڑھی محض برائے نام تھی مگر جو کچھ تھی وہ بلا کم و کاست چہرہ پر موجود تھی، ایک روز مین مسجد مین بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ ایک مصری نے حیرت کے ساتھ مجھے دیکھکر سوال کیا کہ کیا تم مسلمان ہو؟" مین نے درشت لہجہ مین جواب دیا کہ کیا مصر مین کافر بھی نماز پڑھنے مسجد مین آتے ہین، اسپر وہ شرمندہ ہوکر معذرت کرنے لگا، کہ مجھے کچھ اور شبہہ ہوا تھا، مین نے کہا کہ "ایسے شخص کے مذہب کے متعلق کیونکر شبہہ ہو سکتا ہے جو مسجد کے اندر وضو کر رہا ہو؟ اسپر اس نے میری داڑھی کی جانب اشارہ کرکے کہا کہ "اس سے"

مین نے کہا " چہ خوش یہ کیونکر "؟ اس نے جواب دیا کہ یہان مصر مین عموماً یہودی ہی داڑہی رکھتے ہین، اسلئے ہمین ہر داڑہی والے پر یہودیت کا شبہہ ہوتا ہے،

اسی طرح جب دوران جنگ مین ہندوستانی فوجین مصر پہنچین تو سکہون اور صاحب ریش مسلمانون کو دیکہکر مصری بڑے تعجب سے کہتے تھے کہ ہندوستان مین یہودیون کی بڑی کثرت ہے اور دیکہو تو وہ کیسے شجاع معلوم ہوتے ہین، لیکن داڑہی منڈے ہندوؤن کو مسلمان سمجہکر انکی عزت کرتے اور بڑے تپاک سے "السلام علیکم" کہکر مصافحہ کرتے مگر جب انہین معلوم ہوجاتا کہ وہ مسلمان نہین ہین تو انہین گالیان دیتے اور ان پر سنگباری کرتے!

چونکہ مصر مین داڑہی رکھنے کا رواج نہین ہے اسلئے حجام بھی اسکے تراشنے اور درست کرنے مین ماہر نہین ہوتے اور عموماً اسے خراب کردیتے ہین، اس خیال سے مین یہ خدمت خود ہی انجام دے لیا کرتا تہا،

مسلمانون کا دورِ تنزل ختم ہوگیا

از

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دار المصنفین

انحطاط وتنزل بالکل طبعی چیز ہے، اور

"طبعی چیزین کبھی متغیر نہین ہوتین، اسلئے زوال وانحطاط بھی وہ مزمن مرض ہے جسکی نہ دوا ہوسکتی، اور نہ وہ زایل ہوسکتا ہے"[1]

لیکن وہ جس طرح افراد کے مزاج پر اثر ڈالتا ہے، اسی طرح قوم کا مزاج بھی اس سے متاثر ہوتا ہے، دنیا مین جس طرح افراد پیدا ہوکر بچے، بڑھنے، نشو ونما پانے، اور پھر جوان ہوکر بوڑھے ہوجاتے ہین، بالعینہ اسی طرح قومون کے شباب، کہولت، اور شیخوخیت کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہے جسمین اُنکے مزاج کے عناصر متغیر ہوتے رہتے ہین اور چونکہ

"مزاج ہی کا نام روح ہے، اسلئے لامحالہ تمام ظاہری اور باطنی اخلاق اسکے تابع ہوتے ہین"[2]

جنکو دیکھکر قومی مزاج کے تمام تغیرات وانقلابات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے. لیکن یہ مزاج جو عناصر کی ترکیب سے پیدا ہوتا ہے، اسکے علاوہ ہر قوم کا ایک عقلی مزاج بھی ہوتا ہے جو اسکی تاریخ کا حقیقی ماخذ ہوتا ہے، اور درحقیقت زوال وانحطاط کے آثار اسی پر طاری ہوتے ہین لیکن یہ تنزل دو قسم کا ہوتا ہے، طبعی اور غیر طبعی، طبعی تنزل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قوم کے

---

[1] مقدمۂ ابن خلدون صفحہ ۲۳۲، [2] کتاب السیاستہ فی علم الفراستہ،

تمام اساسی اخلاق تدریجی طور پر فنا ہوتے ہین، بخلاف اسکے غیر طبعی تنزل مین ان پر دفعتہً زوال طاری ہوجاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کا مزاج عقلی چند دنون مین نہین پیدا ہوتا بلکہ اسکا خمیر سیکڑون برس کے بعد پختہ ہوتا ہے اور اس درمیان مین قوم اپنی طفولیت، حداثت، بلوغ، شباب، رجولیت، اور سن متوسط کے تمام مراحل طے کرلیتی ہے، اسی طرح اسپر زوال دفناؔ بھی دفعتہً طاری نہین ہوتا، بلکہ تدریجاً طاری ہوتا ہے، جسکی وجہ سے قوم سن کہولت، ہبوط، شیخوخت اولیٰ، شیخوخت ثانیہ، ہرم اور اپنی عمر کے تمام آخری مراحل سے گذر جاتی ہے اور جب اس کے مزاج کی عمر طبعی ختم ہوجاتی ہے تو اسپر زوال آجاتا ہے، جس سے قوم ہمیشہ کے لئے پردۂ عدم مین چھپ جاتی ہے، لیکن یہ مزاج عقلی کے تنزل کی طبعی صورت ہے، اسلئے وہ قوم سب سے زیادہ متمدن اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہے،

"جسکے اساسی اصول کے فنا، وبقار کی مدت مین اتحاد ہو، یعنی جتنے دنون تک وہ قائم رہے ہین اتنے ہی دنون مین وہ فنا بھی ہون[۱]"

لیکن جن قومون کی ترقی و تنزل کے زمانہ مین اتحاد نہین پایا جاتا وہ بہت جلد فنا ہوجاتی ہین اور ان کا تاریخ مین صرف نام ہی نام باقی رہجاتا ہے،

یہ نہایت عجیب بات ہے کہ دنیا کی تمام قومین غیر طبعی موت کا شکار ہوئی ہین اور انکو اس خوش قسمتی کا موقع نہین ملا ہے، کیونکہ عالم کائنات کا ایک فطری قانون یہ ہے کہ ایک جسم کے پیدا کرنے کے لئے جسقدر زمانہ درکار ہے اسکے فنا ہونے کے لئے اس سے بہت کم زمانہ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جو عضو اپنے عمل کو چھوڑ دیتا ہے اسکی عملی قابلیت

---

[۱] انقلاب الامم صفحہ ۱۱۶،

اسی وقت معدوم ہو جاتی ہے[1]،

اسی بنا پر قوم کے تمام اخلاقی محاسن مثلاً جرارت، شجاعت، عزم و ارادہ، قوت و استقلال اگرچہ بہت دنون مین پیدا ہوتے ہین تاہم جب وہ اپنا محل استعمال نہین پاتے تو نہایت سرعت کے ساتھ فنا ہو جاتے ہین اور چونکہ قوم کے تمام تمدنی مظاہر کی بنیاد انہین پر قائم ہوتی ہے، اسلئے جب کبھی اُن مین تغیر پیدا ہوتا ہے تو دفعتہً تمدنی تاریخ کی عمارت بھی منہدم ہو جاتی ہے،

لیکن یہ کلیہ اسلام کی تاریخ مین غلط ٹھہرتا ہے، کیونکہ مسلمانون کے اساسی اصول جتنے عرصہ تک قائم رہے ہین، اتنے ہی دنون مین اُن پر زوال بھی طاری ہوا ہے اور اسلئے مسلمانون کی خوش قسمتی مین کیا کلام ہو سکتا ہے؟ تاہم چونکہ یہ ایک اہم تمدنی نظریہ ہے اسلئے ہم اسپر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہین،

تمدنی تاریخ کے علما، یعنی علامۂ ابن خلدون اور ڈاکٹر لیبان نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اسکا اصلی مرجع قوم اور سلطنت ہے، اس بنا پر یہ کلیہ بھی انہین دونون چیزون پر صادق آسکتا ہے، اسمین کچھ شک نہین کہ ہر قوم اور ہر سلطنت کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے جسمین وہ بڑھتی ہے، نشو و نما پاتی ہے، عروج حاصل کرتی ہے، اور پھر اپنی ترقی کا دور ختم کرکے اوج رفعت سے حضیض مذلت مین گر جاتی ہے، لیکن اسلام کسی قبیلہ یا قومیت کا نام نہین ہے اسلئے اس نے اپنے متبعین کو قومی اور نسلی امتیازات سے الگ رکھا ہے اور سعادت دنیوی کے حاصل کرنیکا مدار قومی عصبیت یا نسبی شرافت کے بجاے اعمال صالحہ کو ٹھرایا ہے، اس بنا پر اسکے جھنڈے کے نیچے مختلف قومیت، مختلف جنسیت، اور مختلف قبائل کے لوگ جمع

[1] انقلاب الامم صفحہ ۱۴۸،

جنھون نے مختلف زمانون مین عروج حاصل کیا ہے، اسلئے اگرچہ انفرادی حیثیت سے
قوم اور ہر سلطنت پر منطبق ہو سکتا ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے اسکا کوئی اثر نہین
نکہ اسوقت یہ تمام حلقے مل کر ایک مسلسل زنجیر بنجاتے ہین جو قانون قدرت کے
ٹوٹ نہین سکتی،

مال مسلمانون کا متحدہ مزاج عقلی قانون قدرت کی حکومت سے بالکل آزاد ہے
ں طرح تدریجی طور پر پیدا ہوا تھا، اسی طرح بتدریج فنا بھی ہوا ہے، اور یہ وہ خیال ہے
مین تاریخ اسلام کے ہزارون صفحات پیش کئے جا سکتے ہین، لیکن قبل اسکے کہ ہم
مر کی طرف متوجہ ہون ہمکو تاریخ طبعی کی روشنی مین حیات انسانی کے تمام تغیرات
ن کا مطالعہ کر لینا چاہیئے،

طبیعین نے حیات انسانی کے تیرہ دور قائم کئے ہین جنمین انسان کے قواے
عقلیہ پر مختلف قسم کے تغیرات طاری ہوتے رہتے ہین، چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے
ات انسانی کا پہلا دور زمانۂ طفولیت سے شروع ہوتا ہے، اس سن مین انسان کو
نج وغم اور ضرورت کا احساس ہوتا ہے، اسمین رغبت وارادہ کے جذبات پیدا
ں چیزون پر حکم لگانیکی قابلیت پیدا ہوتی ہے، اور اس دور کے اختتام تک
نے کا احساس ہونے لگتا ہے،

سرے دور مین جسکو سن حداثت کہتے ہین، انسان کے دل مین امیدین پیدا ہوتی ہین
ستقبل کی نسبت ایک راے قائم کر سکتا ہے اور اسکے تمام عقلی خصوصیات اور حواس
نے ہین،

ن بلوغ مین جو انسان کی زندگی کا تیسرا دور ہے غرور اور امید پیدا ہوتی ہے،

اس زمانہ مین وہ محبتِ ذات، بے پروائی، غرور اور آزادی کو پسند کرتا ہے، لیکن جب یہ چیزین حد اعتدال سے متجاوز ہو جاتی ہین تو معائب بنکر اسکی جسمانی اور اخلاقی زندگی کو برباد کر دیتی ہین،

(۴) سن شباب مین جو جذبات انسانی کا چوتھا درجہ ہے، عشق، لذت، طیش، شجاعت اور عدم استقلال کے جذبات پیدا ہوتے ہین، اور چونکہ اس سن مین انسان پر عشق اور لذت کا غلبہ ہوتا ہے، اسلئے وہ صرف انہین چیزون کے اسباب مہیا کرنے مین مصروف رہتا ہے،

(۵) سن رجولیت مین انسان کو طمع دامنگیر ہوتی ہے، اور ترقی کرنیکا خیال پیدا ہوتا ہے، یہ سن طبعی اور عقلی عیش و مسرت کا زمانہ ہوتا ہے، اسلئے اسمین انسان کی جسمانی حالت نہایت بہتر ہوتی ہے، اسپر ہمہ وقت ایک نشاط چھایا رہتا ہے، اور اسکی عقل کامل ہو جاتی ہے، اسی سن مین اسکو آفات زمانہ سے محفوظ رہنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی مدافعت کا پورا سامان کرتا ہے،

(۶) سن متوسط مین جسکو شباب ثانی بھی کہتے ہین، انسان مین ثبات اور استقلال پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس زمانہ مین اسکے تمام قواے جسمانیہ وعقلیہ اپنی نشو ونما کے انتہائی مدارج طے کر لیتے ہین، اسلئے اب اسکو روپیہ جمع کرنیکی فکر ہوتی ہے، وہ فخر کو پسند کرتا ہے اور اپنی عزت وعظمت کی ترقی کے لئے کوشش کرتا ہے، اس عمر مین اسکی تمام امیدین ذاتی عمل سے وابستہ ہوتی ہین، اور چونکہ وہ سوسائٹی مین معزز ہوکر رہنا چاہتا ہے، اسلئے رات دن اسی دُھن مین لگا رہتا ہے اور اسکے لئے گھربار، اہل وعیال، ساز وسامان غرض کسی چیز کی بھی پروا نہین کرتا،

(۷) سنِ کہولت مین انسان پر عقل وفہم اور حکمت و دانش کا اثر غالب ہوتا ہے، اور وہ

سن متوسط مین اپنی محنت ومشقت سے جو روپیہ پیدا کرتا ہے، اس سے اس سن مین فائدہ اٹھاتا ہے، کیونکہ اب اسکے مزاج مین عیش پسندی آجاتی ہے،

(۸) سن ہبوط مین انسان زیادہ آرام طلب ہوجاتا ہے، اسمین تدبر وفکر کے اوصاف پیدا ہوتے ہین، اسلئے اسکے تمام کامون مین حزم، احتیاط اور پختگی پائی جاتی ہے، لیکن اسکے قواے جسمانی اور عقلی مین انحطاط شروع ہوتا ہے، اسکا جسم سرد پڑجاتا اور اس کا احساس کم ہوجاتا ہے،

(۹) شیخوخیت کے دور اول مین انسان پر تکلیف، حسرت، اور رنج وغم غالب آتے ہین، چونکہ اسکے قوی کمزور ہوجاتے ہین، اسکا دل افسردہ ہوجاتا ہے، اسکے بال سفید ہوجاتے اور دانت گرجاتے ہین، اور اس سے نشاط کلیۃً معدوم ہوجاتا ہے، اسلئے اسکی آنکھون مین ہر وقت موت کی تصویر پھرتی رہتی ہے،

(۱۰) شیخوخیت کے دور ثانی مین ضعف بڑھجاتا اور تکلیف زیادہ ہوجاتی ہے، جس سے انسان ہر وقت غضبناک رہتا ہے، اور وہ اپنے احکام کی تعمیل فوراً کرانا چاہتا ہی، ایسے ہمنشینون کو پسند کرتا ہے جو اسکے مزاج کے مطابق ہون اور اسکی ہر راے سے متفق رہتے ہون، اسمین حسد وغیرت کے جذبات پیدا ہوتے ہین، جس سے وہ نوجوانون کو لہو ولعب اور چستی وچالاکی کے کام کرتے ہوئے دیکھ نہین سکتا، اسکے عقلی خصوصیات روز بروز فنا ہوتے جاتے ہین اور اسکے طبعی فرائض مین بھی خلل واقع ہوتا ہے،

(۱۱) سن ہرم مین انسان کا ضعف اور بڑھ جاتا ہے، اسکو کان سے اونچا سنائی دیتا ہے اور آنکھ سے صاف طور پر دکھلائی نہین دیتا، اسلئے اسمین سوء ظن پیدا ہوتا ہے اور وہ عزیز ویگانے کسی پر اعتماد نہین کرتا، اسمین محبت ذات پیدا ہوجاتی ہے، جس سے وہ اپنے واقعات

مبالغہ آمیز طور پر بیان کرتا ہے،

(۱۲) سن ہرم کے بعد ایک اور زمانہ آتا ہے جسکا نام سن تمدد الاجل ہے، اس میں انسان زمانۂ طفولیت کی طرف عود کرتا ہے، اسمین بچون کے سے خواص پیدا ہوجاتے ہین، اور اسکو اپنے جذبات پر قابو نہین رہتا، اس زمانہ مین اسکے حواس بالکل جواب دیدیتے ہین، اسکی آنکھین بے نور ہوجاتی ہین، اسکے کان صرف دھماکون کو سُنتے ہین، اور اسکی عقلی زندگی بالکل مردہ ہوجاتی ہے، اسلئے وہ انسانی زندگی کے حدود سے نکل کر نباتی زندگی کے حدود مین داخل ہوجاتا ہے،

(۱۳) اسکے بعد حیات انسانی کا آخری دور ہے، جو "سن متبنی" کہلاتا ہے، یہ انسان پر شاذ ونادر آتا ہے، اسمین آدمی بالکل اندھا اور بہرا ہوجاتا ہے، اسکی قوت لامسہ، شامہ اور ذائقہ بالکل معدوم ہوجاتی ہین اور اُسپر طبعی اور دماغی حیثیت سے عدم طاری ہوجاتا ہے[۱]،

لیکن یہ تمام دور صرف افراد ہی پر طاری نہین ہوتے بلکہ قومون پر بھی طاری ہوتے ہین اور اُنکا قوم کی زندگی پر وہی اثر پڑتا ہے جو افراد کی زندگی پر پڑتا ہے، چنانچہ آغاز اسلام مین جب مسلمانون کی طفولیت کا زمانہ تھا وہ صرف رنج وغم اور ضرورت کا احساس کرسکتے تھے، صحیح بخاری مین حضرت خبابؓ کی جو شکایات مروی ہین وہ اسی کی موید ہین، اور حضرت بلال، عمار، اور صہیب وغیرہ کے واقعات بھی اسی کی تائید کرتے ہین، اسی زمانہ مین مسلمانون کو اشاعت اسلام کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ نے چند اشخاص کو خفیہ طور پر مسلمان کیا، لیکن تین برس کے بعد جب مسلمانون کو اپنی قلت اور کمزوری کا احساس ہوا تو وہ اسلام کی دعوت علانیہ طور پر دینے لگے، اس دور کے بعد اسلام کا سن حداثت

[۱] انسان کی تاریخ طبعی مولفہ موسیو ڈوبی صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۵،

شروع ہوا جسمین امیدین پیدا ہوئین اور مسلمانون نے اعلان دعوت کے اثرات کو دیکھکر اپنے مستقبل کی نسبت رائے قائم کی، اسلئے اگرچہ اس وقت تک انکو بہت زیادہ کامیابی حاصل نہین ہوئی تھی، تاہم جب کفار قریش نے ابوطالب سے آنحضرت کی شکایت کی اور انھون نے آپکو بت پرستی سے باز رکھنا چاہا تو آپ نے صاف جواب دیا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ مین سورج اور دوسرے مین چاند لاکر دیدین تب بھی مین اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا،[۱] اسکے بعد تیسرا دور شروع ہوا جو اسلام کے سن بلوغ کا زمانہ ہے، اور اسکی ابتدار ہجرت حبشہ سے ہوئی، قریش کی سخت مزاحمتون کے باوجود اسلام کے دائرہ مین جو وسعت پیدا ہوگئی تھی اس نے مسلمانون کو اپنی کامیابی کا یقین دلادیا تھا، اسلئے وہ باہم ایک دوسرے کے سخت ہمدرد ہوگئے تھے، اور قریش کے مظالم کو حقارت اور بے پروائی کی نظر سے دیکھتے تھے، اور چونکہ اسوقت ان مین قریش کی جابرانہ حکومت سے آزاد ہونیکا خیال پیدا ہوگیا تھا، اسلئے انھون نے دربار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جناب رسالت پناہ نے اشاعت اسلام کی غرض سے طائف کا سفر اختیار فرمایا، اسکے علاوہ حج کے موسم مین جو قبائل عرب کے تمام صوبون سے آکر مکہ مین جمع ہوتے تھے، آپ انکے خیمون مین جاکر اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے، تاکہ ان کا ملک مسلمانون کا دارالہجرۃ ہو، اب اسلام کا چوتھا دور شروع ہوا جو اسکا عہد شباب ہے، کفار کے مظالم برداشت کرنے اور اسلام پر قائم رہنے سے مسلمانون کو جو لذت حاصل ہوئی تھی اسکا یہ اثر تھا کہ بہت سے صحابہ نے ہجرت حبشہ پر مکہ کی اقامت کو ترجیح دی، اور اپنی توجہ کو تمامتر اشاعت اسلام کی طرف مبذول کردیا، اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جب انصار ایمان لائے اور مدینہ دارالہجرۃ قرار پایا تو مسلمانون پر

---

[۱] سیرت ابن ہشام صفحہ ۸۹،

کامیابیون کا دروازہ کھل گیا، کیونکہ اب اُنکو اپنی شجاعت کے جوہر دکھلانے اور کفار سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا، اور چونکہ وہ کفار کے ظلم و ستم سے عاجز آگئے تھے، اسلئے جب غزوۂ بدر میں ان کا مقابلہ ہوا تو مسلمانون نے اس جوش سے جنگ کی کہ ۹۰۰ کفار صرف ۳۰۰ آدمیون سے شکست کھا گئے، غزوۂ بدر کے بعد اور بھی متعدد غزوات پیش آئے جنمین کفار کو شکست ہوئی اور صرف نو برس کی قلیل مدت مین تمام عرب پر مسلمانون کا قبضہ ہوگیا، اسکے بعد وہ اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوئے اور باقاعدہ اشاعت اسلام کا کام شروع کیا، جس سے آنحضرت کی وفات تک تمام عرب مسلمان ہوگیا، لیکن بااینہمہ چونکہ یہ مسلمانون کے شباب کا زمانہ تھا، اسلئے عدم استقلال کی بھی بعض مثالیں ملتی ہین، مثلاً غزوہ اُحد مین آنحضرت شہر کے اندر رہ کر کفار کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن بعض پرجوش نوجوانون نے باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا اور چونکہ کثرت اُنہین کو حاصل تھی اسلئے آپ نے اُنکی تائید فرمائی[1]؛

اسکے بعد پانچوان دور شروع ہوا اور اسکی ابتدا خلافت فاروقی سے ہوئی، اس زمانہ مین مسلمانون کو ملک گیری کا خیال پیدا ہوا، اور اُنکو ترقی کرنیکی خواہش ہوئی یہ زمانہ درحقیقت اسلام کا سن رجولیت تھا جسمین طبعی اور عقلی عیش و مسرت کی جھلک نظر آتی تھی، کیونکہ اب مسلمان جسمانی اور دماغی دونون حیثیتون سے مکمل ہوگئے تھے، وہ نہایت قوی، تنومند اور بلند و بالا ہوتے تھے، اُنکے نفوس مین ہر وقت ایک نشاط پایا جاتا تھا، انکے خیالات بلند ہوگئے تھے، اور ان مین علوم و فنون کا عام رواج ہوگیا تھا، اسلئے وہ آفات زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اور جو چیزین اُنکی ترقی مین سدّ راہ ہوتی تھین اُنکو ہٹا دیتے تھے

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۶ جلد ۲

لیکن چونکہ اس زمانہ مین انسان پر حرص وطمع کا غلبہ ہوتا ہے، اسلئے اسلام مین اسکا یہ منظر نظر آیا کہ خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ مین امیر معاویہ مدعی خلافت ہوئے، جنکے دعوی خلافت سے اسلام کا چھٹا دور شروع ہوا، یہ اسکا سن متوسط یا شباب ثانی تھا، جسمین مسلمانون مین استقلال اور ثبات پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ اب انکی تمام جسمانی اور دماغی قوتین انتہا تک پہنچ چکی تہین، اور وہ مال ودولت کے جمع کرنیکی طرف مائل ہوگئے تھے، چنانچہ خود صحابہ مین اس قسم کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جسکی مخالفت مین حضرت ابوذر غفاری نے انتہائی کوششین کین لیکن جو ناکامیاب رہین، بہرحال اقتضائے سن کے مطابق اس زمانہ مین مسلمانون کی امیدون کا دائرہ مدار عمل ذاتی پر تھا، وہ فخر ومباہات کو پسند کرتے تھے، اور ان مین سوسائٹی مین امتیاز حاصل کرنیکا خیال پیدا ہو گیا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر دور دراز مقامات مین نکل جاتے تھے، جہان انکو صرف اپنے مفاد کے حاصل کرنیکی فکر رہتی تھی، چنانچہ سلطنت بنوامیہ جو نصف صدی کے اندر اندر سندھ اور ترکستان سے لیکر افریقہ اور اسپین تک پھیل گئی تھی، انہین کوششون کا نتیجہ تھی،

لیکن ان عظیم الشان فتوحات کے باوجود بنوامیہ مین سلطنت اور جاہ وعظمت کی حرص زیادہ ہوتی گئی جس سے اسلام کا ساتوان دور شروع ہو گیا، جو اسکے کہولت کا زمانہ ہے اب خلافت کے تخت پر بنوعباس متمکن ہوئے، جنکے زمانہ مین یہ خیال پیدا ہوا، کہ جو ممالک مسلمانون کے قبضہ مین آچکے ہین ان پر مستحکم طور پر قبضہ کیا جائے، اور ان سے نفع اٹھایا جائے اس خیال نے مسلمانون کو عیش پسند اور کاہل بنا دیا، اور انکی فتوحات دفعتہ رک گئین، یہی وجہ ہے کہ سلطنت عباسیہ کے حدود کبھی سلطنت بنوامیہ سے زیادہ وسیع نہین ہوئے اسکے علاوہ انکے مزاج کے عناصر مین حکمت اور تعقل کا غلبہ ہو گیا تھا، اور تب کسی قوم کے

مزاج مین تعقل کا عنصر غالب ہوجاتا ہے، تو اسکے اساسی اخلاق مین انحطاط شروع ہوجاتا ہے جس سے اُسکی ترقی رک جاتی ہے۔ اسکے بعد آٹھوان دور شروع ہوا جو اسلام کا سن ہوط ہے اسمین مسلمانون مین غور و فکر کا غلبہ ہوا، وہ تفکر اور تدبر کے عادی ہوگئے، اور انکی آرام طلبی اور عیش پسندی بڑھ گئی، اس زمانہ مین اگرچہ انکے ہر کام مین حزم، احتیاط اور پختگی پیدا ہوگئی تھی، تاہم چونکہ وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہوگئے تھے، اسلئے اُنکے فوجی جذبات مین تنزل شروع ہوا، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دور مین علوم و فنون کو جسقدر ترقی ہوئی کبھی نہین ہوئی تھی، اسی زمانہ مین وہ بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوے جنکے غلغلہ سے آج تمام دنیا گونج رہی ہے، تاہم ممالک اسلامیہ کے حدود مین کسی جدید ملک کا اضافہ نہین ہوا، اسوقت تمام دنیاے اسلام پر ترک قابض تھے، جنکی چھوٹی چھوٹی حکومتین ہرجگہ قائم تھین، اور جنمین اتحاد و یکجہتی کا احساس باقی نہین رہا تھا، یہ تمام اسباب ایسے تھے، جن سے خود بخود نوین دور کا آغاز ہوا، یعنی اسلام پر شیخوخیت کا پہلا دور آیا، جس نے مسلمانون کے دماغ کو تکلیف، درد، رنج و غم، اور یاس و حسرت سے لبریز کردیا، یہ آٹھوین صدی ہجری کا زمانہ تھا جسکی علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین شکایت کی ہے کیونکہ اس زمانہ مین مسلمانون کے قواے جسمانیہ اور عقلیہ پر انحطاط طاری ہوگیا تھا، اُن کے اعضاے جسمانی کمزور ہوچکے تھے، ان کا دل افسردہ ہوچکا تھا، اور ان سے نشاط اور ہمت فنا ہوچکی تھی، اور یہ تمام چیزین انکو موت کی دھمکی دے رہی تھین،

اسکے بعد دسوان دور شروع ہوا جو اسلام کی شیخوخت تامہ کا زمانہ ہے، اس مین مسلمانون کا ضعف زیادہ بڑھا، اور انکی اخلاقی حالت اسقدر تباہ ہوگئی کہ اسکو دیکھکر شاہ ولی اللہ صاحب کی آنکھ سے خون کے آنسو جاری ہوگئے ہین، جن سے فوز الکبیر کا ہر صفحہ

ایک لالہ زار بنگیا ہے، اسی زمانہ مین مسلمانون کی بہت سی سلطنتین اُنکے قبضہ سے نکل گئین، جسکی وجہ یہ تھی کہ انکے مزاج مین حسد کے ساتھ ساتھ غصہ بھی پیدا ہو گیا تھا اسلئے اغیار کو ان سے فائدہ حاصل کرنیکا موقع ملا، اور انھون نے مسلمانون کے مزاج کو اپنے موافق بنا کر دراندازی شروع کی جس سے مسلمانون مین نفاق پیدا ہوا، اور ہر صوبہ نے اپنی خودمختار حکومت قائم کر لی، اسکا یہ اثر ہوا کہ ممالک اسلامیہ مین اغیار کے قدم نہایت مضبوطی کے ساتھ جم گئے، اور چونکہ اس زمانہ مین مسلمانون کی عقلی خصوصیات فنا ہو گئی تھین اسلئے کسی کو احساس تک نہوا، اور وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہے، ان چیزون نے انکے ضعف کو اور بڑھایا، اور اب اسلام کا گیارہوان دور شروع ہوا جو اسکا سن ہرم ہے اس دور مین مسلمان بہت زیادہ کمزور ہو گئے تھے اور چونکہ وہ اپنے سرمایہ ہوش وحواس کو ضائع کر چکے تھے اسلئے ان مین بدظنی کا مرض پیدا ہو گیا، اور وہ بیگانون کی طرح یگانون سے بھی سوءِ ظن رکھنے لگے، ان مین محبت ذات نہایت شدت کے ساتھ ترقی کر گئی، اور وہ صرف اپنے کارنامے مبالغہ آمیز طریقہ سے بیان کرنے لگے، ان باتون نے انکو ایک دوسرے دور مین پہنچایا جو اسلام کا بارہوان دور ہے، اس دور مین مسلمان ہر چیز سے بے پروا ہو گئے، انکی بصیرت کی آنکھین بے نور ہو گئین اور انکے کانون سے صدائے حق کے امتیاز کی قابلیت مفقود ہو گئی اسلئے اب وہ ہر آواز کے سننے کی طاقت نہین رکھتے تھے، انکو صرف بادل کی گرج اور برق وصاعقہ کی کڑک ہی اپنی جانب متوجہ کر سکتی تھی -

بہرحال اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانون کی ترقی وتنزل اُنکے مزاج عقلی کے تغیرات کا نتیجہ ہے، اور انکے فنا اور بقا کی مدت مین پورا پورا اتحاد پایا جاتا ہے کیونکہ انکی ترقی کا زمانہ ساتوین صدی مین ختم ہو گیا تھا، اور آج انکا تنزل بھی چودھوین صدی مین ختم ہو رہا ہے، اسلئے تاریخی حیثیت سے مسلمان نہایت خوش قسمت قوم ہے،

تلخیص و تبصرے

روح کی حقیقت

ترجمہ پروفیسر فیروز الدین مراد ایم ایس سی، ایم اے، کالج علیگڈھ

(۱) [۱] منجملہ ان تمام مظاہر فطرت کے جن سے ہم آشنا ہیں وہ مظاہر جو "حیات روح" کے تحت میں رکھے جاتے ہیں یا جو بالفاظ دیگر نفس انسان کے وظائف اور اعمال مخصوصہ سے وابستہ ہیں ایک لحاظ سے نہایت ضروری اور اہم ہیں گو وہ بہت ہی دقیق اور متنازعہ فیہ بھی ہیں، چونکہ کارخانہ قدرت کے متعلق معلومات حاصل کرنا، جو اس کتاب کا فلسفیانہ مبحث ہے خود حیات روح کا ایک جزو ہے، اور چونکہ علم الانسان بلکہ علم الکائنات بھی نفس (انسانی) کے متعلق صحیح معلومات کا محتاج ہے، اسلئے ہم علم النفس یعنی روح کے حکیمانہ (سائنٹفک) مطالعہ کو دیگر تمام علوم کی بنا، اور اصل مان سکتے ہیں، دوسرے نقطۂ نگاہ سے بھی علم النفس، فلسفہ یا علم افعال الاعضا یا علم الانسان کا ایک جزو متصور ہو سکتا ہے،

(۲) علم النفس کو ایک فطری بنیاد قائم کرنے کے لئے انسانی نظام الاعضاء سے اور بالخصوص دماغ سے جو فعلیت نفسی کا خاص مستقر ہے، صحیح واقفیت درکار ہے، اکثر عالمان نفسیات روح کے اس جسمانی مسکن کے احوال سے یا تو بالکل بے بہرہ یا بہت ہی کم آشنا ہوتے ہیں، اسی سبب سے یہ خرابی واقع ہوتی ہے، کہ بخلاف دیگر علوم کے علم النفس کے موضوع اور صحیح معنی کی تشریح و توضیح میں بہت سی متناقض اور بعید از عقل باتیں پائی جاتی ہیں، گذشتہ

[۱] یہ مضمون جرمن پروفیسر ہیکل کی شہرۂ آفاق تصنیف "معمۂ کائنات" سے مقتبس ہے،

تیس سال میں یہ تناقض اور علم النفس کے موضوع سے صحیح واقفیت ہونیکے بدنتایج تشریح الابدان اور افعال الاعضا کی شاندار ترقی اور دماغ کی ساخت اور طبعی وظائف کی بہتر تفہیم کے دوش بدوش اور بھی زیادہ نمایان ہوگئے ہین،

(۳) میری دانست مین لوگ جسکو روح سے تعبیر کرتے ہین وہ ایک مظہر فطرت ہے، لہذا مین علم النفس کو علوم طبعی کی ایک شاخ اور علم افعال الاعضار کا ایک جزو سمجھتا ہون، اسلئے شروع ہی مین مجھے نہایت زور سے یہ بتادینا چاہیئے کہ اس علم مین (یعنی روح کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے) ذرایع تفحص صرف وہی ہوسکتے ہین جن سے دوسرے علوم طبعی مین کام لیاجاتا ہے یعنی سب سے پہلے ہمین مشاہدہ اور تجربہ سے کام لینا چاہیئے، دوئم نظریۂ ارتقا سے اور سوئم مابعد الطبیعیاتی قیاسات کی وساطت سے بذریعہ استدلال واستقرار مظاہر نفسی کی کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے، لیکن اس مسئلہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرنیکی خاطر ہم ناظرین کے سامنے ثنویت اور وحدیت کے نظریون کا تضاد پیش کرتے ہین،

(۴) فعلیت نفسی کا عام تصور جسکے ہم مخالف ہین، روح اور جسم کو دو متبائن ہستیان تسلیم کرتا ہے (اسی بناپر یہ قیاس نظریۂ ثنویت کہلاتا ہے، اور اسکی مفصل تشریح فلسفۂ ثنویت کے نام سے موسوم کیجاتی ہے) یہ دونون ہستیان ایک دوسرے پر منحصر نہین ہین اور نہ ہی انکا اتحاد اُنکے وجود کے لئے لازمی ہے، ذی اعضا جسم ایک فانی اور مادی حقیقت رکھتا ہے اور اسکی کیمیاوی ترکیب مواد زندہ اور اسکے مرکبات سے ہوئی ہے، برعکس اسکے روح ایک غیر فانی اور غیر مادی ہستی اور ایک ملکوتی عامل ہے، جسکی پراسرار زندگی اور فعلیت انسانی عقل کی دسترس سے متجاوز ہے، یہ عامیانہ قیاس اپنے دعوی کے لحاظ سے روحانی اور غیر مادی کہلاتا ہے اور اسکے بالمقابل مذہب کو مادی کہا جاتا ہے، یہ غیر مادی قیاس حدود ثبوت سے

متجاوز ایک فوق الفطرت قیاس ہے کیونکہ اسمین ایسی قوتون کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے جنکی فعلیت کسی مادی اصل کی محتاج نہین ہے۔ اس قیاس کی بنیاد ایک مفروضہ "روحانی" غیر مادی عالم ہے جسکا ہمین کچھ شعور نہین ہے، اور جو مادی دنیا کے ماورا اس طور سے موجود ہے کہ معمولی طبعی ذرائع تحقیقات کی وساطت سے ہمین اسکا مطلقاً کچھ علم حاصل نہین ہوسکتا۔

(۵) یہ موہوم "عالم ارواح" جسے مادی کائنات سے بالکل جدا اور آزاد مانا جاتا ہے اور جسکے اوپر فلسفہ ثنویت کے مصنوعی ڈہانچے کا سارا دارومدار ہے، سب کا سب شاعرانہ تخییل کا نتیجہ ہے، اسی عقیدہ کے متوازی جو مذہب "بقاے روح" یا "عدم فنار روح" کو مانتا ہے اسکے متعلق بھی متذکرہ صدر تنقید کیجا سکتی ہے، "بقاے روح" کا سائنٹفک طور پر ناممکن ہونا ہم آیندہ ابواب مین ثابت کرکے بتائینگے، اگر اس عقیدہ کی جو ضعیف الاعتقاد و زود اعتبار آدمیون کے حلقہ مین عام ہے کوئی حقیقی اصلیت ہو تو وہ مظاہر جو اس عقیدہ سے متعلق ہین "ناموس مواد" کے (یعنی قانون عدم فنار مادہ، اور قانون عدم فنار قوت جنکی مفصل تشریح آیندہ ابواب مین کیجائیگی) تابع نہین ہوسکتے، علاوہ ازین کائنات کے اس اعلیٰ ترین قانون کی یہ واحد استثنا تاریخ عالم مین بہت دیر کے بعد ظاہر ہوئی ہوگی، کیونکہ اسکا تعلق صرف انسان اور اعلیٰ حیوانات کے "روح" یا "نفس ناطقہ" سے ہے، نفسیات ثنویہ کا ایک دوسرا ضروری عنصر یعنی "عقیدۂ اختیار" بھی اسی طرح اس عالمگیر ناموس مواد کے بالکل غیر مطابق ہے،

(۶) فعلیت نفسی یعنی روح کی زندگی اور اصلیت کے متعلق ہمارا طبعی قیاس یہ ہے کہ مظاہر روح تمام دیگر مظاہر فطرت کے مانند ایک مخصوص مادی جوہر پر منحصر ہین فعلیت نفسی کی اس مادی بنار کو جسکے بغیر یہ تصور مین آہی نہین سکتی، ہم "کتلۃ النفس" کے نام سے

موسوم کر سکتے ہیں، اور اس طریق تسمیہ کا سبب یہ ہے کہ کیمیائی تحلیل و تجزیہ کی رو سے یہ کتلتہ الاولی یا مواد زندہ کی قسم کے اجسام میں شامل ہے، جو انڈے کی سپیدی کی طرح کاربن کے وہ پیچیدہ مرکبات ہیں جن پر تمام روحی حرکات و سکنات اور اعمال حیات کا انحصار ہے، اعلیٰ حیوانات میں سے جو نظام عصبی اور مخصوص منتقرات حواس رکھنے کے اہل ہیں، کتلتہ النفس میں سے عصبی مادہ یعنی کتلتہ الاعصاب بھی الگ کیا جا چکا ہے، مشرحہ صدر نقطۂ نگاہ سے روح کے متعلق ہمارا یہ قیاس مادی کہا جا سکتا ہے، علاوہ ازین اس قیاس کو فطری اور مشاہدہ پر مبنی بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے سائنٹفک تجربہ نے آج تک ہمیں الٰہی یا فوق الفطرت قوی یا عالم ارواح کے وجود کا پتہ نہیں دیا جو معمولی قوائے فطری یا مادی دنیا سے ارفع و اعلیٰ ہوں،

(۷) دیگر تمام مظاہر قدرت کی طرح تغیرات نفسی اور افعال روحی بھی عالمگیر ناموس مواد کے زیر نگین ہیں، یہاں بھی کائنات کے اس اعلیٰ ترین قانون کی کوئی استثنا نہیں پائی گئی (ملاحظہ ہو باب دوازدہم)، نباتات، اور حیوانات کی ادنیٰ ترین اقسام کی حقیر حیات نفسی کے مظاہر یعنی انکا اشتعال پذیر ہونا انکے اضطراری افعال انکی حیثیت اور خود تحفظی کی جبلت، ان کے خلایا کے اندر مواد زندہ میں ان طبعی اور کیمیاوی تغیرات کا نتیجہ ہوتے ہیں جو کچھ تو کسباً اور کچھ وراثتاً حاصل کیے جاتے ہیں، اعلیٰ حیوانات اور انسان کی ممتاز حیات نفسی کے متعلق یعنی خیالات اور تصورات کے مرتب ہونے اور عقل و شعور کے حیرتناک مظاہر کی بابت بھی ہمیں بجنسہ یہی رائے قائم کرنی چاہیئے، کیونکہ موخر الذکر اعلیٰ حیات نفسی کے متعلق علم ارتقاء و توارع بتاتا ہے کہ یہ مقدم الذکر ادنیٰ حیات نفسی کی ارتقائی (یعنی تدریجی طور پر ترقی یافتہ) شکل ہے جو مختلف ادنیٰ حیوانات کے متفرق وظائف حیات کے اتحاد، ائتلاف اور ایک

مرکز تک ترقی کر جانے سے منتج ہو جاتی ہے،

(۸) ہر علم کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے موضوع اور مبحث کو واضح طور پر بیان کر سکے، دنیا میں کسی دوسرے علم کے لئے اس فرض اولین کی ادائیگی میں علم النفس سے زیادہ زحمت کہیں لاحق نہیں ہوتی، کیونکہ منطق جسکی وساطت سے یہ فرض ادا کیا جا سکتا ہے خود علم النفس کا ایک جزو ہے، جب ہم مختلف زمانوں کے ممتاز ترین فلسفیوں، حکیموں اور عالمان سائنس کے ان اقوال کا جو علم النفس کے تصور اساسی کی بابت منقول ہیں یکجا جمع کر کے بنظر امعان مطالعہ کرتے ہیں تو تناقض آرا اور متباین خیالات سے حیران و سرگردان ہو جاتے ہیں، "روح" در اصل کیا ہی؟ "دماغ" یا انسانی نفس ناطقہ سے اسکا کیا تعلق ہے؟ شعور کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ حس اور وجدان میں کیا فرق ہے؟ جبلت (جسے عرف عام میں عقل حیوانی بھی کہتے ہیں) کیا ہے؟ "علم حضوری" کسکو کہتے ہیں؟ فہم اور عقل میں کیا فرق ہے؟ "جذبہ" کی اصلیت کیا ہے؟ جسم اور ان تمام مظاہر نفسی کے درمیان کیا علاقہ ہے؟

ان سوالات اور انکے مماثل دیگر متعدد سوالات کے جوابات میں بیحد و حساب اختلاف آرا رہے، نہ صرف بڑے بڑے اہل الرائے علما کے خیالات میں ان مسائل کے متعلق تضاد و اختلاف ہے، بلکہ غضب تو یہ ہے کہ بہت سے علما نے جنکی قابلیت میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں ہو سکتا اپنی دماغی ترقی کے مختلف منازل طے کرتے ہوے بسا اوقات اپنی پوری پوری رائیں بدلدی ہیں، امر واقعہ یہ ہے کہ اتنے کثیر التعداد اہل فکر کی "دماغی قلب ہیئت" نے علم النفس کے تصورات میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

(باقی)

ہربرٹ اسپنسر

انگلستان کے نامی وگرامی فلسفی ہربرٹ اسپنسر کی ولادت کو پوری ایک صدی ہوئی اس تقریب سے حال میں اسکے متعلق متعدد مضامین انگریزی جراید و رسایل نے شایع کئے ہم ذیل میں اس مضمون کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو پروفیسر ڈی، آر، ٹامسن نے جماعت عقلیین کے مشہور ماہانہ رسالہ لٹریری گایڈ میں شایع کیا ہے، یہ واضح رہے کہ خود پروفیسر موصوف کا شمار اسوقت انگلستان کے ممتاز علما میں ہے۔

ہربرٹ اسپنسر کی تاریخ ولادت آج سے ٹھیک سو برس قبل، ۲۷-اپریل ۱۸۲۰ء ہے، لیکن دنیا میں جتنے تغیرات اس صد سالہ مدت میں ہوئے یا جتنی طویل اس صدی کی عمر معلوم ہوتی ہے اسکے لحاظ سے موجودہ تاریخ عالم میں کسی پہلی صدی کو اسکی نظیر نہین قرار دیسکتے، اسپنسر کی وفات ۸- دسمبر ۱۹۰۳ء کو واقع ہوئی، اور اس حساب سے اسے واقع ہوئے سولہ سال سے کچھ ہی زاید عرصہ گذرا، لیکن ہم مین سے اکثرون کو یہ شانزدہ سالہ مدت تقریباً قرن کے برابر معلوم ہوتی ہے، جن اشخاص کے ذہن مین اسپنسر کی یاد بالکل تازہ ہے، لیکن ایسے کبیرالسن اشخاص گنتی کے چند ہین، دوسری طرف نوجوانون کی عام جماعت کے نزدیک اسپنسر کی ایک فراموش شدہ شخصیت ہے، اور ایک اسپنسر پر کیا موقوف ہے انکے نزدیک وہ سارا دور ہی مہمل تھا ہمارا مقصد اسوقت اسپنسر کی مدح و ذم دونون سے الگ، اسکی سالگرہ کے موقع پر کچھ دیر کے لئے اسکی بابت سوچنا ہے۔

مین نے اسپنسر کے ساتھہ ایک میز پر بیٹھکر کھانا کھایا ہے، مین نے آتشدان (انگریزی ڈرائینگ روم کا ایک لازمی جزو) کے پاس بیٹھکر اس سے مکالمت کی ہے، میرے پاس اسکے چند مکاتیب محفوظ ہین، اور اگرچہ مجھے اس سے بے تکلفانہ دوستی کا شرف کبھی نہین حاصل ہوا تاہم مجھے فخر و مسرت ہے کہ مجھے اس سے شخصاً ملاقات تھی، مین اسکے فلسفہ کا قایل نہین، اور نہ اسکے اصول کا متبع ہون، تاہم مین اپنے خزانۂ حافظہ مین اسکی یادداشتون کو نہایت عزیز رکھتا ہون میری نوعیت حیات اپنی تشکیل و تعیین مین اسکے اثرات سے کافی متاثر ہوئی، اور مین پاتا ہون کہ بعض دفعہ بلا قصد و اضطرارًا بھی اسکے خیالات کو دہرانے اور اُسکی زبان بولنے لگتا ہون،

ملکہ وکٹوریا آج زندہ نہین اور نہ اسکے عہد کے مشاہیر رجال زندہ ہین، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اسکا عہد آج اس سے زیادہ فراموش شدہ ہے، جتنا ملکہ این (متوفیہ ۱۷۱۴ء) کا ہے، یہ خیال ایک حد تک ضرور صحت و سنجیدگی رکھتا ہے، اور جس حد تک صحیح ہے تاریخ کے عجائبات مین داخل ہے یہ تجربۂ تاریخی بار بار تجربہ مین آتا رہتا ہے کہ "حال" کی ذہن مین جو شے سب سے زیادہ فراموش شدہ ہوجاتی ہے وہ ماضی بعید نہین بلکہ ماضی قریب ہی ہوتا ہے، "آج" سب سے زیادہ "کل" ہی کا دشمن ہوتا ہے، اِدہر ہم اپنے مُردون کو دفن کرکے آئے، اور اُدہر جدید احباب پیدا کرلئے اور اپنے روزانہ مشاغل مین منہمک ہوگئے، شراب کہنہ کی طرح مشاہیر رجال کی شہرت کو بھی پختگی تک پہنچنے مین کافی عرصہ لگتا ہے، اور قبل اسکے کہ انکی پختگیٔ شہرت کا زمانہ آے ہم خود ہی دنیا سے رخصت ہوجاتے ہین (اسلئے عظمت و کمال کا اندازہ کئی نسلون کے بعد جاکر ہوتا ہے،

اسپنسر کی بابت مین نے کئی برس ہوے ایک مضمون لکھا تھا، اور اسوقت مین یہ سمجھتا تھا کہ اسکے خاص خاص واقعات سب کو معلوم ہین، لیکن آج کی صحبت مین انہین کو مختصرًا بیان کردینا چاہتا ہون، اسپنسر کے آبا و اجداد ڈربی کے سیدھے سادھے دیہاتی تھے، ایک زمانہ مین اُنکے

پاس کچھ جائداد تھی، مگر رفتہ رفتہ وہ ہاتھ سے نکل گئی، اور اسپنسر کے دادا نے اپنے قصبہ مین ایک چھوٹا سا مدرسہ اپنی معاش کے لئے قائم کیا، اسپنسر کے والد جارج اسپنسر ایک بدقسمت شخص تھے، بیسون کام اُنھون نے شروع کئے، مگر کامیابی کسی مین بھی نہ ہوئی، اس زمانہ مین ایجاد و اختراع کی گرم بازاری تھی اور اُنھون نے بھی اختراع کی کوشش کی، پہلے کئی برس اُنھون نے فیتہ سازی کی کل بنانے پر اپنا سارا سرمایہ اور وقت صرف کیا، لیکن کچھ نہ حاصل ہوا، اس کے بعد چرم سازی، پیمائش زمین اور مذہبی گروہ مین داخل ہونیکی دھن رہی، با آخر اُنھون نے ایک مدرسہ کھول لیا کہ اکثر ناکام و نااہل افراد کا آخری سہارا یہی ہوتا ہے، لیکن باایں ہمہ وہ بالکل بے مغز یا نااہل نہ تھے، انکی درسی تعلیم برائے نام تھی، لیکن اُنھون نے اپنی ذاتی کوشش سے خوب معلومات بہم پہنچائے تھے، خصوصاً سائنس سے متعلق، اور برابر علل و اسباب کے کھوج مین لگے رہتے تھے، اپنی رائے پر بڑی مضبوطی سے اڑے رہنے والے، بحث مین کبھی ہار ماننے والے خود احکام ضمیر کے پابند، مگر دوسرون پر بڑی نکتہ چینی کرنیوالے، کسی کی حکومت نہ سہنے والے تقلید سے متنفر، اور دوسری طرف قوت عمل مین کمزور، اور ظرافت، بذلہ سنجی اور فنون لطیفہ کے ذوق سے یکسر معری، یہ انکی خصوصیات زندگی کا خلاصہ تھا،

اسپنسر کا ننہالی خاندان ایک بالکل دوسری طرز کا تھا، سولھوین صدی کے آخر زمانہ مین بہت سے بیرونی خاندان نواح اسٹربرج مین آکر آباد ہو گئے تھے، مثلاً لورین (فرانس) کے کمہار الوہیمیا کے شیشہ ساز، اور اس سے پہلے اہل نارمنڈی کا ایک معزز خاندان ان سب نو آبادون نے باہم گررشتۂ ازدواج قائم کیا، اور اسپنسر کی والدہ اسی مشترک و مخلوط نسل کی رکن تھین، یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس طرح فولاد کسی نادر دھات کے مل جانے سے اپنی خوبیون مین کئی گنا بڑھ جاتا ہے، اسی طرح شجرۂ نسب مین بیرونی خون کی آمیزش سے غیر معمولی آب تاب

پیدا ہو جاتی ہے، اسپنسر کو اپنے نسب پر بہت ناز تہا، لیکن میرے نزدیک وہ جتنی اہمیت اپنے اسلاف کی حریت پسندی و پابندی ضمیر وغیرہ کی سمجھتا تہا، اتنی اپنے شیشہ ساز اجداد کی کمال دستکاری کی نہین سمجھتا تہا،

اسپنسر کی ابتدائی خانگی زندگی بالکل ہی خشک و محدود قسم کی تھی، اسکے والد گرفتار افلاس تھے، گھر مین مسرت وشادمانی کا نام نہ تہا اور تقریبات مسرت ایک طرف دوست احباب تک کا وجود عنقا تہا، لیکن اسپنسر کے دادا اور چچا صاحبان بڑے ہی "بحاث" اور مناظرہ پسند تھے ملک مین اسوقت کاروباری حیثیت سے زلزلہ آیا ہوا تہا، اس زمانہ مین یہ حضرات ہر قسم کے سیاسی، مذہبی و معاشری مسئلہ پر خوب جی کہول کر مناظرہ کرتے رہتے تھے، اور اسپنسر کو اس لفظی جنگ آزمائی مین شرکت کے مواقع بچپن ہی سے ملنے لگے، اسکی تعلیم کا اصلی بار ایک چچا کے سر پڑا، اور یہ تعلیم تہی ہی کیا ؟ ابتدائی ریاضی، لاطینی ویونانی کی ابجد (جسے اپنے مذاق طبیعت سے بالکل متغایر پاکر کچھ ہی عرصہ مین اس نے چھوڑ دیا) ڈرائینگ اور انگریزی انشا کے ذرا اونچے اسباق، بس یہی اسکی تعلیم کی کل کائنات تھی، بچپن کی اس بے توجہی وکم استعدادی کی تلافی اس نے سن رشد پر پہنچکر جس مستعدی وشغف کے ساتھ کی وہ حیرت انگیز ہے، ابھی اسکا سن کل سترہ برس کا تہا کہ اُسے لندن اینڈ برمنگھم ریلوے کے دفتر انجینیری مین نقشہ نویسی کی جگہ مل گئی، ریل سازی کا خبط اُسے نیا نیا شروع ہوا تہا، اور ہر طرف اسی کا زور وشور اسیکی چیخ وپکار تھی، چنانچہ کچھ ہی روز کے بعد اس نوآموز انجینیر کے تحت مین (اسّی) آدمی کام کر رہے تھے جو ہیررووڈ کے پل کی تیاریون مین لگے ہوئے تھے، چار سال تک اسکی زندگی بھی اسی تعمیری خبط کے لئے وقف رہی، آگے چل کر اسے خود اس تضییع وقت پر افسوس رہا، اور وہ اس زمانہ کو اپنے زندگی کے بیکار حصہ سے تعبیر کرتا رہا، تاہم یہی وہ زمانہ ہے جسمین اسکے قوی اپنی پختگی کو

پہنچے، ذہن کی پوری تربیت ہوئی، اور اس سے بڑھکر یہ کہ انجنیر و معمار کا مذاق طبیعت امین راسخ ہوا، جسکا اثر یہ ہوا کہ آیندہ وہ واقعات عالم کو بھی میکانکی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا خوگر ہو گیا،

بالآخر اسپنسر اس مشقت سڑک سازی سے اکتا گیا، اور اپنے والد کی خدمت کی غرض سے اس ملازمت سے استعفا دیدیا، والد بزرگوار اسوقت ایک برقی مشین کی تیاری کی ذہن مین تھے لیکن اسکا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پیشتر دوسری اختراعات کا ہوچکا تھا یعنی یہ مشین بھی نہ چل سکی، اب ریلوے سازی کا ضبط ملک مین سرد پڑچکا تھا، روزگار کا ملنا دشوار ہو گیا تھا اور انیسوین صدی اپنی چوتھی دہائی مین قدم رکھ چکی تھی، جو افلاس و ناداری کا دور تھا مجبوراً ہربرٹ اسپنسر نے لندن مین آکر قیام اختیار کیا کہ اپنے قلم کے ذریعہ سے کچھ پیدا کرین، اسوقت اسکی عمر ۲۳ سال کی تھی، اسکے اس دور زندگی کا ابتدائی حصہ بہت ہی افسوسناک ہے، مضامین واپس آنے لگے، قدر دانی کیا معنی، کوئی بات تک نہ پوچھتا تھا، اور مفلسی کا چارون طرف سامنا تھا، لیکن اسکا استقلال بے نظیر تھا، اور محنت و جفاکشی مین کبھی کمی نہ آئی، اس نے چھوٹے چھوٹے مختراعات تیار کرنے شروع کیے، اور حیرت یہ ہے کہ انہین سے اسے مالی منافع بھی ہونے لگے، خاصکر ایک الپین کے ایجاد و اختراع سے توجو طومار کاغذات کی شیرازہ بندی کے لیے اٹھی، اسے دہ پونڈ حاصل ہوئے! اسی درمیان مین اسے کبھی کبھی انجنیری کا کام بھی ملتا رہا، اور بعض اخبارات بھی خبرون کی ترتیب وغیرہ مین اس سے اجرت پر کام لیتے رہتے، غرض کسی نہ کسی طرح وہ بغیر کسیکا دست نگر ہوئے اس زمانہ مین اپنی گذر کرتا رہا، اور فرصت کے اوقات نکال کر پڑھنے اور لکھنے کے مشاغل بھی جاری رکھے،

اسپنسر کی عمر جب ۳۰ سال کی ہوئی تو اس نے اپنی پہلی تصنیف سوشل اسٹیٹکس شایع کی

جامعیت و ہمہ گیری، جسکی سعی وہ اپنی ہر آیندہ تصنیف مین کرتا رہا، اسکی جھلک اس پہلی تصنیف مین بھی نمایان ہے، اس کتاب کا موضوع ایک نظام اخلاق کو پیش کرنا تھا، جسکی تفصیل و تکمیل اس نے بعد کو اپنی پرنسپلز آف ایتھکس مین کی، اخلاق کی تعریف اس نے یہ کی کہ وہ ضبط و منع کی چند دفعات کے مجموعہ کا نام نہین بلکہ اس نظام کا مفہوم آزادی کے اُن حدود کو متعین کرنا ہے جنکے مطابق عمل کرنے سے مقاصد حیات پورے لطف و لذت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہین، گویا محکومی و اطاعت نہین، بلکہ آزادی عمل، حقوق انسانی کی اہم ترین دفعہ، اور حیات انسانی کی غایت اصلی ہے، مسئلۂ ارتقا کی داغ بیل اسی کتاب سے پڑی، اور کلیۂ بقاے اصلح کی بھی، جسکے معنی یہ ہین کہ نسل کے قوی تر عناصر باقی اور ضعیف تر فنا ہوتے رہتے ہین، ابتدائی تشریح اس کتاب مین ملتی ہے، نیز انسان اور موجودات کے باہمی فعل و انفعال تاثیر و تاثر، اور تشکیل ہیئت اجتماعیہ (یہ نظریہ اگرچہ ارسطو بیان کر چکا تھا لیکن اسپنسر کا بیان اس سے ماخوذ نہین،) کی تصریحات (بھی) کتاب مین ملتی ہین، اس کتاب کا شمار اسکی اعلیٰ تر تصانیف مین نہین، تاہم اس نے ایک خاص امتیاز بہت جلد حاصل کر لیا، اسپنسر کے متبعین و مخالفین اسی وقت سے پیدا ہونے لگے، جنکا سلسلہ آخر وقت تک قائم رہا، چند ہی سال کے بعد ہندوستان کے ایک بڑے عہدیدار نے اسپنسر کو یقین دلادیا کہ ہندوستان کے ایک بڑے صوبہ کی حکومت تمامتر اسکی اسی کتاب کے اصول و قوانین کے مطابق کیجاتی ہے۔

اسکی کتاب جس دارالاشاعت سے شایع ہوئی تھی، وہان ہر ہفتہ ارباب علم کا مجمع ہوا کرتا تھا، اسپنسر کی آمد و رفت وہان شروع ہوئی، اور چند ہی روز مین اسکی شہرت لندن کی علمی دنیا مین پھیل گئی، اب اسکی زندگی ایک بے یار و آشنا گوشہ نشین کی زندگی نہ تھی، بلکہ اب اُسے اپنے حلقۂ احباب مین جارج ایلیٹ[1] و لوئیس[2]، اوین[3] و ہکسلے[4]، فاربس[5] و ہوکر[6]، بین[7] و میسن[8] کے

شمار کرنیکا شرف حاصل تھا، چند روز اور گذرے اور وہ علمی دنیا کے ہر ممتاز رکن سے نہ صرف روشناس تھا، بلکہ خود اسکا بھی شمار اسی جماعت میں تھا، اسپنسر نے جس سرعت سے معاشرتی عزت میں ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے اسے احباب آفرینی میں کمال حاصل تھا، تاہم اسکی ذمہ داری ایک حد تک اسکے معاصرین کی علمی فراخدلی پر ہے، اسوقت کی دنیا موجودہ دنیا سے چھوٹی تھی، علم کی قدر زیادہ اور دولت کی وقعت کمتر تھی، ممکن ہے میری رائے غلط ہو لیکن میں اپنی جگہ پر تو یہ باور نہین کرسکتا کہ آج بھی ایک مفلس و گمنام نوجوان اس آسانی سے اپنے معاصرین سے ہمدردی و عزت حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے،

یہان اسکی حاجت نہین کہ ان تمام تصانیف کا خلاصہ بیان کیا جاے، یا انکے نام ہی شمار کردیئے جائین، جنکا سلسلہ ۱۸۵۵ء مین پرنسپلز آف سائیکالوجی (اصول نفسیات) سے شروع ہوا، یہ نظام فلسفہ ترکیبی کی سلسلہ کی پہلی قسط تھی، بعد مین آگے چلکر اصول اولیہ کے شمول کے ساتھ اصول حیاتیات، اصول نفسیات، اصول عمرانیات، اصول اخلاقیات کے مجلدات تیار ہوئے،

اس سارے نظام فلسفہ کا مرکز مسئلہ ارتقا ہے، ممکن ہے کہ اسکا تخم اسپنسر کے دل میں لایل کی اصول ارضیات کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، (جبسے اس نے اپنی ملازمت ریلوے کے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۱؎ انگلستان کی مشہور ناول نویس خاتون، جسکے ناولون مین فلسفۂ سیرت بشری کی بہترین عقدہ کشائی ملتی ہے، ۲؎ اول الذکر کا شوہر، فلسفہ و سائنس، ادب و شاعری کا ایک ممتاز عالم، ۳؎ علم الحیات کا ماہر، ۴؎ علم الحیات اور سائنس کے دیگر اصناف کا استاذ الاساتذہ،

۵؎ سائنس کا عالم، ۶؎ نباتات کا مشہور ماہر،

۷؎ فلسفہ، نفسیات، و منطق کا ایک نامور عالم ۸؎ منطق کا پروفیسر، (معارف)

زمانہ مین خرید کیا تھا) جیساکہ ڈارون کے دل مین اس معرکۃ الآرا تصنیف کے مطالعہ سے پیدا ہوا تھا، کچھ روز کے بعد ڈارون کی تصنیف اصل الانواع شایع ہوئی، اسپنسر اسکی تعلیمات کے لئے نہ صرف تیار رہتا، بلکہ بعض حیثیات سے اس سے چند قدم آگے تھا، جس طرح ڈارون اپنے نظریات کو حیاتی وحیوانی مسایل پر روز افزون شرح وبسط کے ساتھ چسپان کرتا رہا، اسی طرح اسپنسر نے مدۃ العمر اپنی توجہ ارتقا کے نفسیاتی، معاشرتی واخلاقی پہلوؤن کی توضیح وتشریح پر مصروف رکھی،

اسپنسر کی تصانیف کے بعض مقامات اگر آج پایۂ تحقیق سے ساقط نظر آتے ہین تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسی شمع سے صدہا مشعلین اتبک روشن ہو چکی ہین، علم الحیات کے محققین آج ڈارون کی تحقیقات کو کب وحی والہام کے مرتبہ پر رکھتے ہین؟ درآنحالیکہ چند سال پیشتر تک اسکی تصانیف پر سب بے چون وچرا ایمان رکھتے تھے، باایں ہمہ علم الحیات کی عمارت کی بنیاد آج بھی ڈارون ہی کی تحقیقات ہے، یہی حال اسپنسر کا بھی ہے، اسکی تصانیف کا آج شاذ ونادر مطالعہ کیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح کہ جیسے دیڈرو اور روسو کا مطالعہ متروک ہوگیا ہے اور ہمین کوئی خاص تکلیف محسوس نہین ہوتی، لیکن اگر اسپنسر اور ان دونون کا وجود نہوا ہوتا تو آج کونسی کتابین قابل مطالعہ ہوتین،

ارتقا کا ناگزیر و ناقابل انتہا سلسلہ کائنات کے ہر شعبہ مین عامل ہے، جس سے فلسفہ مستثنیٰ نہین، ہر دور مین ایک جدید فلسفہ رواج پاتا ہے، اور پچھلے دور کا فلسفہ متروک ہو جاتا ہے، لیکن آزادیٔ خیال انسان کا ایک مسلم فطری حق قرار پا چکی ہے، اب اس سے اسے کوئی محروم نہین کرسکتا، اور انیسوین صدی کا یہ کارنامہ عقلیت جسقدر ڈارون و اسپنسر کا ممنون ہے، کسی اور کا نہین، اسپنسر کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ اسکی عقلیت اور فلسفہ ارتقا کے

ماوراء اسرار کا وجود ہی نہین، بلکہ ہکسلے کی طرح وہ ان چیزون سے متعلق خاموش و مصالحانہ لاادریت کا عقیدہ رکہتا تہا، اور ان مسائل کو اپنے دائرۂ تحقیقات وفہم سے مافوق سمجہتا تہا،

اسپنسر نے عمر طبعی کو پہنچکر، اور ہر قسم کا اعزاز حاصل کر چکنے کے بعد وفات پائی، اسکے انتقال پر انگلستان کے اکثر مشاہیر نے جنمین ہر طبقہ، ہر عقیدہ، اور ہر جماعت کے افراد شامل تھے، اور احباب ومعتقدین نے بہ الحاح درخواست کی کہ اس نامور کی خاک کو قومی قبرستان ویسٹ منسٹر ایبے کے ایک گوشہ مین جگہ دیجائے تاکہ دیگر مشاہیر وطن کے پہلو مین اسکی بھی دائمی یادگار قائم رہے، لیکن یہ استدعا منظور نہوئی، دفن کے بعد ایک عالم و فصیح البیان شخص لارڈ کورٹنے نے ایک موثر و دلاویز تقریر کی، جس سے بہتر تعزیتی تقریر کبھی نہ ہوئی تھی، لارڈ موصوف نے اسپنسر کے ان ذہنی کمالات کو بیان کیا جن سے اسے محبوبیت حاصل ہوئی تھی، جن اشخاص سے اسکی مستحکم دوستی تھی، جن مکانات مین وہ ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ مہمان بنایا جاتا تہا، اسکے پیش نظر کام کی عظیم الشان وسعت، اسکی ان تہک محنت و جفاکشی، کام کی تکمیل پر اسکی مسرت ارتقاء کائنات سے متعلق اسکی محققانہ و ہمہ گیر نظریہ، انسان کی حریت شخصی سے متعلق اسکی بیدو جہد اسکی حق پرستی، مسائل حیات کی گرہ کشائی مین اسکی عالی ہمتی اور انکسار، اور آخر مین غیبیات (The Unknowable) کے دائرۂ فہم مین نہ آسکنے، وہ ازلی و ابدی قانون پر محیط ہونے سے عاجز رہنے اور "ابدی" "لا متناہی" کے حضور مین خاموشی پر قناعت کرنیکا اعتراف ان مین سے ایک ایک چیز کا لارڈ موصوف نے ذکر کیا،

ان الفاظ کا ہم بمسرت اعادہ کر کے اسپنسر کی سادہ زندگی اور مفید خدمات کو یاد کرتے اور اسکے نام کے آگے سر نیاز جہکاتے ہین،

(لٹریری گائڈ)

باب التقریظ والانتقاد

الاستدلال

مصنفہ پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دار المصنفین

دنیا کے تمام علوم وفنون کی طرح فن منطق نے بھی تدریجی طور پر ترقی کی ہے، ابتداءً وہ جس بسیط حالت مین تھا اسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب افلاطون نے انسان کی یہ تعریف کی کہ "وہ ایک حیوان ہوتا ہے جسکے دو پاؤن ہوتے ہین اور پر نہین ہوتے" تو حکیم دیوجانس کلبی نے ایک بال و پر شکستہ مرغ لاکر اسکی مجلس مین چھوڑ دیا اور کہا "یہ افلاطون کا انسان ہے" لیکن افلاطون کے بعد ہی اس فن نے حیرت انگیز ترقی کی، اور ارسطو نے اسکو ایک مستقل کتاب کی صورت مین مدون کیا جسمین آٹھ باب تھے، اور ہر باب ایک مستقل موضوع پر مشتمل تھا، ارسطو کے بعد مسلمانون نے اسمین بعض خاص تغیرات کئے، جنمین سب سے بڑا تغیر یہ تھا کہ خطابت، شاعری، اور جدل جو درحقیقت منطق کے اجزاء نہ تھے، اور جنکو ارسطو نے منطق مین داخل کر دیا تھا انکو خارج کر دیا، اور مقولات عشرہ کی بحث کو بھی جو الٰہیات سے متعلق تھی منطق سے نکالدیا، اسکے علاوہ بعض خاص مباحث کا اضافہ بھی کیا مثلاً عکس نقیض کی بحث جو منطق ارسطو مین سرے سے موجود نہ تھی، مسلمانون نے اضافہ کی، اور قیاس شرطی جو ارسطو کے ہان بالکل نہ تھا بوعلی سینا نے ایجاد کیا، ان تمام باتون کے ساتھ ایک سب سے بڑا تغیر یہ کیا کہ اس فن کے دو حصے قرار دیئے تصورات اور تصدیقات، جس سے اس فن کی صورت بالکل بدلگئی، لیکن یورپ کی حیرت انگیز

قوت ایجاد و اختراع نے اسمین اور بھی برگ و بار پیدا کئے، اور بیکن نے منطق کی ایک نئی شاخ ایجاد کی جو منطق عملی یا استقرائی کے لقب سے مشہور ہے، بظاہر ہے کہ جب ہم کسی دعوی کی دلیل بیان کرتے ہین تو اسکی دو صورتین ہوتی ہین، ایک تو یہ کہ ہم ابتدا ہی سے چند ایسے اصول بیان کرتے ہین جو مسلمات عامہ مین داخل ہوتے ہین، اور انکی بنیاد پر ثابت کرتے ہین کہ فلان نتیجہ ان سے ضرور لازم آتا ہے، یہ طریقہ استخراج کہلاتا ہے، مثلاً زید فانی ہے کیونکہ یہ قانون کہ انسان فانی ہے مسلم ہے، اور زید اسی قانون کے تحت مین داخل ہے، اس صورت مین پہلے مقدمات مذکور ہوتے ہین اور پھر نتیجہ اسلئے ذہن کا عمل اوپر سے نیچے کو اترتا ہے، بخلاف اسکے دلیل کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ذہن کا عمل نیچے سے اوپر کو چڑھتا ہے یعنی پہلے ایک جزئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور پھر اسکے قانون کلی کی جستجو کیجاتی ہے، یہ طریقہ استقرار کہلاتا ہے، اگرچہ اسمین کوئی شبہہ نہین کہ استخراج و استقرار کا مقصد بالکل متحد ہے اور دونون مین مفرد اور جزئی واقعات کے ذریعہ سے قواعد کلیہ دریافت کئے جاتے ہین تاہم چونکہ یہ دونون طریقے بالکل الگ الگ ہین، اسلئے اہل یورپ نے منطق کو انہی دو حصون پر جدا جدا تقسیم کر دیا ہے منطق استخراجی مین منطق قدیم کے اکثر مسائل شامل ہین جنکی انتہا قیاس کی بحث پر ہوتی ہے قیاس سے آگے منطق استقرائی کی حد شروع ہو جاتی ہے جسمین استقرار تمثیل، اور مغالطہ وغیرہ سے بحث کیجاتی ہے، یہی حصہ ہے جسکی ایجاد کے اہل یورپ مدعی ہین، اور جسپر انکو اسقدر ناز ہے کہ وہ مسلمانون کے تمام کارنامہاے زرین پر پانی پھیر کر انکو صرف ارسطو کی گاڑی کا قلی کہتے ہین، لیکن ایا درحقیقت یہ دعوی صحیح ہے؟ کیا استقرار منطق کی کوئی علحدہ شاخ قرار پا سکتا ہے؟ اور کیا اسکا وجود قدیم منطق مین کہین نہین ہے؟ جو لوگ دنیا کی ہر چیز کو یورپ کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہین وہ اسکا جواب اثبات مین دینگے، لیکن جن نگاہون پر یورپ کی کورانہ تقلید کا پردہ

نہین پڑا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس دعوی کو سُننے کے لئے تیار نہین، بیکن نے بے شبہہ استقرار کی بحث کو زیادہ پھیلا کر لکھا ہے، لیکن اس سے نفس فن پر کیا اثر پڑا؟ استقرار کی بحث پہلے بھی منطق کا ایک ضروری حصہ تھی اور اب بھی ہے، فرق صرف اسقدر ہے کہ پہلے اُس وضاحت، اس تفصیل، اور اس جامعیت کے ساتھ نہ تھی جیسی آجکل پائی جاتی ہے، اس بنا پر اسکو منطق کی کوئی جدید قسم قرار دینا صحیح نہین ہے، ارسطو نے قیاس کے اقسام مین صرف حملیات سے بحث کی تھی، مسلمانون نے اسپر بالکل جدید قسم (یعنی شرطیہ) کا اضافہ کیا، تو کیا انکا یہ دعوی صحیح ہوسکتا ہے کہ انھون نے ایک جدید منطق ایجاد کی؟ کسی فن کی ایجاد اور چیز ہے اور اسکے کسی خاص باب پر اضافہ کرنا اور بات،

لیکن ابھی تک اصل عقدہ حل نہین ہوا، ہمارا دعوی یہ ہے کہ یورپ نے استقرار مین اصولی حیثیت سے کوئی اضافہ نہین کیا، قدیم منطق مین استقرار کے دو طریقے مذکور ہین، استقرار تام اور استقرار ناقص، استقرار تام اسکو کہتے ہین جسمین کسی خاص واقعہ کے متعلق متعدد تجربات کرکے ایک قاعدہ کلیہ قائم کیا جائے، اور استقرار ناقص وہ ہے جسمین چند مثالون کو دیکھکر ایک قاعدہ کلیہ بنالیا جائے، قدیم منطق مین انہی طریقون کو پھیلا کر لکھا گیا ہے، لیکن جدید منطق مین انکی ایسی تحلیل کیگئی ہے جسپر خارج از بحث ہونے کا الزام قائم ہوسکتا ہے، مثلاً یہ ظاہر ہے کہ استقرا[illegible] ذریعہ سے جو قضیہ دریافت ہوگا وہ مشاہدہ اور تجربہ کے وساطت سے ہوگا، قدیم منطق مش[illegible] اور تجربہ کو نظر انداز کردیتا ہے، لیکن جدید منطق مین ان پر بھی بحث شروع ہوجاتی ہے، اسی [illegible] تصدیق، قیاس، اور تمثیل وغیرہ قدیم منطق مین بالکل جداگانہ چیز ہین، اور انسے استقرا[illegible] عنوان مین بحث نہین کیجاتی ہی لیکن جدید منطق مین ان سب سے بحث ہوتی ہے جو نہایت بر[illegible] غلط مبحث ہے، اور تو اور تمثیل جو قدیم منطق مین بالکل مستقل چیز ہے اسکو جدید منطق نے استقرا[illegible]

داخل کردیا ہے جو تاریخ منطق کا نہایت افسوسناک واقعہ ہے، اسی طرح علت ومعلول کی بحث جو درحقیقت فلسفہ سے تعلق رکھتی ہے اسکو بھی منطق استقرائی مین جگہ دیگئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استقرا کی بحث مین یورپ نے اصولی حیثیت سے کوئی اضافہ نہین کیا، بلکہ قدیم منطق اور فلسفہ کے چند ابواب کو لیکر استقرا مین داخل کردیا ہے،

بہرحال استقرا منطق کی کوئی جدید قسم ہو یا نہو کتاب زیر ریویو مین اسکو اسی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اور چونکہ کتاب کا مقصد منطق کو جدید پیرایہ مین لانا ہے اسلئے مصنف کی کوشش ہر طرح قابل داد ہے، مصنف نے طرز بیان نہایت سادہ اور جیس اختیار کیا ہے، اور تمام مسایل نہایت خوبی سے سمجھائے ہین، جن سے طلبہ اور اردو دان پبلک کی معلومات مین اضافہ ہوسکتا ہے،

مصنف کو متعدد مواقع پر وضع اصطلاحات کی بھی ضرورت پڑی ہے اور انھون نے اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا ہے، لیکن کہین کہین فروگذاشتین بھی ہوگئی ہین مثلاً انھون نے عرض لازم اور غیر لازم کو فارق لکھا ہے یا مثلاً توزیع کو اصطفاف لکھا ہے وغیرہ وغیرہ، بایں ہمہ یہ تمام فروگذاشتین جزئی حیثیت رکھتی ہین، اور ہمکو کلی حیثیت سے بحث ہے اور اس حیثیت سے یہ کتاب اردو زبان مین اپنی آپ نظیر ہے،

اخبار علمیۃ

صوبہ متحدہ کے سررشتہ تعلیم نے سال آیندہ سے اپنے ان فارسی و عربی کے چند امتحانات قائم کئے ہین، جنکے اسناد عطا کئے جائینگے، یہ امتحانات تعداد مین چار ہین جنمین سے ایک فارسی کا ہے اور باقی عربی کے ہین، فارسی امتحان کے بعد منشی کی سند ملیگی، اور عربی امتحانات کے بعد مولوی، عالم، اور فاضل کی، امتحانات الہ آباد مین ہر سال مارچ مین ہونگے، مدت تعلیم ہر امتحان کے لئے دو سال کی ہے، امتحانات کے رجسٹرار، انسپکٹر صاحب مدارس عربی الہ آباد ہین، جن سے مزید تفصیلات معلوم ہوسکتے ہین،

منشی کے امتحان ہین آبحیات (آزاد مرحوم) واقعات کربلا (انیس) شعر العجم جلد پنجم (علامہ شبلی) درس الادب (مولانا سید سلیمان) حدائق البلاغت وغیرہ داخل درس ہین، مولوی کے نصاب درس مین کافیہ، بی، اے کورس عربی، الہ آباد یونیورسٹی، شرح تہذیب، شرح وقایہ، ترمذی، جلالین وغیرہ ہین، عالم کا امتحان متنبی، مختصر المعانی قطبی، شرح ہدایت الحکمۃ، نور الانوار، ہدایہ، بیضاوی وغیرہ مین ہوگا، فاضل کے کورس ہین حریری، بدیعی، حماسہ، اسرار البلاغت ابو داؤد، موطا امام محمد، نسائی، بخاری، مسلم، بیضاوی، مسلم الثبوت، ملل والنحل شہرستانی وغیرہ کے علاوہ درسیات طب نفیسی، شرح اسباب، کامل الصناعۃ، کلیات و معالجات، وحمیات قانون بھی شامل ہین، شیعہ طلبہ کے لئے کتب دینیات اس نصاب سے علیحدہ ہین، فاضل کے امتحان مین ادب، دینیات، وطب ہین سے صرف ایک شعبہ کا انتخاب کرنا ہوگا،

دارالسلطنت جاپان (ٹوکیو) میں جو مخصوص درسگاہ السنۂ غیر (اسکول آف فارن لنگویجز) کے لئے قائم ہے، اسمین مختلف زبانوں کے طلبہ کی تعداد حسب ذیل ہے: -

زبان	تعداد طلبہ
انگریزی	۴۳۹
اسپینی	۱۰۹
چینی	۱۰۵
فرانسیسی	۹۶
جرمن	۹۴
روسی	۵۸
منگولی	۸

ایک انگریزی پرچہ لکھتا ہے کہ ان اعداد سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جاپان کے سیاسی وتجارتی تعلقات کس قوم کے ساتھ کس درجہ تک ہیں، جنگ سے قبل جرمن زبان کے طلبہ کی تعداد بہت زاید تھی،

سر چارلس بیلنس نے ایک لکچر مین بیان کیا ہے کہ اعصاب انسانی اگر مجروح یا از کار رفتہ ہو جائین تو انکے علاج کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہین نکال کر انکے بجاے کسی حیوان کے جسم کے مساوی جسامت کے تازہ اعصاب لگا دیئے جائین، اس طریقہ سے مریض یا مجروح اعصاب کا انسان بالکل اچھا ہو جائیگا -

---

کرہ ارض کی عمر کے بابت علماء سائنس مین ہمیشہ اختلاف رہا ہے، امریکہ کے ایک مستند ماہر ارضیات (جیالوجسٹ) کے تازہ تخمینہ کے مطابق کرہ ارض پر اسوقت تک تین دور گذر چکے ہین، اور اسوقت چوتہا دور ہے، ان ادوار اربعہ کی حسب ذیل مدت اسکے تخمینہ مین گذر چکی ہے،

دور اول	۳ کرور ۶۰ لاکہہ سال
دور ثانی	۲ کرور ۴۰ لاکہہ "
دور ثالث	۹۰ لاکہہ "
دور رابع (موجودہ)	۳۰ لاکہہ "

انگریزی کا ایک ادبی رسالہ لکہتا ہے کہ مختلف ممالک مین موسومہ ذیل اخبارات اول بار فلان فلان زمانہ مین شایع ہوئے ہین،

ملک	اخبار	زمانہ	کیفیت
انگلستان (شہر لندن کے لئے)	انگلش مرکری	سنہ ۸۳ھ	اسپین نے اس زمانہ مین انگلستان پر بڑا زبردست بحری حملہ کیا تہا جس سے ملک مین سخت سراسیمگی پہیل گئی تھی، اس اخبار کا مقصد اجرا بے بنیاد افواہون کی تردید تھی،
اسکاٹ لینڈ	مرکیورس پالیٹکس	سنہ ۱۶۵۳ء	اول الذکر کا گویا مثنیٰ ہوتا تہا ۔
انگلستان (بیرونی اضلاع کے لئے)	نارودش پوسٹمین	سنہ ۱۷۰۶ء	
اٹلی	گزٹ	سنہ ۱۶۲۰ء	

ملک	اخبار	زمانہ	کیفیت
امریکہ	بوسٹن نیوزلیٹر	سنہ ۱۷۰۴ء	
بمبئی	بمبئی ہیرلڈ	سنہ ۱۷۸۹ء	
بنگال	بنگال گزٹ	سنہ ۱۷۸۰ء	
؍؍	سماچار درپن (بنگالی)	سنہ ۱۸۱۸ء	(زیر سرپرستی لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل)
بمبئی	بمبئی سماچار (گجراتی)	سنہ ۱۸۲۲ء	
	باغ و بہار (اردو)	سنہ ۱۸۲۸ء	

فرانس کی ایک مشنری سوسائٹی کا جو اسوقت تک انجیل کا ترجمہ ۱۷۰ زبانون مین شایع کرا چکی ہے بیان ہے کہ دنیا مین مستقل زبانون کی تعداد چہ سو ہے،

ایک فرنچ محقق موسیو پیرو نے پیرس کی اکاڈیمی آف سائنس کے سامنے حال مین عمر آفتاب سے متعلق اپنا تخمینہ یہ پیش کیا ہے کہ آفتاب کی پیدائش کو زیادہ سے زیادہ ۶۰ لاکہہ سال کا زمانہ ہوا ہے،

موجودہ مہاراجہ بڑودہ کی علم دوستی و روشن خیالی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انکے حدود ریاست کے اندر کتبخانون کا ایک جال پھیل گیا ہے، پایۂ تخت کے مرکزی کتبخانہ مین ۷۱۰۷۷ کتابین ہین جنمین سے ۶۴۲۲۱ مطبوعہ، اور ۶۸۵۶ سنسکرت کے قلمی مسودات ہین، کتبخانہ مین ۲۲۴ اخبارات و رسائل آتے ہین اور حاضرین کا روزانہ اوسط ۴۰۰ کا رہتا ہے، شعبۂ نسوان مین

۱۷۱۴ کتابین ہین، اور دار المطالعہ ۱۸ پرچہ خرید کرتا ہے، آنے والیون کی تعداد سال گذشتہ مین ۳۳۱۸ رہی، شعبۂ اطفال مین حاضری کی تعداد پچھلے سال ۱۴۰۰۰ رہی، اضلاع اور قصبون اور قریون کے کتبخانون کا شمار ۲۳۵ ہے، اور ان مین کتابون کی مجموعی میزان اب ۲۳۴۹۶۲ تک پہنچ چکی ہے جنمین سے پچھلے سال ۲۱۶۰۶۹ کتابین لوگون کے مطالعہ مین آتی رہین، سفری کتبخانون مین سے ۱۰۲۷۵ کتابین دیہات مین پڑہی گیئن،

رایل کالج آف سرجنز کے سامنے پروفیسر کیتھ نے بیان کیا کہ ونی وسل کے امراض جس طرح آج پائے جاتے ہین، اسی طرح ولادت مسیح سے پانچ ہزار سال قبل مصر مین بھی انکا وجود تھا اور اسکا ثبوت انھون نے ان قدیم نعشون سے دیا جو انکے عجائب خانہ مین محفوظ ہین، علی ہذا آج سے پانچ ہزار سال قبل کی تحریرون مین اور وہ شرائین کی جو تشریح مندرج پائی جاتی ہے، اسکو بھی انھون نے شرح وبسط سے بیان کیا، انھون نے لوہے کی وہ کھپاچین بھی دکھلائین جن سے تقریباً سنہ ۳۵۰۰ قبل مسیح مین ٹوٹے ہوئے اعضا کی بندش کیجاتی تھی، پروفیسر موصوف کی تحقیقات اگر صحیح ہے تو جدید فن طب، تشریح وجراحی اس سے آگے نہین بڑہا ہے، جہان وہ آج سے پانچ سات ہزار سال پیشتر تھا،

ماہ گذشتہ مین انگلستان کے ایک مشہور مستشرق سر چارلس لایل کی وفات ہوئی موصوف مدت تک ہندوستان مین ممتاز ملکی مناصب پر مامور رہے تھے، سنہ ۱۸۹۸ء مین چیف کمشنر صوبۂ متوسط کے مرتبہ سے پنشن پائی، اور اسکے بعد بارہ برس تک انڈیا آفس مین کام کرتے رہے، مسلمانون کے علوم والسنہ، خصوصاً فارسی، عربی اور اردو کے وہ ایک مستند عالم خیال کئے جاتے تھے اور

شعراء عرب کے متعدد دوادین انکے تحشیہ و مقدمہ کے ساتھ شائع ہوے وہ برٹش اکاڈمی کے فیلو تھے، اور ایڈنبرا، آکسفرڈ، اسٹراسبرگ مختلف یونیورسٹیون سے ال،ال، ڈی، بی، ایچ ڈی، ڈی لٹ، وغیرہ کی اعزازی ڈگریان رکھتے تھے، انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کے آخری ایڈیشن مین ہندوستانی (اردو) لٹریچر پر مضمون انہی کے قلم سے تہا، انکی عمر ۵۷ سال کی تھی،

لیپزگ (جرمنی) کے عجائب خانہ کتب و کتبات نے حال مین اخبار نویسی و فن صحافت کے ارتقاء سے متعلق ایک نمائشگاہ قائم کی تھی، اخبارات ابتداءً طبع نہین ہوتے تھے، بلکہ کتابت ہوکر دست بدست تقسیم ہوتے تھے، اسوقت سے لیکراس زمانہ تک جب اخبارات ہفتہ وار طبع ہونے لگے، اور پھر اٹھارہوین اور انیسوین صدیون مین جو تغیرات ہوے، ان سب عہد بعہد ترقیون کا منظر اس نمائش مین پیش ہوا، سولہوین صدی کے اخبارات جنمین تازہ اکتشافات کا بیان ہے یا اپنی اصلی حالت مین، یا انکے عکس، اس نمائش کے لئے فراہم کئے گئے تھے، نمائش کی سب سے زیادہ قابل ذکر شے کولمبس کا وہ خط تہا جواس نے ۱۴۹۳ء مین لکھا تہا اور جسمین امریکہ کے دریافت ہونے کی خبر دی تھی،

---

۵ ستمبر مین نارفوک (انگلستان) مین عمرخیام، اور اسکے انگریزی شارح فٹزجیرالڈ کی برسی دہوم دہام سے منائی گئی، رباعیات خیام، مترجمۂ فٹزجیرالڈ کو ڈراما کی شکل مین تبدیل کر لیا گیا تہا، اور مقامی مشاہیر نے رباعیات کے مختلف اشخاص افسانہ کے پارٹ اسٹیج پر ادا کئے، ڈاکٹر کربائی فیلو، نیو کالج آکسفرڈ، خود خیام بنے، اور نارفوک کے پادری چارلس کینیٹ و پرنس ولیسپ سنگھ وغیرہ نے دوسرے پارٹ ادا کئے،

امریکہ نے جب گذشتہ جنگ مین شرکت کا اعلان کیا تو جرمنی کے ارباب حل وعقد اسکی شرکت کو قابل مضحکہ سمجھے اور انھون نے علانیہ اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ امریکہ کی ناآشناے فن حرب قوم کا چند ماہ کے عرصہ مین جنگ عظیم کے شرکت کے قابل ہوجانا ناممکن ہے، لیکن امریکی فوج کے عملی کارنامون نے ثابت کردیا کہ وہ حربی حیثیت سے کسی دوسری فوج سے پست تر نہین، اس اعجاز کا حال امریکی اخبارات نے حال مین شایع کیا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جونہی امریکہ نے شرکت جنگ کا اعلان کیا، سپاہیون کی بھرتی اور انکی تعلیم وتنظیم کا سارا کام امریکہ کے مشاہیر علماء نفسیات کی ایک جماعت کے سپرد کردیا گیا، میجر برکس اس جدید محکمہ کے افسر اعلی تھے، اور امیدوارون مین سے سپہگری کے لئے موزون ومناسب اشخاص کے انتخاب کا کام ملٹری سائیکالوجی (نفسیات حربیہ) کے دار العلوم کے اساتذہ کے سپرد تھا، پہلے عام امیدوارون کے انبوہ مین سے نااہل وناموزون افراد چھانٹ چھانٹ کر الگ کردیئے جاتے تھے، پھر جتنے افراد لے لئے جاتے تھے، ان مین سے کرنل اسکاٹ ان افراد کو مختلف شعبون مین الگ الگ تقسیم کرتے تھے، جو کسی خاص شعبہ کے لئے مخصوص اہلیت وصلاحیت رکھتے تھے، اور انتخاب وتقسیم کا یہ سارا کام مختلف نفسیاتی تجربات واختبارات کے ماتحت انجام پاتا تھا، اس طرح جتنے افراد منتخب ہوے وہ اپنے اپنے کام کے لئے بہترین صلاحیت واہلیت رکھتے تھے، امریکی نفسیات حربیہ کے اس حیرت انگیز کارنامہ نے فن نفسیات کی عظمت ورفعت کا ایک اور نقش یورپ وامریکہ کے قلوب پر بٹھادیا ہے،

ایک سائنٹفک رسالہ لکھتا ہے کہ ابتداے سنہ مسیحی سے لیکر اب تک دنیا کے مختلف اقطاع مین کوہہاے آتشین کی آتش فشانیون اور زلزلون کے حسب ذیل نہایت اہم

واقعات وقوع مین آچکے ہین :-

۷۹ء، شہر پامپئی (رومہ) کوہ ویسو ویس کی آتش فشانی سے برباد ہوگیا،

۱۱۶۹ء، کوہ اٹنا کی آتش فشانی سے کیٹینیا (اٹلی) برباد ہوگیا، اور پندرہ ہزار نفوس ہلاک ہوئے،

۱۶۹۲ء، زلزلہ سے بندرگاہ پورٹ رایل (جمائیکا) ۴۰ فٹ نیچے دہنس گیا اور تین ہزار آدمی ہلاک ہوئے،

۱۶۹۳ء، زلزلہ نے کیٹینیا (اٹلی) کو ۱۸ ہزار نفوس کے ساتھ غرق کردیا، کل تعداد اموات ایک لاکھ تک پہنچی،

۱۸۸۳ء، کوہ کراکوٹوا (جاوا) کی آتش فشانی سے ۴۰۰ ہزار افراد کی جانین ضایع ہوئین،

۱۹۰۲ء، کوہ پیلی کی آتش افشانی نے سارے شہر سینٹ پیری (مارٹینک) کو آناً فاناً مٹا دیا، دس منٹ کے اندر ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا،

۱۹۰۵ء، زلزلہ سے دہرمسالہ (پنجاب) مین جسکا اثر لاہور تک پہنچا تھا، دس ہزار جانین ضایع ہوئین،

۱۹۰۸ء سینا (اٹلی) مین قیامت خیز زلزلہ آیا، جس نے ایک ۱۱ لاکھ انسانی زندگیون کو نذر اجل کردیا۔

کچھ روز ہوئے توکوپلا (مملکت چلی، جنوبی امریکہ) مین ایک قدیم نعش عجیب و غریب ہیئت کے ساتھ برآمد ہوئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کان کن تھا، اور تانبے کی ایک کان کے اندر بیٹھا ہوا کچے تانبے کو صاف کر رہا تھا، عین اسی حالت مین کان بیٹھ گئی، اور یہ

شخص اسی حالت مین دبکر مرگیا، کام کرتے وقت یہ شخص جس وضع وہیئت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوگا ٹھیک اسی حالت کے ساتھ اسکی نعش برآمد ہوئی ہے، علمارفن کی متفقہ راے ہے کہ یہ نعش چہ صدیون سے قبل کی ہے، البتہ اس باب مین یہ لوگ مختلف الآرا ہین کہ متوفی کس قوم و نسل کا شخص تہا،

پونہ مین بہنڈارکر ریسرچ انسٹیٹیوٹ، مشرقی علوم والسنہ کی جوگرانبہا خدمات انجام دے رہا ہے، ان کا ذکر معارف مین اس سے پیشتر آچکا ہے، اسی نوعیت کی ایک دوسری چیز بمبئی مین بھی ہے، جسکا نام کاما اورینٹیل انسٹیٹیوٹ ہے اورجوایک فارسی فاضل شمس العلما کے، آر، کاما کی یادگار مین گیارہ سال سے قائم ہے، گذشتہ اگست مین اسکا گیارہوان سالانہ اجلاس ڈاکٹر جمشیدجی مودی کی زیر صدارت منعقد ہوا، سکریٹری کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ پچھلے سال گورنمنٹ سے تیس ہزار کا عطیہ اس غرض سے موصول ہوا کہ تحقیقات عالیہ کے لئے رفقاء پر یہ رقم صرف کیجائے، مسٹر بومن جی نوشیروان جی ایم، اے، جو اس غرض سے رفیق منتخب ہوے تھے کہ تمام مطبوعات ومسودات موجودہ انسٹیٹیوٹ مذکور کی ایک مفصل ومشرح فہرست تیار کرین، اپنے کام سے فارغ ہوچکے، سال آیندہ کے لئے ایک جدید رفیق (فیلو) کا تقرر اس غرض سے ہوا ہے کہ وہ پہلوی کتبات اور سکہ جات پر لکچر دین، ایک اور رفیق (فیلو) اس کام پر متعین کئے گئے ہین، کہ وہ سورت وبہروچ مین گشت لگا کر پارسیون کی تاریخ سے متعلق ہر قسم کا سرمایۂ معلومات فراہم کرین، ایک فیاض معطی کی جانب سے اسکا اعلان کیا گیا کہ انھون نے ایک سال کے لیئے تین سو ماہوار کا عطیہ تاریخی تحقیقات کے اغراض کے لئے منظور کیا ہے۔

پونہ کی گذشتہ مشرقی کانفرنس کے موقع پر کاما انسٹیٹیوٹ نے اپنے ہان کے پانچ نادر مسودات علمی نمائش کے لئے بھیجے تھے جنمین حسب ذیل قابل ذکر ہین:-

(۱) قانون مسعودی

(۲) محیط معرفت،

(۳) مہابہارت، (پانچ ابواب)

ڈاکٹر کاما کو سب سے زیادہ شغف ایرانی علوم وفنون سے تہا، انکے انسٹیٹیوٹ کے کارکنون کو سب سے زیادہ دلچسپی اسی سے ہے، امید ہے کہ انکی کوششون سے کچھ عرصہ مین ایرانی تاریخ ایرانی علوم، وایرانی السنہ کے متعلق ایک عظیم الشان ذخیرۂ معلومات فراہم ہوجائیگا۔

ادبیات

غزل

حضرت جگر مرادابادی

جورِ گلچین و جفاے باغباں دیکھا کئے — جو دکھایا تونے وہ اے آسمان دیکھا کئے
شامِ فرقت دل کی آہون کا دہوان دیکھا کئے — ہر طرف ہم آسمان ہی آسمان دیکھا کئے
آج کن آنکھون سے یہ جورِ خزان دیکھا کئے — سب چمن لٹتا رہا اور باغبان دیکھا کئے
جب چمن سے لیچلا صیاد کرکے ہمکو قید — دُور تک مُڑ مُڑ کے سوے گلستان دیکھا کئے
اب قفس مین ہوش آیا تو یہ حسرت ہی ہمین — کسطرح آنکھون سے لُٹتے آشیان دیکھا کئے
جی بھر آیا ناتوانی مین جو راہِ شوق مین — دیر تک ہم نقش پاے رہروان دیکھا کئے
تہا اسیری مین بھی کچھ ایسا تعلق رُوح کو — ہم قفس مین روز خواب آشیان دیکھا کئے
کیسی سیرِ لالہ وگل باغ مین جبتک رہے — دستِ گلچین یا نگاہِ باغبان دیکھا کئے

(۲)

مرزا احسان احمد بی اے ال ال بی، وکیل

جب یون بھری ہوئی نگہِ باغبان رہے — پھر کسطرح چمن مین مرا آشیان رہے
کچھ ایسے محوِ لذتِ دردِ نہان رہے — دنیا سے بے نیاز رہے ہم جہان رہے
صیاد تجھسے خوش رہے یا سرگران رہے — لیکن اسیرِ غم وہی طرز فغان رہے
اتنا کرم تو مجھ پہ مرے باغبان رہے — سب کچھ ہو دور پاس مگر آشیان رہے
کچھ آج ایسی شان سے آہ و فغان رہے — چارو نطرف قفس کے دہوان ہی دہوان رہے

یون ہوشیار راہِ محبت تو لطف ہے
دل مین بھرا ہو درد مگر چپ زبان رہے

دروازۂ قفس ہے کہلا دیر سے مگر
حیرت یہ ہے ہمین کہ ہم اتبک کہان رہے

قیدِ قفس مین جی جو بہر آیا تو دیر تک
ہم آج دیکھتے ہی سوے گلستان رہے

پامالی چمن ہونگا ہون کے سامنے
اور اُسپہ حکم یہ ہے کہ ضبطِ فغان رہے

صیاد کی نگاہ مین ہے کسقدر عزیز
تہوڑی سی وہ جگہ بھی جہان آشیان رہے

آنے لگے ہین خواب اسیری ہمین نظر
گلشن مین اب بہار رہے یا خزان رہے

ذوقِ ستم سے ہو نہ سکا بے نیاز مین
ہر چند میرے حال پہ وہ مہربان رہے

لٹتا رہا قفس کے قریب اپنا آشیان
ہم تھے کہ پھر بھی مائلِ خوابِ گران رہے

اے چشمِ شوق آج ہو یون عرضِ مدعا
ہر جنبشِ نگاہ مین اک داستان رہے

(۳)

ہادی مچھلی شہری

ذوقِ کرم کو یون بھی نہ رسوا کرے کوئی
کبتک کسی سے عرضِ تمنا کرے کوئی

ہے کشمکش مین جذبِ نظر سے نقابِ حسن
اتنا نہ چشمِ شوق سے پردا کرے کوئی

مانا کہ اضطراب ہے شرمندۂ سکون
قابو چلے نہ دل پہ تو پھر کیا کرے کوئی

کہتا ہے حسن سارے علائق سے چھوٹکر
تمکو تمہارے سامنے دیکھا کرے کوئی

اللہ رے لطفِ یار کی بے التفاتیان
کبتک نگاہِ یاس سے دیکھا کرے کوئی

ہوجاے کاشکے فیصلۂ یاس و آرزو
کبتک تری نگاہون کو دیکھا کرے کوئی

لے دیکے اک ہمین تو ہو سرمایۂ حیات
پوچھو نہ تم بھی بات تو پھر کیا کرے کوئی

کچھ شغل چاہیئے دلِ مجبور کے واسطے
ہادی نہ مضطرب ہو مگر کیا کرے کوئی

(۴)

مولوی ابوالحسنات نیّر ندوی

یاس کا گھر جو مرا یہ دلِ رنجور ہے آج　　آرزو دل کی بھی اب دل سے کہیں دور ہی آج

بنگئی اپنی خودی پردۂ دیدار جمال　　سامنے رہ کے نگاہوں سے وہ مستور ہی آج

حسن کچھ غیر نہیں دید سے محرومی کیوں؟　　خود مرا تارِ نگہ جلوہ گہ طور ہے آج

عشق کی خیر ہو یارب کہ ملی لذت زیست　　تن میں ہر قطرۂ خون صورت ناسور ہی آج

دہر آئینہ ہے اس جلوۂ یکتا کے لئے　　حسن آپ اپنی ہی دیدار سے مسرور ہی آج

ہاں کسیکی نگہ ناز نے پھر چھیڑ دیا　　زخم دل دیکھ رہا ہوں کہ بدستور ہے آج

ذرّہ ذرّہ سے انا الحق کی صدا اُٹھتی ہے　　دل جو شورافگنِ آوازۂ منصور ہے آج

جلوۂ وادیٔ ایمن کی حقیقت معلوم
دل کا جو داغ ہے وہ شمعِ سرِ طور ہے آج

مطبوعات جدیدہ

رباعیاتِ ابوسعید ابوالخیر، حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر پہلے شخص ہین جنھون نے فارسی شاعری مین صوفیانہ خیالات ادا کئے، یہ انہی کی رباعیان ہین، جنکو پروفیسر کے، ایم منترا ایم، اے (لاہور) اور مولوی عبدالعزیز منہاس بی، اے، وکیل (گوجرانوالہ) نے مرتب کرکے شائع کیا ہے، یہ رباعیان چونکہ بالکل ابتدائی زمانہ کی ہین اسلئے ان مین تصوف کے حقائق اور مسائل موجود نہین، البتہ عشق ومحبت کے جذبات ہین جنمین تصوف کا رنگ جھلک رہا ہے، آج فارسی شاعری مین تصوف کا جو وسیع سرمایہ موجود ہے، اسکی بنیاد انہی رباعیون پر ہے، اس بنا پر ان کے مرتب کرنے والون نے درحقیقت فارسی زبان کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے جسکے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہین، اس رسالہ مین ۴۸ رباعیان ہین اور اسکی قیمت ایک روپیہ ہے، پتہ: شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور،

مقامِ حدیث، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے مذہبی رسائل کا ایک نہایت مفید سلسلہ شروع کیا ہے جنمین سے بعض پر معارف مین ریویو بھی ہوچکا ہے، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اسکے مصنف مولوی محمد علی صاحب ایم، اے امیر جماعت احمدیہ ہین جنھون نے حدیث کی صداقت، ضرورت، جمع وترتیب، اور جرح وتعدیل وغیرہ پر بحث کی ہے اور نہایت عالمانہ پیرایہ مین کی ہے، لیکن بعض جگہ فروگذاشتین بھی ہوگئی ہین، مثلاً انھون نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ حدیث کا درس باقاعدہ طور پر تابعین کے زمانہ مین شروع ہوا، حالانکہ اسکا سلسلہ خود حضرت عمر کے زمانہ مین قائم ہوچکا تھا، اور مختلف مقامات مین متعدد صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے، بہرحال

چونکہ مولف کا مقصد محض حدیث کا درجہ اور مرتبہ ثابت کرنا ہے، اسلئے بلا شبہہ وہ اسمین کامیاب ہوئے ہین، اور ہم اس مفید علمی خدمت پر انکو مبارکباد دیتے ہین، رسالہ کی قیمت ہے اور مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتا ہے،

انجمن ترقی تعلیم کے وظائف، یہ انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند امرتسر کی سالانہ رُوداد ہے، جسمین اُن طلبہ کی فہرست دیگئی ہے جو اُسکے وظائف سے تعلیم پا رہے ہین اور جنکی موجودہ تعداد ۱۸۰ ہے، انجمن نے اپنی مختصر سی عمر مین نہایت خاموشی، سکون، اور استقلال کے ساتھ مسلمانون کی جو خدمت کی ہے اسکی نظیر سے تمام اسلامی مدارس اور انجمنین خالی ہین، اور یہ بلاشبہہ مولوی محمد عمر صاحب مرحوم سکریٹری اور ارکان انجمن کے جوش، خلوص، دیانت اور ایمانداری کا نتیجہ ہے، جس نے اس انجمن کو قابل تقلید بنا دیا ہے، انجمن مذکور کے موجودہ سکریٹری جناب خواجہ مظہر حسین صاحب بی، اے وکیل نے اس روداد مین قلت سرمایہ کی شکایت کی ہے، اور انجمن کے مقاصد کے لحاظ سے پانچ لاکھ روپیہ کی اپیل شائع کی ہے،

انجمن حمایت اسلام کا ماہوار رسالہ: شعبان، رمضان، اور شوال کے یہ پرچے ہین، جنمین انجمن کے موجودہ تغیرات اور انتظامات کے علاوہ مختلف مذہبی اور تعلیمی مضامین درج کئے گئے ہین جنمین سے ایک تاتاری مسلمان اور تعلیم عربی ہے جو جناب مولانا عبدالسلام ندوی کے قلم کا نتیجہ ہے، ایک پرچہ مین سیر سلیمان کے عنوان سے جناب مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خط نقل کیا ہے، جو انھون نے مولوی مسعود علی صاحب ندوی کے نام لکھا تھا اور جسمین وینس وغیرہ کے حالات ہین۔